KitabPK.Com

"علی میاں پبلی کیشنز" کے روحِ رواں عبدالغفار صاحب نے میرے ناول "وفا" کو چھاپنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ بڑے حوصلے کی بات ہے ورنہ اس پُر آشوب دور میں نوجوان نسل نے افسانوی ادب کی طرف سے نظریں بند کر رکھی ہیں۔ کبھی غزلوں کی محفلوں اور مشاعروں میں خوبصورت اشعار' معیاری مذاق' غالب اور میر تقی میر کے تذکرے روح کو غذا فراہم کرتے تھے۔ ذہن کو آسودگی کا احساس ہوتا ہے کسی خوبصورت شعر کو مہینوں گنگنانے کو دل چاہتا تھا۔ کسی اچھی بات کو یاد کر کے بار بار ہنسی آجاتی تھی۔ اب ٹیلی وژن کی نشریات نے ادبی ذوق کو دھچکہ پہنچانا شروع کر دیا ہے۔ راک اینڈ رول نے ذہنوں کو بگاڑ دیا ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کے فلسفے کو بھی کولھے مٹکا مٹکا کر مغربی دھن پر سنایا جا رہا ہے۔ لوگ تالیاں بجا رہے ہیں۔ بڑی حیرت کی بات ہے!!

ایک زمانہ تھا جب افسانوی ادب اور رومانی ناول کو عروج حاصل تھا۔ اب تو خواتین ناول نگار کی پہلی جیسی ناولیں بھی خال خال نظر آتی ہیں۔ کل تک ماورائی' جاسوسی اور پُراسرار کہانیوں کو برا کہا جاتا تھا۔ دیومالائی اور خوفناک کہانیوں پر ہمارے تنقید نگار کھل کر برہمی کا اظہار کرتے تھے بلکہ انہیں ادب کے دائرے میں شمار کرنے کو قطعاً آمادہ نہیں تھے۔ آج صرف ایسی ہی کہانیاں پسند کی جا رہی ہیں۔ سرورق پر حیا بار نظریں' جھکی ہوئی پلکیں' شوخ چہروں کے بجائے توپ بندوق فضا میں جھولتے ہوئے انسانی پنجر خوف کی مختلف علامتوں کی دل دہلا دینے والی تصاویر اور شیطانی کھوپڑیاں نظر آتی ہیں۔ ان ناولوں کے عجیب و غریب نام بھی رکھے جا رہے ہیں۔ مغربی ساز پر مشرقی دھن زیادہ کامیاب نہیں ہوتی' زمانہ کروٹیں بدلتا رہتا ہے۔

"وفا" کے سلسلے میں مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ میں نے اس کی ایک ایک سطر کو بڑی

دیانت اور سچائی سے لکھا ہے۔ آپ اس سے پیشتر بھی "پاکیزہ" ڈائجسٹ میں میرے کئی رومانی سلسلے اور بے شمار کہانیاں پڑھ چکے ہیں۔ غفار صاحب نے "وفا" شائع کرنے کا جو اہتمام کیا ہے اس کے لئے شکرگزار ہوں' کیا عجب ہے کہ "وفا" کی اشاعت کے بعد زمانہ پھر کروٹ بدلے اور معیاری ادب ہماری اس گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھال لے۔ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ میں چلتے چلتے ایک گزارش کروں گی۔ "وفا" کے سلسلے میں اپنی قیمتی آراء اور بے لاگ تبصروں سے ضرور نوازیئے گا۔ نوازش ہو گی۔

بلقیس کنول

KitabPK.Com

انجامِ وفا!

تصویر کا یہ عنوان اسے بے حد پسند آیا۔

کتنی حسرت تھی اس ایک چھوٹے سے نام میں! ..... کتنا خوبصورت سا عنوان دیا تھا مصور نے اپنے اس حسین شاہکار کو جس پر ہزاروں افسانے تخلیق کیے جا سکتے تھے۔

فرزانہ کے بڑھتے ہوئے قدم یکلخت رک گئے! اس نے تصویر کو ایک بار پھر غور سے دیکھا اور نہ جانے کیوں اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس تصویر کا اُس کی اپنی زندگی سے بھی کوئی گہرا لگاؤ رہا ہو! ..... کوئی مقناطیسی قوت تھی جو فرزانہ کو اس شاہکار کی باریکیوں میں جذب کیے دے رہی تھی! ..... ایک انجانا اور غیر مانوس جذبہ جسے وہ خود بھی کوئی نام دینے سے قاصر تھی۔

مصور نے اپنے شاہکار میں ہڈیوں کا ایک بے جان ڈھانچہ دکھایا تھا جس کے جسم پر بچے کھچے گوشت کو گدھ نوچ رہے تھے! ..... پس منظر میں نظر آنے والے کھنڈرات! سوکھے ہوئے خزاں رسیدہ درخت اور ویران ماحول نے جیسے اس تصویر میں جان ڈال دی تھی۔

"لیکن وہ ہڈیوں کا ڈھانچہ کس کا تھا؟" فرزانہ نے سوچا۔

کوئی مرد یا

کوئی عورت !

آخر وہ کون ہستی تھی جس نے وفا کی معراج کو پالیا تھا ..... ان بلندیوں کو چھو لیا تھا جس کا تصور بھی آج کی دنیا میں مفقود ہو کر رہ گیا تھا! فرزانہ تصویر کے سامنے کھڑی اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتی رہی۔ کتنی حسرت ٹپک رہی تھی کینوس پر بکھرے ہوئے ان سوگوار رنگوں سے جن کی آمیزش نے ایک حسین شاہکار کو جنم دیا تھا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

KitabPK.Com

آرٹ گیلری میں آج تصویروں کی نمائش کا پہلا دن تھا! ..... فرزانہ اپنے کالج کی ہم مذاق سہیلیوں کے ساتھ بڑی ہنسی خوشی تصویروں کی نمائش کو دیکھنے آئی تھی لیکن انجامِ وفا نے جیسے اس کی تمام خوشیوں کو سلب کر لیا تھا۔ اسے خود بھی تو مصوری سے لگاؤ تھا۔ وہ بذاتِ خود بھی حساس طبیعت کی مالک تھی! لطیف احساسات کو سمجھنے کا شعور تھا لیکن آج تک اس کے ذہن نے کسی ایسے شاہکار کی تخلیق نہیں کی تھی جس پر وہ فخر کر سکتی! ..... کینوس کی سطح پر آڑے ترچھے نقوش اور خاکے بنا کر اس میں رنگ بھر دینا کوئی ایسا دشوار کام نہیں ہے' کمال تو یہ ہے کہ تصویر خود منہ سے بولے!

فرزانہ تصویر کی باریکیوں میں محو ہو کر رہ گئی! اسے اس بات کا احساس بھی نہیں رہا کہ نگہت' دردانہ اور برجیس اسے مختلف زاویوں سے دیکھ دیکھ کر برابر منہ بنا رہی تھیں۔ اس کی محویت تو اسی وقت ختم ہوئی تھی جب برجیس نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر بڑے درد بھرے لہجے میں یہ شعر پڑھا تھا۔

"اس کو بے مہری عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا"

فرزانہ چونک پڑی! اس نے گھوم کر برجیس کو دیکھا جو ابھی تک اسے بڑی رحم طلب نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔

"میں نے کہا فرزانہ! ..... کیا ابھی سے مستقبل کا خیال ستانے لگا۔" نگہت نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"کہاں کھو گئی تھیں میری بنو؟" دردانہ نے اسے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"یہ تصویر....." فرزانہ نے بڑے بھولپن سے انجامِ وفا کی طرف اشارہ کیا۔ "تم لوگوں نے شاید اسے غور سے نہیں دیکھا! ..... کتنا پیارا اور خوبصورت سا خیال پیش کیا ہے مصور نے۔"

"کوئی محبت کا مارا معلوم ہوتا ہے۔" برجیس نے کہا۔ "بے چارا۔"

"انتہائی احمقانہ آئیڈیا ہے۔" دردانہ بولی۔ "واہ! ..... یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ انسان منزل کو چھوڑ کر ویرانوں میں بھٹکتا پھرے۔"

"میری سمجھ میں تو خاک نہیں آ رہا کہ میاں مصور نے اس میں ایسی کون سی خاص بات پیدا کی ہے جو فرزانہ کے دل کو بھا گئی۔" برجیس نے تصویر کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم اس کی باریکیوں کو نہیں پا سکو گی۔" فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔ "میں تو اس مصور کے بارے میں سوچ رہی ہوں جو اتنے عظیم خیالات کا مالک ہے۔"

"لینا بھئی دردانہ! ..... یہ تو گئی ہاتھ سے۔" برجیس نے دردانہ کو مخاطب کیا۔ "میں تو سمجھی تھی اسے صرف خاکہ پسند آ گیا ہے لیکن یہ تو تصویر کا دوسرا رخ بھی تلاش کرنے کی فکر میں ہے۔"

"مرض خطرناک معلوم ہوتا ہے۔" دردانہ نے طنز کیا۔ "ہمیں اب چچا جان سے مل کر کہنا پڑے گا کہ وہ جلد از جلد اس کے گلے میں نکیل ڈالنے کی فکر کریں ورنہ چڑیا کسی دن پھر سے اُڑ جائے گی۔"

"خدا سمجھے تم لوگوں سے۔" فرزانہ نے عاجز آ کر کہا۔ "بے بات کا بتنگڑ بنا کر رکھ دیا۔"

"ہم نہیں مانیں گے اس تجاہلِ عارفانہ کو۔" برجیس نے تشویشناک لہجے میں کہا۔ "دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔"

"مجھے تو کچھ ہرا ہرا نظر آ رہا ہے۔" نگہت بولی۔

"تم تو اپنی رہنے دو نگہت۔" فرزانہ نے برجستہ کہا۔ "تمہیں تو ہمیشہ ہی ہری ہری سوجھتی ہے۔"

"اس بات کی تصدیق میں بھی کر سکتی ہوں۔" دردانہ نے بھی نگہت کا پیچھا لیتے ہوئے کہا۔ "ابھی پرسوں ہی کی بات ہے جب یہ....."

"خبردار دردانہ!" نگہت اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے بولی۔ "اگر تم نے وعدہ خلافی کی تو پھر میری زبان بھی بند نہیں رہے گی۔"

"بہت خوب! ..... گویا ان دونوں نے اندر ہی اندر کھچڑی پکانی شروع کر دی اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی۔" برجیس نے فرزانہ کو مخاطب کیا پھر وہ دردانہ کے پیچھے پڑ گئی۔ "تمہیں پرسوں والی بات بتانی ہو گی نہیں تو ہم کٹی کر لیں گے۔"

"کوئی خاص بات نہیں تھی۔" دردانہ نے ٹالنا چاہا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"میں نہیں مان سکتی! ..... تجھے بتانا ہو گا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔" برجیس نے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم کوئی غیر ہیں۔"

"اچھا بابا بتا دوں گی! ..... یہاں سے تو ٹلو۔"

"بالکل نہیں! ..... جب تک تم بتاؤ گی نہیں میں یہاں سے ایک انچ بھی نہیں کھسک سکتی۔"

"توبہ ہے بھئی! تم تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ گئی ہو۔" دردانہ نے تنگ آتے ہوئے کہا۔ میں تو یونہی نگہت کو چھیڑ رہی تھی ..... بات وات خاک بھی کچھ نہیں تھی ..... ہوا یوں تھا کہ پرسوں جب میں لائبریری کی طرف گئی تو نگہت صاحبہ وہاں پہلے ہی سے بیٹھی بڑے انہماک سے مثنوی زہر عشق کا مطالعہ کر رہی تھیں' میں نے جب پوچھا کہ ایسی کتابوں کو پڑھنے کی ضرورت کیا آن پڑی ہے تو یہ ہنس کر ٹال گئی! بس اتنی سی بات تھی۔"

برجیس نے نگہت کو گھورا جو بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"جانے دو برجیس! ..... یہ دونوں بڑی پکی ہیں ..... ہم خود ہی تاک میں رہیں گے' دیکھتے ہیں بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی ہے؟" فرزانہ نے برجیس کو مشورہ دیا۔

"میری تاک میں رہ کر تم اپنا وقت کیوں ضائع کرتی ہو؟" دردانہ کو موقع مل گیا۔ "اگر کہو تو میں اس مصور کی تلاش شروع کر دوں جس کے شاہکار نے تم کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے ..... میں خود ہی اُسے تلاش کر لوں گی۔" فرزانہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا کہ مرض خطرناک معلوم ہوتا ہے لیکن اگر کہیں وہ بھی اپنے شاہکار کی طرح ہڈیوں کا پنجر ثابت ہوا تب کیا کرو گی؟"

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے ..... تمہیں کیا پڑی ہے؟" نگہت نے بھی چوٹ کی۔

"تم لوگ خواہ کچھ بھی سمجھتی رہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں اس مصور سے ضرور ملوں گی جس نے انجامِ وفا کو تخلیق کیا ہے۔" فرزانہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ "میں اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ مجھے اسے دیکھے بغیر اس سے عقیدت ہو گئی ہے۔"

"فرزانہ! ..... کیا تم واقعی سنجیدہ ہو؟" برجیس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"لیکن تم اس مصور سے مل کر کرو گی کیا؟"

"میں اس سے فن کی ان باریکیوں کو سیکھوں گی جس کی کمی آج میں نے اپنے اندر بڑی شدت سے محسوس کی ہے۔" فرزانہ نے دوبارہ تصویر پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"کیا چچا جان تمہیں اس بات کی اجازت دیں گے؟" دردانہ نے پوچھا۔

"میں نہیں سمجھ سکتی کہ انہیں کوئی اعتراض ہو گا۔"

"پھر کون سی بڑی بات ہے اس کا پتہ معلوم کرنا۔" دردانہ بولی۔ ہم ابھی چل کر منتظمین سے معلوم کئے لیتے ہیں۔"

"لیکن میں اس کا مشورہ بالکل نہیں دوں گی۔" نگہت نے درمیان میں ٹانگ اڑائی۔

"کیوں؟" فرزانہ نے اسے وضاحت طلب نظروں سے گھورا۔

"اس لئے کہ آگ اور پٹرول کا ساتھ ہمیشہ خطرناک ہوا ہے۔ اگر کہیں مصور تمہیں فن کی باریکیاں سکھاتے تمہارے حسن کی حشر سامانیوں کا شکار ہو گیا تب کیا ہو گا۔"

"فکر مت کرو دادی اماں!" برجیس نے فرزانہ کی حمایت میں کہا۔ "اول تو فرزانہ موم کی بنی ہوئی نہیں ہے کہ اس کی نگاہوں کی تپش سے پگھل جائے اور خدانخواستہ اگر یہ نوبت آ ہی گئی تو میں اسے تمہارا پتہ بتا دوں گی۔"

نگہت جھینپ کر رہ گئی۔

"اسی لئے بڑے بوڑھوں نے منع کیا ہے کہ جوان جہان لڑکیوں کا ہر معاملے میں بولنا اچھی بات نہیں ہے۔" دردانہ نے نگہت پر چوٹ کی۔

پھر وہ آپس میں چھیڑ چھاڑ کرتی ہوئی مینجر کے کمرے میں آ گئیں۔ مینجر نے بڑے پُرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا تھا۔

"ہمیں آپ سے ایک ضروری بات دریافت کرنی ہے۔" برجیس نے کہا۔

"فرمایئے! ..... کیا آپ کوئی تصویر خریدنا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں ....." فرزانہ جلدی سے بولی۔ "میں "انجامِ وفا" نامی تصویر خریدنا چاہتی ہوں۔"

Uploaded By Nadeem ندیم

"اوہ....." مینجر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ سے پہلے بھی ہمارے بہت سارے کرم فرما اسی تصویر کو خریدنے کی پیش کش کر چکے ہیں۔"

"کیا وہ بک چکی ہے!" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"جی نہیں ..... ہم اس تصویر کو فروخت نہیں کر سکتے۔"

"کوئی وجہ.....؟" دردانہ نے سوال کیا۔

"مصور کی مرضی محترمہ!..... ہم کسی فنکار کو مجبور نہیں کر سکتے۔"

"میں اس تصویر کے لئے پانچ ہزار کا آفر دیتی ہوں۔" فرزانہ نے جذباتی انداز میں کہا۔

"ہمارے پاس دس ہزار تک کا آفر آ چکا ہے لیکن مسٹر ساگر نے ہم سے پہلے ہی وعدہ لے لیا تھا کہ ہم اس تصویر کو کسی قیمت پر بھی فروخت نہ کریں گے۔"

"کیا میں مسٹر ساگر سے مل سکتی ہوں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"جی ہاں! بڑے شوق سے۔" مینجر نے ایک کارڈ دراز سے نکال کر فرزانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ اس پتے پر اُن سے مل سکتی ہیں لیکن میرا خیال ہے آپ کو مایوسی ہو گی۔"

"کیا مطلب.....؟" نگہت نے سوال کیا۔ "کیا وہ ہم سے ملاقات کرنے سے بھی انکار کر دیں گے؟"

"آپ نے میرے جملے کا غلط مطلب نکالا ہے' دراصل میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ مسٹر ساگر بہت زیادہ حساس طبیعت واقع ہوئے ہیں ..... ہر فنکار حساس ہوتا ہے لیکن آپ ساگر صاحب کو ضرورت سے کچھ زیادہ ہی حساس پائیں گی۔ اتنے بڑے مصور کو شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی بسر کرنی چاہئے لیکن وہ نہ جانے کیوں گمنامی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں؟"

"ہمیں ان کی زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے ..... فنکار کا فن ہی اس کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔" فرزانہ قدرے تلخ لہجے میں بولی۔ نہ جانے کیوں اسے مینجر کی بات بہت گراں گزری تھی۔

"آؤ ..... چلیں۔" اس نے پلٹ کر اپنی سہیلیوں سے کہا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکل گئی۔

☆======☆======☆

بیرسٹر صدیق علی خاں کی زندگی بڑے آرام اور سکون سے گزر رہی تھی۔ رہنے کے لئے عالیشان کوٹھی تھی' گھومنے کے لئے کاریں تھیں' خدمت کرنے کے لئے ملازمین تھے اور سب سے بڑھ کر دولت کی ریل پیل تھی جس نے ان کو آج تک مصائب و آلام کی ہوا تک نہ لگنے دی۔

انہوں نے دولت کے گہوارے میں آنکھ کھولی تھی ..... ماں باپ کے ایک اکلوتے نورِ نظر ہونے کی وجہ سے ان کو ہمیشہ لاڈ پیار سے رکھا گیا۔ ذہین تھے اس لئے تعلیمی مدارج بھی نہایت آسانی سے طے کرتے رہے۔ نہ کسی بات کی فکر تھی نہ کسی بات کا غم۔ ماں باپ کی دل جوئی اور حد سے بڑھے ہوئے لاڈ پیار نے انہیں زندگی کے نشیب و فراز اور سرد و گرم کو سمجھنے اور پرکھنے کا کبھی موقع ہی نہ دیا لیکن کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ وقت نے بڑے بڑے سورماؤں کی زندگیوں کو بدل کر رکھ دیا ہے۔

صدیق علی خاں ابھی بی اے کے پہلے ہی سال میں تھے کہ ماں کی شفقتوں سے محروم ہو گئے۔ ماں کی جدائی کا زخم ابھی مندمل بھی نہ ہونے پایا تھا کہ ایک سال بعد باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور وہ زندگی میں تنہا رہ گئے ..... دور پرے کے عزیزداروں نے دھن دولت کی لالچ میں آ کر ان کی سرپرستی کے فرائض کو اپنانے کی پیشکش بھی کی لیکن صدیق علی خاں نے ان لوگوں کو بڑی خوبصورتی سے ٹال دیا۔

بی اے کر لینے کے بعد وہ بیرسٹری کے حصول کے لئے لندن چلے گئے۔ باپ کی چھوڑی ہوئی جائیداد اتنی کافی تھی کہ اگر وہ چاہتے تو تمام زندگی دونوں ہاتھوں سے دل کھول کر خرچ کرتے لیکن ان کے دل میں چونکہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی لگن تھی اس لئے انہوں نے گھر کا سارا انتظام اپنے پرانے اور وفادار ملازم کے سپرد کیا اور خود لندن چلے گئے۔

چار سال بعد جب وہ بیرسٹر کی ڈگری لے کر واپس لوٹے تو ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی آ گئی۔ مغربی ماحول کی جھوٹی چمک دمک نے ان کے ذہن پر گہرا اثر ڈالا تھا چنانچہ واپسی کے بعد گھر کا سارا نظام بدل ڈالا۔ دسترخوان کی جگہ ڈائننگ ٹیبل نے لے لی جس پر

Uploaded By Nadeem ندیم

اب چھری کانٹے بھی نظر آنے لگے۔ ملازمین کو ان کے کام کی نوعیت کے اعتبار سے وردیاں بھی پہننی پڑیں غرضیکہ مغربی تہذیب کے جراثیم جو اُن کے ساتھ ساتھ آئے تھے پورے ماحول پر رفتہ رفتہ چھا گئے۔

ذہانت چونکہ ورثے میں ملی تھی اس لئے ہائی کورٹ میں قدم رکھتے ہی کامرانیوں نے بڑھ کر ان کے قدم چوم لئے۔ سال بھر کے مختصر عرصے ہی میں انہوں نے پورے شہر میں اپنا ایک علیحدہ اور نمایاں مقام پیدا کر لیا۔ موکلوں کی بھیڑ ہر وقت دہلیز پر جمع رہتی ..... دولت اور عزت کی پہلے بھی کوئی کمی نہ تھی اور اب تو اس میں شہرت کا اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ جس کیس کو بھی ہاتھ میں لیتے بحسن و خوبی اسے کامیابیوں کی منزلوں سے ہمکنار کرا دیتے۔

ان کی زندگی مصروفیتوں کے درمیان گھر کر رہ گئی لیکن اس کے باوجود آنکھوں نے مغربی تہذیب میں چار سال تک جن رنگینیوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا اس کا اثر ابھی تک ذہن پر طاری تھا۔ مصروفیتوں کے باوجود بڑی پابندی سے کلبوں اور تفریح گاہوں میں جانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ پیسوں کی جھلک نے ان کے گرد بے شمار لالچی اور خودغرض دوستوں کی بھیڑ بھی جمع کر دی۔

شیطان اپنی کامیابی پر مسکراتا رہا۔

حالات کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ دولت کی بہتات نے تو بڑے بڑے زاہدوں کے ایمان کو بھی متزلزل کر ڈالا ہے۔ صدیق علی خاں بھلا کس قطار میں شمار میں تھے۔ ان کے قدم بھی لڑکھڑا گئے۔ غلط قسم کے دوست احباب نے اپنا حلوہ مانڈا سیدھا کرنے کے لئے انہیں غلط راہ پر ڈال دیا۔ شراب اور شباب کی آمیزش نے ان کو زندگی کی نئی لذتوں سے ہمکنار کر دیا اور پھر ان کی حالت اس کشتی سے مختلف نہ رہ سکی جو منجدھار میں پھنس کر موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دی جاتی ہے۔

صدیق علی خاں دولت کے نشے میں سرشار ڈگمگاتے قدموں سے ایک نئی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ایک ایسی راہ پر چل نکلے تھے جس پر شرم و حیا کی کوئی بندشیں نہیں تھیں ..... عزت اور شرافت کا احساس جھلملاتی ہوئی تیز روشنیوں کی چمک دمک کے سامنے پھیکا پڑ گیا۔ ماں باپ کی نصیحتیں معدوم ہوتی چلی گئیں۔ زندگی کی جھوٹی لذتوں نے

ان کو پوری طرح اپنے اندر جذب کر لیا تھا۔ قدرت بھی انہیں ڈھیل دیتی رہی۔

انہی ایام میں ان کی ملاقات ایک فیشن پرست اور مغربی تہذیب کی دلدادہ خوبصورت سی لڑکی سے ہو گئی۔ دونوں ایک ہی راہ کے مسافر تھے اس لئے جلد ہی گھل مل گئے۔ آئے دن کی ملاقاتوں نے دونوں کو جلد ہی ایک دوسرے سے قریب تر کر دیا۔ صدیق علی خاں شبانہ کی حشر سامانیوں کا شکار ہو گئے۔ انہیں شبانہ سے ایک لمحے کی جدائی بھی برداشت نہ تھی۔ انہوں نے دوسری لڑکیوں کی طرح شبانہ کی زندگی سے بھی کھیلنے کی کوشش کی لیکن وہ دوسری لڑکیوں سے مختلف ثابت ہوئی۔ اس نے صدیق علی خاں سے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اگر وہ اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ شادی کر لیں۔

صدیق علی خاں خود کو شادی کی زنجیروں میں جکڑنا محض حماقت سمجھتے تھے لیکن شبانہ کی پیشکش کو ٹھکرانا بھی ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ چنانچہ ایک روز کچھ دوستوں کی موجودگی میں انہوں نے شبانہ سے شادی کر لینے کی ہامی بھر لی اور دوسرے ہی دن سول میرج کر کے اسے اپنے گھر کی زینت بنا لیا۔

زندگی کے اس نئے موڑ پر پہنچ کر انہیں بڑی شدت سے اس بات کا احساس ہوا تھا کہ اب انہیں گھر کی چاردیواری میں خود کو مقید کر دینا پڑے گا۔ اس احساس نے انہیں وقتی طور پر جھنجھوڑ کر رکھ دیا لیکن پھر حالات نے ایک نئی کروٹ لی اور ان کی آنکھوں پر پڑی ہوئی وہ پٹی کھل گئی جس کی موجودگی نے سیاہ و سپید کی تمیز کو کچھ عرصے کے لئے ختم کر دیا تھا۔

اعلیٰ طبقے کے معززین جو ان کی رفاقت کو باعث فخر سمجھتے تھے آہستہ آہستہ کنارہ کش ہونے لگے۔ موکلوں کی بھیڑ میں کمی آنے لگی۔ دو چار اہم کیس بھی ان کی لاابالی کا شکار ہو گئے جس سے ان کی شہرت کو بھی دھچکا پہنچا۔ لوگوں نے انگلیاں اٹھانی شروع کر دیں۔ ہم پیشہ بیرسٹروں نے دبی زبان میں مشورہ دیا کہ اگر اب بھی انہوں نے سنبھلنے کی کوشش نہ کی تو کھوئی ہوئی ساکھ کا دوبارہ حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔

صدیق علی خاں نے بگڑے ہوئے حالات کا جائزہ لیا۔

سمجھا اور پھر قدرت نے بھی ان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ دو چار دن کے بعد انہوں نے

Uploaded By Nadeem ندیم

فیصلہ کر لیا کہ اب وہ اپنے ماضی کے ان لمحات کو یکسر بدلنے کی کوشش کریں گے جنہوں نے ان کے مستقبل کو داغدار بنا دیا ہے۔ دوستوں کو جب معلوم ہوا تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ انہوں نے صدیق علی خاں کو ایک بار پھر اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی لیکن انہیں مایوسی ہوئی۔

قدرت کے فیصلے کے سامنے شیطان کو سرنگوں ہونا پڑا۔

صدیق علی خاں نے اپنی کھوئی ہوئی شہرت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے شب و روز ایک کر دیئے۔ ان کا خیال تھا کہ شبانہ ان کی نئی مصروفیت میں دیوار بن جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ شبانہ نے ان کے راستوں میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ اسے اپنے عیش و آرام اور گھومنے پھرنے سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ سنجیدگی سے ان مسائل کو سمجھنے کی کوشش کرتی جو اس کے شوہر کے ذہن میں جنم لے چکے تھے۔

دانشوروں کا یہ قول غلط نہیں ہے کہ انسان جب بھرپور جذبے اور نیک نیتی سے کسی کام کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو اسے کامیابی ضرورت حاصل ہوتی ہے۔ دو چار ماہ کی شب و روز کوششوں کے بعد صدیق علی خاں نے دوبارہ وہی مقام حاصل کر لیا جسے وہ کھو بیٹھے تھے۔ اگر کوئی خلش باقی تھی تو وہ صرف شبانہ کی ذات تھی جو ابھی تک اپنے آپ کو زندگی کے نئے سانچوں میں نہیں ڈھال سکی تھی۔ اس کی زندگی ابھی تک اسی محور کے گرد گھوم رہی تھی جس سے صدیق علی خاں کو اب شدید نفرت ہو گئی تھی۔

زندگی کی یہ نئی کشمکش بھی کتنی عجیب تھی ..... دو مسافر ایک ہی راستے پر ایک دوسرے سے ملے۔ کچھ عرصے تک ایک ہی راستے پر شانہ بشانہ ہنستے کھیلتے آگے بڑھے اور پھر ایک موڑ پر پہنچ کر ان کی راہیں جدا ہو گئیں۔

ایک نے زندگی کو زندگی سمجھ کر اپنا لیا اور دوسرا ابھی تک سراب کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔

صدیق علی خاں کی یہ خلش ان کے لئے سوہان روح بن گئی۔ شبانہ کو راہ راست پر لانے کے لئے انہوں نے نہ جانے کتنے منصوبے بنائے لیکن ہر بار انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر وہ چاہتے تو شبانہ پر سختی بھی کر سکتے تھے لیکن انہیں اس بات کا خطرہ لاحق تھا کہ زیادہ کھینچنے سے ڈور ٹوٹ بھی سکتی ہے۔

اسی کشمکش میں ایک ماہ اور گزر گیا اور پھر اچانک انہیں ایک بہت ہی اہم کیس کی پیروی کے لئے دوسرے شہر چلا جانا پڑا۔ حکومت کے ایک ذمہ دار افسر پر غبن کا سنگین الزام عائد کیا گیا تھا۔ ملزم کے وارثوں نے بڑی منت سماجت کے بعد صدیق علی خاں کو اپنی طرف سے وکیل بنایا اور دوگنی فیس پیشگی ادا کر دی۔ کیس بظاہر بے جان سا تھا لیکن انہوں نے بڑی ذہانت سے اس کا بغور مطالعہ کیا پھر کچھ ایسے انوکھے انداز میں پیروی کی کہ مقدمے کی صورت ہی بدل کر رہ گئی۔

اس مقدمے کو نپٹانے میں انہیں پورے آٹھ ماہ لگ گئے لیکن جس دن فیصلہ سنایا گیا اس دن صدیق علی خاں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی ..... عدالت نے ان کے موکل کو باعزت طور پر رہا کر دیا۔ کل تک جو اخبارات ملزم کے خلاف بڑے بڑے اور لمبے چوڑے کالم لکھ رہے تھے اب صدیق علی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے لگے۔ غرضیکہ اس کیس نے ان کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔

آٹھ ماہ کے طویل عرصے کے بعد جب انہوں نے گھر میں قدم رکھا تو ان کی خوشیاں دوبالا ہو گئیں' ان کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا جب انہوں نے شبانہ کی گود میں ایک چاند سی خوبصورت بھولی بھالی بچی کو ہمکتے دیکھا۔

ایک معصوم زندگی کی نوخیز مسکراہٹ نے کچھ ایسے بھولے بھالے انداز میں ان کا استقبال کیا کہ وہ سفر کی ساری تھکان بھول گئے۔ آگے بڑھ کر شبانہ کی گود سے بچی کو اٹھایا اور پھر شفقت پدری کے جذبے سے سرشار ہو کر اسے سینے سے چمٹا لیا۔ تھوڑی دیر تک بچی کو والہانہ انداز میں پیار کرتے رہے۔ چمکارتے رہے پھر شبانہ سے مخاطب ہو کر بولے۔

"تم نے چپکے چپکے گھر میں ایک نئے مہمان کا اضافہ کر لیا اور مجھے خبر تک نہ دی۔"

"میں نے جان بوجھ کر آپ کو بچی کی پیدائش کی اطلاع نہیں دی۔ میرا خیال تھا کہ جب آپ اچانک اسے دیکھیں گے تو زیادہ خوشی محسوس کریں گے۔ پھر مجھے اس بات کا احساس بھی تھا کہ بچی کی ولادت کی اطلاع پاتے ہی آپ کا دل کیس سے اچاٹ ہو کر گھر پہنچنے کو چاہے گا۔"

"پھر بھی تم نے اچھا نہیں کیا بیگم!" صدیق علی خاں نے بچی کو چومتے ہوئے کہا۔ کیس میری بچی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا تھا۔"

Uploaded By Nadeem ندیم

"اچھا ..... اب کپڑے اتار کر نہا ڈالئے' میں نے ملازم کو گرم پانی غسل خانے میں رکھنے کی ہدایت کر دی ہے۔ سفر کی تکان دور ہو جائے تب آرام سے بیٹھ کر لڑ لیجئے گا۔"

صدیق علی خاں نے بچی کو پالنے میں لٹایا اور پھر شبانہ کے قریب آ کر مسہری پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"شبانہ! آج میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا.....؟" شبانہ نے شوہر کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایسے نہیں ..... پہلے وعدہ کرو کہ آج میں تم سے جو کچھ کہوں گا تم اس کو ماننے سے انکار نہیں کرو گی۔"

"نہ بابا! بغیر بات سنے میں کوئی وعدہ نہیں کروں گی۔ خدا جانے آپ کیا بات منوا لیں۔"

"کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔" صدیق علی خاں نے محبت بھرے انداز میں پوچھا۔

"اچھا ..... چلئے بھروسہ کئے لیتی ہوں۔ بتایئے کیا بات ہے؟" شبانہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات کا وعدہ اور کرو' تم میری بات کا برا نہ مانو گی۔"

"وعدہ رہا ..... نہیں مانوں گی برا۔"

"شبانہ! میں چاہتا ہوں کہ اب تم گھر کی مصروفیتوں کو اپنانے کی کوشش کرو۔ اس زندگی سے کنارہ کش ہو جاؤ جس میں سوائے رسوائی اور بدنامی کے کچھ نہیں رکھا۔" صدیق علی خاں نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "میں تم کو سیر تفریح سے منع نہیں کرتا لیکن اب ہماری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ ہماری محبت کی نئی حصہ دار کو بھی ہماری توجہ کی ضرورت ہے۔ ان باتوں کو اگر تم میری خواہش سمجھ کر اپنالو تو میں تمام زندگی تمہارا شکر گزار رہوں گا۔"

"اُف میرے اللہ!" شبانہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "بس ..... اتنی سی بات تھی۔ میں تو سمجھی تھی کہ نہ جانے آج آپ کیا بات منوانے کی کوشش کریں گے۔"

"گویا تم میری خواہشات کا احترام کرنے پر آمادہ ہو گئی ہو۔"

"ہوں ..... آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کسی رئیس کی بیگم سے واسطہ پڑا ہے۔"

شبانہ کی زبان سے نکلے ہوئے اقرار کے چند الفاظ صدیق علی خاں کے لئے مسرتوں کا خزانہ ثابت ہوئے اور پھر ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ان کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ انہوں نے بڑی پیاری نظروں سے شبانہ کو دیکھا۔

"شبانہ! میری زندگی ..... میری روح ..... تم کتنی اچھی ہو۔"

"کچھ باقی بھی رہنے دیجئے۔" شبانہ جلدی سے بولی۔ "اگر ساری تعریفیں آج ہی کر ڈالیں تو پھر بعد میں کیا کریں گے۔"

"میں تمام زندگی تمہاری محبت کے گن گاتا رہوں گا۔" صدیق علی خاں نے بیوی پر نچھاور ہو جانے والے انداز میں کہا پھر ذرا آگے بڑھ کر اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

"ارے ..... ارے ..... یہ کیا کر رہے ہیں آپ! فرزانہ دیکھ لے گی تو کیا کہے گی۔" شبانہ نے کسمساتے ہوئے کہا۔ "ہٹئے نا۔"

"اچھا جی! تو آپ نے ہم سے پوچھے بغیر ہماری گڑیا بیٹی کا نام بھی رکھ دیا۔"

"کیوں ..... کیا نام پسند نہیں آیا آپ کو؟"

"بڑا پیارا نام ہے ..... لیکن میں تو اسے پیار سے فری کہا کروں گا۔"

صدیق علی خاں نے پالنے میں پڑی ہوئی ننھی فرزانہ کو دیکھا پھر اٹھ کر اسے پیار کیا اور نہانے کے لئے غسل خانے میں چلے گئے۔

شوہر کے جانے کے بعد شبانہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا جیسے کوئی بڑا بوجھ اس کے سر سے ٹل گیا ہو ..... جیسے کوئی طوفان اٹھتے اٹھتے ایک دم سرد پڑ گیا ہو۔

اس نے پالنے میں پڑی ہوئی معصوم فرزانہ کو نظر بھر کر دیکھا پھر اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ جیسے اس معصوم نے اس دنیا میں آ کر کوئی عظیم غلطی کی تھی۔ جیسے وہ اس کے جگر کا ٹکڑا نہیں تھی۔

جیسے اسے ماں کی ممتا طلب کرنے کا حق بھی نہیں تھا۔

ایک معصوم سی نوخیز زندگی جس پر مریم کا تقدس بھی قربان تھا پالنے میں پڑی

Uploaded By Nadeem

فرشتوں کے ساتھ ہنس ہنس کر کھیل رہی تھی اور شبانہ کے ذہن میں بے شمار خیالات بڑی تیزی سے آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

پہلا خیال سہیل کا تھا۔

سہیل' جو اس کا شوہر تھا' ایک کروڑ پتی باپ کا لکھ پتی بیٹا جو دولت مند ہونے کے باوجود گھسی پٹی اور فرسودہ مشرقی تہذیب کا دلدادہ تھا۔ جس نے ہزاروں آرزوؤں اور تمناؤں کے ساتھ شبانہ کو اپنایا تھا لیکن پھر اسے گھر کی دیواروں کے اندر مقید رہنے کی تلقین بھی کی تھی۔

شبانہ کو سہیل سے شادی کرتے وقت اس بات کا شبہ تک نہ ہوا تھا کہ اس کی آزادی اس طرح اچانک سلب ہو کر رہ جائے گی ..... اس نے تو سہیل سے محض اسی لئے شادی کی تھی کہ وہ دولت مند باپ کا بیٹا تھا ..... اس نے سوچا تھا کہ سہیل سے شادی کرنے کے بعد وہ لاکھوں کی مالک بن جائے گی اور پھر ایک آزاد پنچھی کی طرح کھلی ہواؤں میں اڑتی پھرے گی لیکن شادی کے فوراً ہی بعد اسے محسوس ہوا تھا جیسے اس کے پر کتر کر سنہری پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو۔ وہ اپنی اس بے بسی پر تڑپ کر رہ گئی۔ اسے دولت' عزت' شہرت اور سہیل کی محبت سب ہی کچھ حاصل تھا لیکن وہ آزادی نہ مل سکی جس کی وہ تمنائی تھی۔

تین مہینے تک اس نے کسی نہ کسی طرح سہیل کو اپنے رنگ میں رنگنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اسے کامیابی نہ ہو سکی چنانچہ وہ سہیل کی دنیا سے علیحدہ ہو گئی۔

جس وقت وہ پہلی بار عروسی جوڑا پہن کر اس کے گھر میں داخل ہوئی اس روز بھی سہیل نے بڑی دل آویز مسکراہٹ سے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور اس روز جب وہ سہیل سے ناراض ہو کر اس کی دہلیز سے باہر قدم اٹھا رہی تھی اس روز بھی سہیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی لیکن اس مسکراہٹ میں کسک تھی' درد تھا ..... ایک بھرپور طنز تھا۔

شبانہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح تلملا کر رہ گئی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک سہیل اس کے سامنے سر نہ جھکائے گا وہ اس سے دور ہی رہے گی۔

پندرہ دن گزر گئے۔

لیکن سہیل نے ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود پلٹ کر اس کی خبر تک نہ لی۔ فاصلے گھٹنے کے بجائے بڑھتے چلے گئے۔

شبانہ محرومیوں کا شکار ہونے کی عادی نہیں تھی۔ اس نے سہیل سے انتقام لینے کی غرض سے تفریح گاہوں اور کلبوں میں آزادی سے گھومنا پھرنا شروع کر دیا۔ ایک دو بار اچانک راہ میں ان دونوں کا ٹکراؤ بھی ہوا۔ شبانہ نے سہیل کو دیکھ کر حقارت سے منہ دوسری طرف کر لیا۔ سہیل نے شبانہ کو دیکھا تو اس کے دل سے ایک سرد آہ نکل کر فضاؤں میں مدغم ہو گئی۔ شبانہ گردن اکڑا کر اپنے راستے پر آگے نکل گئی اور سہیل سر جھکا کر کسی لٹے ہوئے مسافر کی طرح پیچھے لوٹ آیا۔ دن یونہی گزرتے رہے۔

پھر ایک روز شبانہ کی ملاقات صدیق علی خاں سے ہوئی دونوں ایک ہی منزل کے راہی تھے اس لئے جلد ہی گھل مل گئے اور شبانہ نے یہ بتائے بغیر کہ وہ شادی شدہ ہے صدیق علی خاں کو زندگی کی طویل راہوں پر اپنا ساتھی چن لیا۔

اور آج .....

آج سہیل کا خون فرزانہ کی صورت میں اس کے سامنے پائنتے میں پڑا قلقاریاں مار رہا تھا۔ یہ راز صرف شبانہ کی ذات تک محدود تھا۔

وہ اس راز کو ہمیشہ راز رکھنے کی متمنی تھی۔

وہ اپنی موجودہ زندگی پر خزاں کے منحوس بادلوں کی ایک ہلکی سی جھلک بھی برداشت کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر اس کے شوہر کو ان حالات کا علم ہو گیا تو کیا ہو گا ..... اور اگر کبھی سہیل نے اپنے جگر گوشے کو پہچان کر اس کی واپسی کا مطالبہ کر دیا تب کیا ہو گا۔

معصوم فرزانہ ..... جو ہو بہو سہیل کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔

شبانہ کا ذہن انہی بکھرے بکھرے پریشان خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا' آخر کار اس نے ایک آخری فیصلہ کر لیا ..... ایک اہم اور اٹل فیصلہ۔

وہ آنے والے حالات کے سامنے سرنگوں ہونے کے بجائے سینہ سپر ہو کر ان کا مقابلہ کرے گی۔

Uploaded By Nadeem ندیم

اس وقت بھی وہ اپنے پائیں باغ میں بیٹھے انہی خیالات میں محو تھے کہ شبانہ عمارت سے نکل کر ان کی طرف آ گئی۔

صدیق علی خاں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے بیوی کا استقبال کیا۔

"کیا وقت ہوا ہے۔" شبانہ نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ لہجہ میں روکھا پن بھی شامل تھا۔

"پونے چھ بجے ہیں۔ کیوں ..... خیریت تو ہے؟"

"تمہاری لاڈلی ابھی تک کالج سے تشریف نہیں لائیں۔"

"کسی سہیلی کے یہاں چلی گئی ہو گی۔" صدیق علی خاں نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔ "فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے' آ جائے گی۔"

"لیکن مجھے یہ طریقہ بالکل پسند نہیں ..... اگر اسے کہیں جانا ہی تھا تو کہہ کر بھی جا سکتی تھی۔"

"ممکن ہے اچانک کوئی کام پڑ گیا ہو۔" صدیق علی خاں بیٹی کی حمایت میں بولے۔

"تمہاری انہی باتوں نے اسے سر چڑھا رکھا ہے۔ ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار بھی اولاد کے حق میں اچھا نہیں ہوتا۔ پھر تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ لڑکی ذات ہے۔"

"بہت بھری ہوئی نظر آ رہی ہو' بیگم! کیا کسی ملازم سے لڑ کر آ رہی ہو؟"

"بات ٹالنے کی کوشش مت کرو۔ تمہیں اب فرزانہ پر تھوڑی بہت سختی بھی کرنی چاہئے۔ جوان لڑکی ہے۔ اگر غلط راستے پر چل نکلی تو بعد میں خود ہی سر پکڑ کر روؤ گے۔"

"بیگم! کیا تمہیں اپنی اولاد پر اعتماد نہیں ہے؟" صدیق علی خاں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اعتماد کی بات رہنے دو۔ کچی لکڑی کو مڑتے دیر بھی نہیں لگتی۔"

"اچھا بابا! ..... چلو میں ہارا تم جیتیں ..... فرزانہ کو آنے دو میں اسے سمجھا دوں گا۔ اب تو خوش ہو۔"

"میری خوشی کی بات رہنے دو' جو کچھ کرو گے اپنی بیٹی کی بھلائی کے لئے کرو گے۔"

"کیا تم اسے اپنی بیٹی نہیں سمجھتیں۔"

"یہ میں نے کب کہا۔" شبانہ نے جلدی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "میں تو

تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہی تھی کہ لڑکی ذات کو زیادہ ڈھیل دینا اچھا نہیں ہوتا۔"

"اتنا میں بھی سمجھتا ہوں بیگم! لیکن فرزانہ پر مجھے پورا پورا بھروسہ ہے۔ وہ کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی جس سے والدین کے نام پر حرف آنے کا اندیشہ ہو۔"

"اپنی ہی کہے جاؤ گے۔" شبانہ چڑ سی گئی۔

"ارے بھئی کہہ تو دیا کہ وہ آ جائے تو سمجھا دوں گا۔ ویسے ایک بات کی شکایت مجھے بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"فرزانہ سے زیادہ لاڈ پیار کرنے کی تھوڑی بہت ذمہ داری تم پر بھی عائد ہوتی ہے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟"

"تم نے اگر فرزانہ کے علاوہ ایک اور ہستی کا اضافہ کر دیا ہوتا تو میری محبت ایک کے بجائے دو اولادوں میں بٹ جاتی اور....."

"ہٹو بھی....." شبانہ نے بڑے انداز سے کہا۔ "تمہیں تو اب بڑھاپے میں بھی چونچلے سوجھ رہے ہیں۔"

"اس عمر میں سوائے چونچلوں کے اور ہو بھی کیا سکتا ہے۔" صدیق علی خاں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور شبانہ کے چہرے پر گنگا جمنی رنگ پھیل گیا۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ پھر شبانہ نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"کل بھائی صاحب کا خط آیا تھا۔"

"بھائی صاحب کون؟" صدیق علی خاں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہیں میرے ایک خالہ زاد بھائی ..... مراد آباد میں رہتے ہیں۔"

"لیکن تم نے پہلے تو کبھی ان کا تذکرہ نہیں کیا۔"

"آج تک میں نے کبھی اس کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی ..... زیادہ دور دور رہنے کی وجہ سے خط و کتابت بھی بس کبھی کبھار ہوتی تھی۔ پھر انہیں اس بات کی شکایت

Uploaded By Nadeem
ندیم

بھی تھی کہ میں نے ان سے مشورہ کئے بغیر شادی کیوں کرلی۔"

"خیر! ..... ہو گا ..... کیا لکھا ہے انہوں نے۔"

"اپنی ضرورت تھی اس لئے بہن کی یاد نے جوش مارا ہو گا۔" شبانہ سپاٹ لہجے میں بولی۔ "مراد آباد میں چونکہ کوئی ڈگری کالج نہیں ہے اس لئے وہ چاہتے ہیں کہ شکیل میاں کو ہمارے پاس بھیج دیں۔"

"شکیل غالباً ان کے کسی صاحبزادے کا نام ہو گا؟"

"ہاں' ..... ایک ہی تو لڑکا ہے ..... دو سال کا تھا جب دیکھا تھا اس کے بعد کبھی وہاں جانا ہی نہیں ہوا کہ دوبارہ ملاقات ہوتی۔"

"پھر ..... تمہاری کیا رائے ہے ..... کیا تم شکیل کو بلوانا چاہتی ہو؟"

"اگر تمہاری اجازت ہو گی تو بلوا لوں گی۔ صرف دو سال کی بات ہے ..... اسی بہانے ملاقات بھی ہو جائے گی۔" شبانہ نے کسی اطاعت گزار بیوی کی طرح فیصلہ شوہر پر چھوڑ دیا۔

"بڑی حیرت کی بات ہے بیگم کیا اس گھر پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے؟" صدیق علی خاں نے جلدی سے کہا۔ "ویسے بھی کیا میں تمہارے عزیزداروں کو دیکھ کر جلوں گا؟"

"پھر بھی' میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تم سے مشورہ کرلینا زیادہ اچھا ہو گا۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی بیگم! ورنہ جوان بیویاں بوڑھے شوہروں کی پرواہ کب کرتی ہیں۔"

"ہٹئے بھی! ..... آپ کو تو بیٹھے بیٹھے نہ جانے کیا سوجھنے لگتا ہے۔" شبانہ نے بڑے ٹھسے سے کہا۔ پھر اپنا غرارہ سنبھالتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

شبانہ بیگم کے جانے کے کوئی دس منٹ بعد ہی ایک ہلکے آسمانی رنگ کی خوبصورت سی کار قصر شبانہ کے پھاٹک سے اندر داخل ہوئی اور پورچ میں جا کر رک گئی۔ ڈرائیور نے نیچے اتر کر جلدی سے پچھلا دروازہ کھولا اور ایک طرف ہٹ گیا۔

فرزانہ بڑے پُروقار انداز سے کار سے باہر آئی۔ پہلے وہ عمارت کی طرف بڑھی لیکن پھر جب اس کی نظر باپ پر پڑی تو وہ مسکراتی ہوئی ان کی جانب لوٹ آئی۔

صدیق علی خاں بیٹی کو دیکھ کر کھل اٹھے۔

"سلام عرض کرتی ہوں ابا حضور!" اس نے باپ کے قریب آ کر بڑے ادب سے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی ..... آج تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟ تمہاری امی پریشان ہو رہی تھیں۔" باپ نے بڑے شفقت بھرے لہجے میں کہا۔

"معافی چاہتی ہوں ابا حضور! دراصل آج سے آرٹ گیلری میں تصویروں کی نمائش شروع ہوئی ہے۔ میرا خیال تھا کہ کسی روز آپ کو اور امی جان کو ساتھ لے کر جاؤں گی لیکن کالج کے بعد دردانہ' برجیس اور نگہت نے اچانک پروگرام بنا لیا اور میں....."

"خیر ..... خیر ..... کوئی بات نہیں۔" صدیق علی خاں نے فرزانہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھا۔ "یہ بتاؤ' کوئی تصویر پسند آئی تمہیں؟"

"جی ہاں ابا حضور! ..... ایک تصویر تو اتنی پیاری تھی کہ بس اس کے سامنے سے ہٹنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔" فرزانہ طفلانہ معصومیت سے بولی۔ "بڑا پیارا خیال پیش کیا ہے مصور نے۔"

"پھر ..... تم نے وہ تصویر خریدی کیوں نہیں لی۔"

"میں نے پانچ ہزار تک آفر دے دی تھی لیکن اس کے تو دس ہزار تک لگ چکے ہیں۔"

"اور تم اتنی سی بات پر مایوس ہو کر واپس لوٹ آئیں۔" صدیق علی خاں نے حیرت کا اظہار کیا۔ "تم نے پندرہ ہزار لگا دیئے ہوتے! ..... شوق کی چیزوں کے لئے انسان کو پیسے کا منہ نہیں دیکھنا چاہئے۔ کل اپنی امی کے ساتھ جا کر لے آنا۔"

"پیسوں کی بات نہیں ہے ابا حضور! دراصل مصور نے اس بات کی سختی سے تاکید کر دی ہے کہ اس تصویر کو کسی قیمت پر بھی نہ بیچا جائے۔" فرزانہ نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔

"کوئی نیا مصور معلوم ہوتا ہے! ..... ورنہ اس زمانے میں بھلا ایک تصویر کے دس ہزار کون دے گا۔"

"ابا حضور! اگر آپ ناراض نہ ہوں تو ایک بات کہوں۔" فرزانہ نے جھکی جھکی نگاہوں سے باپ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

Uploaded By Nadeem ندیم

"بلا جھجک کہہ ڈالو..... میں ہرگز برا نہیں مانوں گا۔"

"ابا حضور! ..... میں چاہتی ہوں کہ اس مصور سے فن کے بارے میں کچھ سیکھوں۔"

"بھئی واہ ..... اس میں بھلا برا ماننے کی کیا بات ہے؟ بڑے شوق سے سیکھو ..... لیکن کیا وہ تمہیں ٹیوشن دینے کے لئے آمادہ ہو جائے گا؟" صدیق علی خاں نے بڑی فراخدلی سے فرزانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ جب وہ ایک تصویر کے لئے اتنی بڑی آفر ٹھکرا سکتا ہے تو بھلا اسے ہزار دو ہزار روپے ماہوار کی کیا فکر ہو گی؟"

"اس کا اندازہ تو اس سے ملنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔ "فنکار بڑی حساس طبیعت کا مالک ہوتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر کوئی بات سلیقے سے کہی جائے تو مایوسی کے امکانات زیادہ نہیں ہوتے۔"

"ٹھیک ہے! کیا تم کو اس کا پتہ معلوم ہے؟"

"جی ہاں! میں مینیجر سے اس کا پتہ لے آئی ہوں۔" فرزانہ نے کہا پھر جلدی سے اپنا پرس کھولا اور ساگر کا وزیٹنگ کارڈ باپ کی طرف بڑھا دیا۔

"ساگر....." صدیق علی خاں نے کارڈ پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "نام تو مصوروں ہی جیسا معلوم ہوتا ہے۔"

"صرف نام ہی نہیں ابا حضور وہ خود بھی ایک عظیم فنکار ہے۔" فرزانہ نے بھولپن سے کہا پھر باپ کو "انجامِ وفا" کے بارے میں تفصیل بتانے لگی۔

صدیق علی خاں کو مصوری سے کوئی لگاؤ نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بڑی توجہ سے فرزانہ کی بات سنتے رہے۔ بھولی بھالی اور معصوم باتیں۔ یہی تو ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھیں۔

فرزانہ کیا کچھ کہہ رہی تھی خاک بھی ان کی سمجھ میں نہ آ سکا لیکن وہ بار بار اثبات میں گردن کو جنبش دے کر یہی ظاہر کر رہے تھے جیسے وہ سب کچھ سمجھ رہے ہوں۔ پھر جب فرزانہ نے اپنی بات ختم کی تو انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"واقعی ..... بڑا اچھا خیال پیش کیا ساگر نے۔"

"ابا حضور! اگر آپ کسی وقت تھوڑا وقت نکال کر ساگر صاحب سے مل لیں تو میرا

خیال ہے وہ ضرور مجھے ٹیوشن دینے کو تیار ہو جائیں گے۔" فرزانہ نے باپ کے قریب نرم نرم گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر تم کہتی ہو تو میں کل ہی اس سے مل لوں گا۔" صدیق علی خاں بیٹی کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔ "ہائی کورٹ سے واپسی پر ادھر ہوتا ہوا آ جاؤں گا اور اگر ہو سکا تو اس تصویر کی بات بھی کر لوں گا۔"

"سچ ابا حضور!" فرزانہ نے خوشی سے سرشار ہوتے ہوئے باپ کی آنکھوں میں جھانکا۔ پھر جلدی سے کچھ سوچ کر بولی۔ "میری رائے میں اگر آپ ساگر صاحب کو کل شام چائے پر بلا لیں تو اور بھی مناسب ہو گا۔ اسی بہانے میں ان کو اپنا اسٹوڈیو بھی دکھا دوں گی۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے' میں کل ہی کچہری سے واپسی پر لیتا آؤں گا۔"

"اوہ ابا حضور! آپ کتنے اچھے ہیں۔" فرزانہ نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔

"اچھا ..... اور اگر میں ساگر سے ملنے سے انکار کر دیتا تب کیسا ہوتا۔" صدیق علی خاں نے فرزانہ کو مسکراتی ہوئی نگاہوں سے گھورا۔

"اول تو مجھے یقین تھا کہ آپ انکار نہیں کریں گے اور اگر آپ کسی خیال سے انکار کر بھی دیتے جب بھی مجھے کوئی ملال نہ ہوتا۔ میں یہی سمجھ لیتی کہ آپ کے انکار میں بھی میری بھلائی کا کوئی پہلو پوشیدہ ہو گا۔"

"سعادت مند بچیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔" فرزانہ کے جملوں نے صدیق علی خاں کے دل پر کچھ ایسا ہی اثر کیا کہ فرطِ مسرت سے ان کی آنکھیں' نمناک ہو گئیں۔ وہ بڑے پیار بھرے لہجے میں بولے۔ "میں تم پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔"

"ابا حضور!....." فرزانہ تڑپ کر باپ کے سینے سے لگ گئی۔ "آپ رو رہے ہیں۔ اگر میری کسی بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو میں ہاتھ جوڑ کر اس کے لئے معافی کی خواستگار ہوں۔"

"پگلی کہیں کی....." صدیق علی خاں نے فرزانہ کے شانے تھپکتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "یہ تو خوشی کے آنسو ہیں کہ خداوند کریم نے مجھے تمہاری جیسی نیک اور سعید بچی عطا کی ہے۔"

Uploaded By Nadeem ندیم

"پھر بھی ابا حضور! خدا کے لئے آپ اپنی آنکھوں میں آنسو نہ لایا کیجئے ورنہ میں بھی رونا شروع کر دوں گی۔" فرزانہ بڑے بھولپن سے بولی پھر اپنے آنچل سے باپ کے آنسو پونچھنے لگی۔

صدیق علی خاں کا سینہ فخر سے تن گیا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن فرزانہ کالج سے جلدی واپس آ گئی۔

نہ جانے کیوں اس کا دل کہہ رہا تھا جیسے ساگر آج ضرور آئے گا۔ ایک بار اس کے ذہن میں آرٹ گیلری کے مینجر کے کہے ہوئے جملے بھی ابھرے تھے لیکن اس نے اپنے ذہن کو جھٹک دیا۔ مینجر کی بات سے زیادہ اسے اپنے دل کی بات پر اعتماد تھا۔ اس کے دل نے گواہی دی تھی کہ ساگر ضرور آئے گا اور اسی لئے وہ کالج سے جلدی واپس لوٹ آئی تاکہ ساگر کے استقبال کی شایان شان تیاری کر سکے۔

گھر آتے ہی اس نے ڈرائنگ روم کی سٹنگ کو نئے سرے سے ترتیب دیا پھر ملازموں کو چائے اور دیگر لوازمات کے بارے میں ہدایت دی اس کے بعد اس نے باغ میں جا کر خود اپنی پسند کے پھولوں کا انتخاب کیا اور انہیں گلدستے میں سجا کر ڈرائنگ روم میں رکھ دیا۔

ساگر کا تصور بار بار اس کے ذہن میں ابھر رہا تھا۔

نئے نئے اور دھندلے دھندلے خاکے ابھرتے اور پھر مٹ جاتے۔ وہ سوچنے لگتی۔

نہ جانے وہ کیسا ہو گا۔

اگر اس نے ٹیوشن دینے سے انکار کر دیا تب کیا ہو گا۔

لیکن نہیں ..... ایک فنکار دوسرے فنکار کے احساسات کا ضرور خیال کرے گا۔

اسی قسم کے لاتعداد خیالات اس کے ذہن میں کروٹیں لیتے رہے۔ کبھی وہ ایک دم بے چین سی ہو جاتی اور کبھی اس کے کندن جیسے دمکتے ہوئے رخساروں پر بہار کی شگفتگی پھیل جاتی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر خیالات کے تانوں بانوں میں الجھ کر رہ جاتی۔

ساگر اس کا کون تھا آخر جس کے لئے وہ اتنی پریشان ہے۔

اس نے ابھی تک ساگر کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھی تھی۔

نہ جانے وہ کیسا ہو!

کون ہو.....!

کیا ہو.....!

ابھی تک وہ فرزانہ کے لئے ایک اجنبی ہی تھا' پر ایک اجنبی کے تصور نے اس کے دل میں ہلچل سی کیوں برپا کر دی تھی' وہ ایک دھند کی طرح اس کے دل و دماغ پر چھاتا جا رہا تھا۔

آخر کیوں.....؟

اور اس کیوں کا فرزانہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ وہ تو بس اتنا چاہتی تھی کہ ساگر آئے اور ضرور آئے اور پھر وہ ساگر سے فن کے بارے میں بہت کچھ سیکھ لے۔ ایک انجانی سی خلش تھی جس نے اسے ساگر کے سلسلے میں بے چین کر دیا تھا۔ ایک انوکھا اور معصوم سا جذبہ جسے وہ کوئی خوبصورت سا نام دینے سے قاصر تھی۔

ٹھیک تین بجے صدیق علی خاں نے فون کر کے فرزانہ کو بتا دیا تھا کہ وہ ساگر کو ساتھ لے کر پانچ بجے پہنچ جائیں گے اور فرزانہ اس خبر کو پا کر جھوم اٹھی۔ اس کا دل مسرتوں سے لبریز ہو گیا۔ پریشان پریشان خیالات کا وہ شیرازہ بکھر کر رہ گیا جس نے اسے بہت دیر سے بے چین کر رکھا تھا۔

اس نے ڈرائنگ روم کی سٹنگ کو ایک بار پھر تنقیدی نگاہوں سے دیکھا پھر مطمئن ہو کر غسل خانے کی طرف چلی گئی۔ غسل سے فارغ ہو کر اس نے سفید رنگ کا ایک سادہ سا شلوار سوٹ پہنا اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں اس کی ماں پہلے ہی سے موجود تھی اور آرائشی ساز و سامان کی نئی ترتیب پر حیران ہو رہی تھی۔

"فرزانہ بیٹی! یہ سب چیزوں کو کس نے الٹا پلٹا ہے۔" شبانہ نے بیٹی سے پوچھا۔

"اس کی سٹنگ میں نے تبدیل کی ہے امی جان! ..... کیوں! پسند آئی آپ کو یہ نئی ترتیب؟"

"بس ٹھیک ہی ہے ..... لیکن اس کی ضرورت کیا تھی؟"

"امی جان! آج ہمارے ہاں ایک بہت بڑا اور عظیم فنکار آ رہا ہے۔" فرزانہ نے بڑے لاڈ سے ماں کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "ابا حضور نے فون کیا تھا کہ وہ پانچ بجے اسے

Uploaded By Nadeem

اپنے ساتھ لے کر آئیں گے۔"

"کون ہے؟" شبانہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"ایک مصور ہے امی جان! بڑے غضب کی تصویریں بناتا ہے۔"

"بناتا ہوگا لیکن تمہارے ابا جان اسے یہاں کیوں لا رہے ہیں؟"

"میں نے کہا تھا۔" فرزانہ دبی آواز میں بولی۔ "امی جان! میں چاہتی ہوں کہ اس عظیم مصور سے میں بھی کچھ سیکھوں۔"

"لڑکی تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟" شبانہ نے بیٹی کو گھورا۔ "امتحانات شروع ہونے میں دو تین مہینے باقی رہ گئے ہیں اور تم کو رنگ اور برش کی پڑی ہے۔"

"آپ امتحانوں کی طرف سے بالکل مطمئن رہیں امی جان!" فرزانہ جلدی سے بولی۔" میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میری فرسٹ ڈویژن ضرور آئے گی۔ گنتی کی چار پانچ کتابیں ہی تو ہیں جنہیں سال بھر سے کئی بار دہرا چکی ہوں۔"

"ٹھیک ہے .... لیکن اگر شوق ہی پورا کرنا ہے تو دو مہینے کے بعد بھی کر سکتی ہو۔ آخر اتنی جلدی کیا پڑی ہے؟"

"آپ نہیں سمجھتی امی جان! فنکار ایک جگہ ٹک کر کبھی نہیں رہتا۔ وہ تو بس قدرت کے ایسے حسین اور دلفریب مناظر کی تلاش میں گھومتا رہتا ہے جسے کینوس پر منتقل کیا جا سکے۔ آج یہاں تو کل کسی دوسرے شہر میں۔" فرزانہ نے ماں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے خدشہ تھا کہ کہیں ساگر میرے امتحانات ختم ہونے سے پہلے کہیں اور نہ چلا جائے۔"

"ساگر.........." شبانہ نے برا سا منہ بنایا۔ "یہ کوئی نام ہوا۔"

"فنکاروں کے نام اسی قسم کے ہوتے ہیں امی جان!" فرزانہ شوخی سے بولی۔ "جب میں بھی فن کی بلندیوں کو اپنا لوں گی تو فرزانہ کے بجائے راگنی ہوگا میرا نام۔"

"خبردار جو تم نے اس قسم کے الٹے سیدھے نام رکھے۔" شبانہ چڑ کر بولی۔ "لعنت ہے ایسے شوق پر جو باپ دادا کے رکھے ہوئے ناموں کو بھی ملیامیٹ کر دے۔ فرزانہ اچھا بھلا نام ہے لیکن یہ .... راگنی.........."

"میں تو آپ کو چھیڑ رہی تھی امی جان!" فرزانہ نے ماں کے کچھ کہنے سے پیشتر ہی آگے بڑھ کر اپنی بانہیں ماں کی گردن میں حمائل کر دیں۔

Uploaded By Nadeem

"چل ہٹ .... بس رہنے دے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ یہ خوشامد کس لئے ہو رہی ہے؟" شبانہ نے بیٹی کا ہاتھ بڑے پیار سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اچھے نہیں لگتے یہ چونچلے۔"

"میری مانئے امی جان تو آپ بھی مصوری کے شوق کو اپنا لیجئے۔ بڑا صاف ستھرا شوق ہے۔ آپ کا وقت بھی کٹ جایا کرے گا۔" فرزانہ نے شوخ مسکراہٹ سے ماں کو چھیڑا۔

"ہاں! اب یہی کسر تو باقی رہ گئی ہے کہ ہاتھ منہ رنگ کر لوگوں میں تماشہ بنتی پھروں۔" شبانہ بیگم نے قدرے ترش لہجے میں کہا پھر فرزانہ کو گھورتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔

فرزانہ نے اطمینان کی ٹھنڈی سانس لی پھر وقت گزارنے کے لئے اس نے شیلف سے ایک کتاب نکالی اور صوفہ پر بیٹھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔

ٹھیک پانچ بجے باہر سے ہارن کی آواز سنائی دی اور فرزانہ کتاب رکھ کر دروازے کی طرف لپکی۔ صدیق علی خاں کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ وہ یقیناً ساگر ہی ہو سکتا تھا جو اس کے باپ کے ساتھ پورچ میں موجود تھا۔ فرزانہ اس کی شکل نہ دیکھ سکی لیکن پہلی نظر میں اس نے ساگر کے قد و قامت اور عمر کا اندازہ کسی حد تک لگا لیا تھا سر کے کھچڑی نما الجھے ہوئے کالے اور سفید بال اس بات کا ثبوت تھے کہ وہ عمر میں اس کے باپ سے کم نہیں ہوگا۔

فرزانہ دروازے پر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر صدیق علی خاں کی نظر بھی اس پر پڑی اور وہ مسکرا دیئے۔

"لو بیٹی! میں تمہارے ساگر صاحب کو پکڑ لایا ہوں' اب سنبھالو ان کو۔"

ساگر جو ابھی تک فرزانہ کی طرف پشت کئے کھڑا تھا' بڑی آہستگی سے گھوما اور اور فرزانہ اس کے چہرے کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سہم کر رہ گئی .... کتنا بھیانک تھا وہ چہرہ جس پر بے شمار جلے ہوئے سیاہ داغ دھبے موجود تھے۔ بائیں گال کی کھال بری طرح جلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ گوشت ابھر کر اس طرح کھچاؤ اختیار کر گیا تھا جیسے اسے کسی بھٹی میں ڈال کر ابالنے کی کوشش کی گئی ہو۔ پیشانی پر بھی کوڑھ کی طرح بڑے بڑے سفید دھبے موجود تھے۔ بھنویں سرے سے تھی ہی نہیں۔ آنکھوں میں ویرانیاں

ندیم

تھیں' گہرے حلقوں کے درمیان دھنسی ہوئی آنکھیں' جیسے وہ آنکھیں نہیں بلکہ اجڑے ہوئے ویران کھنڈرات رہے ہوں' جن میں اداسیاں رقص کر رہی ہوں ..... لیکن چہرے کے کھردرے کھردرے اور اجڑے ہوئے برباد نقوش اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ وہ کبھی ایک خوبصورت شخصیت کا مالک ضرور رہا ہو گا۔

فرزانہ گنگ سی کھڑی پھٹی پھٹی نگاہوں سے ساگر کو دیکھتی رہی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنی خوبصورت تصویریں بنانے والا عظیم فنکار اتنا بدہیت بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کی یہ کیفیت زیادہ دیر برقرار نہ رہ سکی' اس کے ذہن میں اپنا ہی جملہ ابھر آیا۔

"فنکار کا فن ہی اس کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہوتی ہے۔"

سہمی ہوئی فرزانہ کے گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نرم و نازک ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم ابھر آیا۔ اس نے آگے بڑھ کر بڑے پُرتپاک انداز میں ساگر کو خوش آمدید کہا پھر اسے ساتھ لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

پہلے ساگر کو چائے اور دیگر لوازمات سے نوازا پھر اسے اپنا اسٹوڈیو دکھایا جو اُس نے اپنی خوابگاہ سے ملحقہ کمرے میں بنا رکھا تھا اور اس کے بعد وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ جہاں صدیق علی خاں بھی موجود تھے۔

ساگر اس عرصے میں چپ چپ اور خاموش سا رہا جیسے کسی خیال میں گم ہو۔ جیسے اس کا کچھ کھو گیا ہو۔ جیسے وہ زبان سے نہیں بلکہ صرف برش اور رنگوں سے گفتگو کرنے کا عادی رہا ہو۔

سوائے دو چار بار ہوں ہاں کے علاوہ اس نے ابھی تک کوئی اور بات نہیں کی تھی۔ ڈرائنگ روم میں آ کر وہ صوفہ پر جس انداز میں بیٹھا تھا اس سے بھی ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ لمبی مسافت طے کرنے کے بعد بری طرح تھکن محسوس کر رہا ہو۔ چہرے پر برسنے والی ویرانیاں کہہ رہی تھیں کہ وہ جیسے اب بھی اپنی منزل کی تلاش میں ہے۔

"ساگر صاحب! کہاں کھو کر رہ گئے ہیں آپ؟" صدیق علی خاں نے اسے مخاطب کیا۔

"جی! ..... ہوں۔" ساگر نے بوجھل بوجھل پلکوں کو اٹھا کر اپنے مخاطب کو دیکھا پھر اس کے پھڑائے ہوئے ہونٹوں پر ایک پھیکے سے تبسم نے مچل کر دم توڑ دیا۔

"یہ میری بچی ہے' فرزانہ ..... جس کے بارے میں آپ سے راستے میں بتا رہا تھا۔" صدیق علی خاں نے کہا۔ "اسے بھی مصوری سے بے حد لگاؤ ہے۔"

"ہوں!" ساگر نے نحیف آواز میں جواب دیا پھر فرزانہ کو اداس اداس نظروں سے دیکھنے لگا۔

"میری دلی تمنا ہے ساگر صاحب کہ میں آپ جیسے عظیم فنکار سے کچھ سیکھوں۔" فرزانہ اپنی جگہ سنبھل کر بڑے نپے تلے الفاظ میں بولی۔ "اگر آپ نے میری اس درخواست کو قبول کر لیا تو میں اسے اپنی خوش قسمتی سے تعبیر کروں گی۔"

"ہوں' ..... میں کوشش کروں گا بیٹی! کہ تمہارے لئے کچھ وقت نکال سکوں۔" ساگر نے پہلی بار اتنا طویل جملہ بولا لیکن فرزانہ کو اس کے ایک ایک لفظ میں خلوص اور محبت کی چاشنی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں کل اپنی سہیلیوں کے ساتھ آرٹ گیلری میں نمائش دیکھنے گئی تھی۔" فرزانہ نے خوشی سے سرشار ہوتے ہوئے کہا۔ "وہاں میں نے آپ کی تصویر "انجامِ وفا" دیکھی اور بس دیکھتی ہی رہ گئی۔ بڑا حسین خیال پیش کیا ہے آپ نے!"

"ہوں!" ساگر نے اس بار صرف ہوں پر اکتفا کی پھر اپنے ہونٹ اس طرح بھینچ لئے جیسے فرزانہ کی تعریف نے اسے کوئی گہرا صدمہ پہنچایا ہو۔ اس کی نگاہوں کے گرد نظر آنے والے حلقے کچھ اور گہرے ہو گئے۔ آنکھوں کی ویرانیوں میں اب بے بسی کا رنگ بھی جھلک رہا تھا۔

"آپ نے غالباً اس تصویر کے لئے منتظمین کو سختی سے ہدایت کر دی ہے کہ اسے کسی قیمت پر بھی فروخت نہ کیا جائے۔" صدیق علی خاں نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں! ..... انسان مجبور ہو کر اپنا فن تو بیچ سکتا ہے لیکن اپنی زندگی کو کوئی فروخت نہیں کرتا۔" ساگر نے نڈھال لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ ..... کیا اس تصویر کا آپ کی زندگی سے کوئی گہرا تعلق ہے؟"

"ہاں....." ساگر کی آنکھیں اچانک نمناک ہو گئیں۔ "لوگ اسے ایک انوکھا آئیڈیا سمجھ کر اس کی تعریفیں کرتے ہیں' اسے خرید کر اپنے گھر کی زینت میں اضافہ کرنا

Uploaded By Nadeem ندیم

چاہتے ہیں لیکن میں ..... میں اس تصویر کو کسی قیمت پر فروخت نہیں کرنا چاہتا ..... وہ میرے مستقبل کا ایک حسین خواب ہے جسے زندگی کی آخری سانسوں تک میں اپنے سینے سے لگائے رکھنے کا خواہشمند ہوں۔"

فرزانہ تڑپ کر رہ گئی۔ ساگر نے جس درد بھرے انداز میں وہ جملے کہے تھے وہ تیر و نشتر بن کر فرزانہ کے دل کی گہرائیوں میں اترتے چلے گئے۔ اس نے سوچا۔ کاش وہ جان سکتی کہ ساگر کی زندگی کو وہ کون سا صدمہ لاحق ہے جس نے اسے زندگی کی رنگینیوں سے اس حد تک متنفر کر دیا ہے کہ اس کے ہونٹوں نے مسکرانا بھی چھوڑ دیا۔ کاش وہ ان غموں کو ساگر کی زندگی سے نوچ کر علیحدہ کر سکتی جس نے ایک عظیم فنکار کو مجسم بے بس بنا ڈالا ہے۔

"میرا خیال ہے کہ میرے سوال سے آپ کو کوئی دکھ پہنچا ہے۔" صدیق علی خاں نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "دراصل میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ فرزانہ کو بھی وہ تصویر بے حد پسند آئی ہے' اس نے بھی اسے خریدنے کے لئے پانچ ہزار کا آفر دیا تھا۔"

"ساگر صاحب! آپ مجھے کب سے وقت دے سکیں گے؟" فرزانہ نے ساگر کے جواب دینے سے پہلے ہی ایک اور سوال کر ڈالا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ انجامِ وفا کا تذکرہ جاری رہے۔ اس نے محسوس کر لیا تھا کہ اس ذکر نے ساگر کو بے چین کر دیا ہے۔

"میں پابندی سے نہیں آ سکوں گا۔" ساگر نے فرزانہ کو کھوئی کھوئی ویران نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "پھر بھی! ..... میں کوشش کروں گا کہ برابر آتا رہوں۔"

"میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں گی۔" فرزانہ کے لہجے میں اظہار تشکر تھا۔

پھر وہ بڑی دیر تک ساگر کے ساتھ فن کی باریکیوں پر گفتگو کرتی رہی۔

☆======☆======☆

تین مہینے پلک جھپکتے میں بیت گئے۔

امتحانات ختم ہوئے تو فرزانہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس تین مہینے کی شب و روز محنت نے اسے بری طرح نڈھال کر دیا تھا لیکن وہ ماں سے کئے ہوئے وعدہ کو ہر قیمت پر نبھانا چاہتی تھی۔ آخری پرچہ ختم کر کے جب وہ امتحان ہال سے باہر نکلی تو اس کا چہرہ گلاب

کے شگفتہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر ڈالا۔ سارے ہی پرچے اس کی توقعات سے کہیں بہتر ہوئے تھے۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ وہ فرسٹ ڈویژن ضرور حاصل کر لے گی اور اسی خوشی نے آج اس کی ساری تھکن کو ختم کر ڈالا تھا۔

مسرور مسرور وہ روش پر قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی کہ دردانہ اور برجیس آ گئیں' فرزانہ ان کو دیکھ کر رک گئی۔

"خیریت تو ہے!" برجیس نے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم آسمان کی طرف منہ اٹھائے جلدی جلدی کہاں بھاگی جا رہی تھیں۔"

"کیا خدانخواستہ پرچہ کچھ خراب ہو گیا ہے جو منہ چھپا رہی ہو۔" دردانہ نے کہا۔

"تیرے منہ میں خاک۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "خدا نہ کرے میرا پرچہ خراب ہو۔"

"پھر ..... جلدی کس بات کی تھی۔" برجیس نے اپنا سوال دہرایا۔

"امی جان کو یہ خوشخبری سنانے جا رہی تھی کہ اب میری فرسٹ ڈویژن کہیں نہیں گئی۔"

"اچھا جی! تم کو ابھی سے اپنا نتیجہ بھی معلوم ہو گیا۔"

"ہاں برجیس! میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوں گی۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" برجیس نے سنجیدگی سے کہا۔

"آمین ..... ثم آمین!" دردانہ بولی۔ "اللہ کرے تم فرسٹ پوزیشن میں کامیاب ہو لیکن ایک بات آج مجھے بری طرح کھٹک رہی ہے۔"

"وہ کیا.....؟" فرزانہ تیزی سے بولی۔

"یہی کہ اب تمہارا دل گواہی بھی دینے لگا ہے۔" دردانہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کچھ ایسے تشویشناک لہجے میں کہا کہ فرزانہ اور برجیس بھی بے تحاشہ ہنس دیں۔

"ارے ہاں! ..... میں اپنی خوشی میں یہ تو پوچھنا بھول ہی گئی کہ تم لوگوں کے پرچے کیسے ہوئے ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اچھے خاصے پرچے ہو گئے ہیں لیکن یا مقدر یا نصیب والا معاملہ ہے۔" دردانہ

Uploaded By Nadeem ندیم

یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"میں سمجھی نہیں ..... بات کیا ہے؟" فرزانہ نے بھولپن سے دردانہ کو گھورا۔

"بات کا اگر پتہ ہوتا تو پھر رونا کس بات کا تھا؟" دردانہ نے طویل سانس بھری۔

"کاش میرا دل بھی تمہاری طرح گواہی دے سکتا۔"

"اچھا۔" فرزانہ نے جلدی سے جھینپ مٹانے کے لئے کہا۔ "کیا دل کسی کو دے دیا ہے جو اب وہ تمہارے بس میں نہیں ہے۔"

"کچھ ایسا ہی چکر ہے۔" برجیس معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "سنا ہے آج کل اس کے گھر پر صبح شام کھچڑی پک رہی ہے۔"

"کیا مطلب؟" فرزانہ چونکی۔

"پوری بات یہ چڑیل بتاتی کب ہے' ویسے میں نے اڑتی پڑتی سنی ہے کہ اس عید کے چاند مس دردانہ مسز بننے والی ہیں۔"

"آمین!....." دردانہ نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

"اور ہمیں اطلاع تک نہ ملی۔" فرزانہ نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔ "جاؤ کٹی! میں اب تمہاری شادی میں بھی شریک نہیں ہوں گی۔"

"ارے ..... ارے ایسا غضب نہ کرنا فرزانہ! اگر تم نے شادی میں شرکت نہ کی تو ناچ گانے کا کیا بنے گا۔"

"سن رہی ہو اس کی باتیں۔" برجیس نے مسکراتے ہوئے فرزانہ سے کہا۔ "جب سے اسے بھنک مل گئی ہے شادی کی زمین پر پاؤں ہی نہیں رکھتی' خوشی کے مارے ہر وقت باچھیں کھلی رہتی ہیں۔"

"لیکن ہمارے ہونے والے دولہا بھائی کون ذات شریف ہیں؟" فرزانہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دو ہوں تو بتاؤں بھی۔" دردانہ نے سر کھجا کر جواب دیا۔ "آج کل تو امی جان کا پاندان تصویروں کا البم بنا ہوا ہے۔ دیکھیں کس کا نصیب جاگتا ہے؟"

"ہٹ بے شرم۔" فرزانہ نے اسے پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "ایسی باتیں کرتے ہوئے تجھے حجاب بھی نہیں آتا۔"

"اس کے تو دیدے کا پانی ہی مر گیا ہے۔" برجیس نے بڑی بوڑھیوں جیسے لہجے میں کہا۔ "ایک ہمارا زمانہ تھا' ادھر نائن نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا اور ادھر لڑکی گھونگھٹ نکال کر کوٹھری کی طرف لپکی۔ کیا مجال جو سسرال والوں کو شادی سے پہلے ناک نقشے کا بھی علم ہو جاتا۔"

فرزانہ اور دردانہ پیٹ پکڑ کر ہنستے ہنستے دوہری ہو گئیں۔ ابھی وہ پوری طرح ہنس بھی نہ پائی تھیں کہ سامنے سے نگہت آ گئی۔

"ارے بھئی! یہ اکیلے اکیلے ہنس رہی ہو۔ کچھ ہمارے لئے بھی باقی چھوڑ دو۔"

فرزانہ اور دردانہ کا ہنسی پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا لیکن برجیس بدستور سنجیدہ تھی۔

"برجیس! بات کیا ہے؟" نگہت نے برجیس سے پوچھا۔

"مجھے خود پتہ نہیں۔" برجیس نے بڑی خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔ "جب سے آئی ہوں یہ دونوں لوٹن کبوتر بنی ہوئی ہیں۔"

"لیکن کچھ پتہ بھی تو چلے' آخر معاملہ کیا ہے؟"

"دردانہ سے پوچھو' کیا بات ہے۔" نگہت دردانہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"نہ بابا' تم کو میں تو کسی قیمت پر بھی نہ بتاؤں گی۔" دردانہ نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اگر کہیں تم اسے راستے سے لے اڑیں تو پھر میرا کیا بنے گا۔"

نگہت اُلّو سی بن کر رہ گئی۔ ابھی تک وہ نہیں سمجھ سکی تھی کہ ہنسی کا طوفان کس بات پر اٹھا! پھر جب فرزانہ نے اسے بتایا تو وہ بھی مسکرانے لگی۔

"یہ بات ہے تو پھر مٹھائی کھلواؤ جلدی سے۔" اس نے دردانہ سے کہا۔

"دیکھ لیا نا تم نے برجیس! میں اسی لئے کہہ رہی تھی کہ اسے کچھ نہ بتایا جائے۔ ارے واہ! شادی میری ہو رہی ہے اور منہ ان کا میٹھا کیا جائے۔"

"کس کی قسمت پھوٹنے والی ہے۔" نگہت نے پوچھا۔

"کوئی نہ کوئی تو آنکھ کا اندھا ہو گا ہی۔" دردانہ ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بولی۔

"ارے ..... ارے ابھی سے کوس رہی ہو بے چارے کو۔" نگہت نے شوخی سے کہا۔

Uploaded By Nadeem ندیم

"پھر تمہیں کیا! تم کو کیوں ترس آ رہا ہے اس بے چارے پر۔" دردانہ نے برجستہ کہا اور نگہت خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

"وہ نہیں ہے جسے تم سمجھ رہی ہو۔" برجیس نے نگہت پر چوٹ کی۔

"وہ کون۔" فرزانہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"اسے کہتے ہیں چور کی داڑھی میں تنکا۔" دردانہ جھٹ سے بول پڑی۔ "گویا اب تم کو بھی کسی کے بارے میں تشویش لاحق ہونی شروع ہو گئی۔"

خاصی دیر تک وہ آپس میں ایک دوسرے کو چھیڑتی رہیں پھر اچانک دردانہ نے کچھ سوچتے ہوئے فرزانہ سے پوچھا۔

"چھٹیوں میں تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"فی الحال تو کوئی پروگرام نہیں ..... کیوں؟"

"میرا ارادہ کسی پہاڑی علاقہ پر جانے کا ہے۔ امی جان نے اجازت بھی دے دی ہے ..... لیکن اکیلے کیا خاک مزا آئے گا۔"

"کیا تنہا جا رہی ہو؟" برجیس نے پوچھا۔

"نہیں! ..... آپا جان اور دولہا بھائی بھی ساتھ ہوں گے لیکن اگر تم لوگ بھی ساتھ چلو تو تفریح کا مزا دوبالا ہو جائے گا۔"

"میں ضرور چلتی تمہارے ساتھ لیکن میں ان چھٹیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتی ہوں۔ امتحانات کی وجہ سے میں مصوری کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکی۔" فرزانہ نے کہا۔ "اب اس عرصے میں پوری پوری توجہ سے اپنے شوق کی تکمیل کروں گی۔"

"کبھی ہمیں بھی ملاؤ ساگر صاحب سے۔" برجیس نے کہا۔

"جب چاہو مل لو۔" فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔ "بڑی عظیم شخصیت کے مالک ہیں۔"

"آج ہی کیوں نہ رکھ لیا جائے پروگرام۔" نگہت نے جلدی سے تجویز پیش کی۔ "شام کا ناشتہ بھی فرزانہ کے گھر پر کر لیں گے۔"

"پڑ گئی نا مجھے اپنے حلوے مانڈے کی فکر۔" برجیس نے نگہت کو گھورا۔

"حرج بھی کیا ہے برجیس!" فرزانہ نے کہا۔ "تم لوگ بڑے شوق سے شام کو میری

طرف آ جاؤ۔ کچھ دیر تفریح ہی رہے گی۔ رہا ساگر صاحب کا مسئلہ تو ان کے بارے میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"کیوں!" دردانہ نے پوچھا۔ "کیا وہ روز نہیں آتے۔"

"تقریباً روز ہی آتے ہیں لیکن کبھی کبھی ناغہ بھی ہو جاتا ہے۔ کوئی پابندی نہیں ہے ان پر۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر کسی اور دن پر رکھو۔" برجیس نے کہا۔ "ایک روز پہلے ہم لوگوں کو فون کر دینا۔"

"تمہاری مرضی۔" فرزانہ نے مختصراً کہا۔

پھر وہ ہنستی بولتی سہیلیوں سے رخصت ہو کر گھر آ گئی۔ صدیق علی خاں ڈرائنگ روم ہی میں اس کے منتظر تھے' شبانہ بیگم بھی ان کے ساتھ موجود تھیں۔

"سناؤ بیٹی! پرچہ کیسا ہوا؟" صدیق علی خاں نے فرزانہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا اور فرزانہ کو اچانک شرارت سوجھ گئی۔

"بس کر آئی پرچہ کسی طرح۔" فرزانہ مغموم لہجے میں بولی۔ "بڑے مشکل مشکل سوالات تھے ابا حضور!"

"پاسنگ مارکس تو آ جائیں گے؟" صدیق علی خاں نے صوفے پر بے چینی سے پہلو بدلا۔

"وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔" فرزانہ نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹی! اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے ..... خدا نے چاہا تو تم ضرور کامیاب ہو گی اور اگر خدانخواستہ نتیجہ خاطر خواہ نہ نکلا تو کیا ہوا ..... گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں۔" صدیق علی خان نے بیٹی کو دلاسہ دیا۔

شبانہ بیگم بیٹی کو کھا جانے والی نظروں سے گھورے جا رہی تھیں اور فرزانہ مجرموں کی طرح گردن جھکائے چپ چاپ کھڑی ماں کے پھٹ پڑنے کی منتظر تھی۔

"غم کس بات کا ہے بیٹی! جاؤ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ اور آرام کرو۔" صدیق علی خاں نے فرزانہ کو خاموش دیکھ کر دوبارہ اس کی ہمت بندھائی۔ "اپنے طور پر تو تم نے پوری محنت کی تھی اب اگر سوالات ہی مشکل آ گئے تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے؟"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"ایک قیمتی سال برباد ہو جائے گا ابا حضور!" فرزانہ بدستور مغموم لہجے میں بولی۔ پھر ماں کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا۔

"چلو کسی طرح تمہاری جان تو چھوٹی پڑھائی سے۔" شبانہ بیگم نے بیٹی کو غصیلی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "ایک سال برباد ہو گیا تو کیا فرق پڑتا ہے تمہیں اب رنگ اور برش کے لئے تو آزادی مل گئی نا۔"

"امی جان!" فرزانہ نے ماں کے قریب ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ یقین کیجئے کہ میں آئندہ سال پورے بورڈ میں سب سے اول آؤں گی۔"

"اے ہے! ..... تو کیا میں نے تم کو اس سال اول آنے کے لئے منع کر دیا تھا جو تم اگلے سال کے لئے وعدہ کر رہی ہو۔" شبانہ کا غصہ تیز ہو گیا۔ "مجھے تو شروع ہی سے تمہارا کاغذوں اور کپڑوں پر رنگ تھوپنا پسند نہیں تھا لیکن تم سنتی کس کی ہو۔"

"امی جان! بس اس مرتبہ مجھے معاف کر دیجئے۔ اب کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔"

"ختم بھی کرو بیگم! جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا ..... پہلے ہی سے جی ہلکان کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" صدیق علی خاں نے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔

"تم ہی نے سر چڑھا رکھا ہے اپنی لاڈلی کو۔ اب خود ہی بھگتنا تمام عمر۔" شبانہ بیگم بیٹی کو چھوڑ کر شوہر سے الجھ پڑیں۔ "سال برباد ہو گیا تو کیا ہوا۔ تم جا کر دو چار مصور اور پکڑ لاؤ بازار سے' تاکہ صاحبزادی کا شوق پورا ہوتا رہے۔"

امی جان!" فرزانہ نے بات بڑھتی دیکھی تو جلد سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ "میں تو مذاق کر رہی تھی کہ پرچہ خراب ہو گیا۔ میرے تو تمام پرچے بہت عمدہ ہوئے ہیں۔ نتیجہ آنے دیجئے' اگر فرسٹ ڈویژن نہ آئے تو جو چور کی سزا وہ میری۔"

"پھر! ..... تم کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟" شبانہ بیگم نے بیٹی کو گھورا۔

"آپ کو تنگ کر کے کچھ سننے کو جی چاہ رہا تھا۔" فرزانہ بچوں کی طرح ماں سے لپٹ گئی۔

"چلو ہٹو! ..... مجھے نہیں اچھے لگتے یہ چونچلے۔ باپ سے لاڈ کیا کرو جنہوں نے تمہیں سر پر چڑھا رکھا ہے۔"

"پلیز امی جان! اب تو غصہ تھوک دیجئے۔" فرزانہ نے معصومیت سے کہا۔ "میں نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔"

"کیا تجھے الہام ہوا ہے کہ فرسٹ ڈویژن ہی آئے گی۔" شبانہ بیگم نے قدرے نرم لہجے میں پوچھا۔

"الہام تو نہیں ہوا امی جان لیکن مجھے آپ کی دی ہوئی تعلیم پر مکمل اعتماد ہے اور اسی لئے میں بڑے بھروسے سے کہہ رہی ہوں کہ فرسٹ ڈویژن ضرور آئے گی۔"

"وہ بھی دیکھ لوں گی ..... دو ہی مہینے کی بات تو رہ گئی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے لیکن اب ذرا ہنس دیجئے تاکہ ماحول خوشگوار ہو جائے۔" فرزانہ نے ماں کو منانے کے لئے بچگانہ انداز میں کہا اور شبانہ بیگم کے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی۔

صدیق علی خاں ماں اور بیٹی کی محبت کو دور ہی دور سے دیکھ کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔

☆======☆======☆

Uploaded By Nadeem
ندیم

فرزانہ اب پوری توجہ سے مصوری کے فن کو سیکھ رہی تھی۔

جب سے اس کے امتحانات ختم ہوئے تھے ساگر نے بڑی پابندی سے آنا شروع کر دیا تھا۔ فرزانہ بہت دل لگا کر اس کی ایک ایک بات کو سنتی، سمجھتی اور پھر اس پر عمل کرتی۔ اسے ساگر کے قرب سے ایک عجیب خوشگوار قسم کی مسرت حاصل ہوتی۔ وہ سرِ شام ہی سے ساگر کا بے چینی سے انتظار کرنے لگتی۔ اگر کبھی ساگر کو آنے میں دیر ہو جاتی تو وہ اداس سی ہو کر رہ جاتی تھی۔

جیسے ساگر کے نہ آنے سے اس کی اداسی کو کوئی گہرا تعلق رہا ہو۔

جیسے ساگر اس کے لئے خوشیوں کا خزانہ لے کر آتا ہو۔

جیسے ساگر ہی کی ذات پر اس کی خوشیوں کا انحصار تھا۔

ساگر ..... جو ایک تصویر کی وساطت سے اس کی زندگی میں اچانک داخل ہوا تھا اور پھر نہ جانے کیوں اور اس کے دل و دماغ پر چھاتا چلا گیا۔

ساگر اس کے لئے اجنبی تھا ..... لیکن ایک مانوس مانوس سا جذبہ تھا جس نے فرزانہ کے دل میں ساگر کے لئے بے پناہ محبت اور عقیدت کا جذبہ بھر دیا تھا۔ وہ اس مانوس سے جذبے کو اپنے لاشعور میں بارہا محسوس کر چکی تھی لیکن وہ کیسا جذبہ تھا جو ابھی تک اس کے لاشعور میں بھٹک رہا تھا! ..... جس نے اسے ساگر کی ذات سے اس حد تک مانوس کر دیا تھا کہ وہ اکثر مبہم مبہم اور پریشان خیالات کے تصور سے لرز اٹھتی۔ وہ اکثر سوچتی۔

اگر ساگر کبھی اس کی زندگی سے علیحدہ ہو گیا تب کیا ہو گا!

کیا وہ ساگر کی جدائی کے صدمے کو برداشت کر لے گی!

فن اور فنکار کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے اور فن فنکار کو کبھی کسی ایک کا ہو کر

نہیں رہنے دیتا۔ فنکار تو ہوا کا جھونکا ہوتا ہے جو اِدھر سے آیا اور اُدھر چلا گیا۔

ساگر بھی ایک روز ہوا کے نرم اور لطیف جھونکے کی طرح کسی دوسری منزل کی طرف چلا جائے گا اور پھر اس کے جانے کے بعد فرزانہ کی زندگی میں ایک خلا پیدا ہو جائے گا۔

"لیکن ساگر سے اس قدر والہانہ اور بے پناہ محبت کی وجہ کیا تھی۔"

فرزانہ سوچتی، گھنٹوں سوچتی رہتی لیکن اس کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اسے بس اتنا ہی معلوم تھا کہ وہ ساگر کو کبھی نہیں بھلا سکتی۔ اگر وہ اس کی زندگی سے دور کسی نئی منزل کی تلاش میں چلا گیا تب بھی وہ اسے یاد رکھے گی۔

آج بھی وہ انہی خیالات میں گم صم بیٹھی تھی جب ساگر کے قدموں کی مانوس سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ اپنی جگہ سے لہراتی ہوئی اٹھی اور مسکراتے ہوئے ساگر کا استقبال کیا۔

جواب میں ساگر کے بے جان ہونٹوں پر ایک پھیکے سے تبسم نے مچل کر دم توڑ دیا پھر وہ قدم بڑھاتا ہوا اپنی اسی جگہ پر آ کر رک گیا جہاں روزانہ رکتا تھا۔ اس نے اسٹول پر رکھی ہوئی چاک اٹھائی اور پھر فریم پر کسے ہوئے سادہ کینوس پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچنے لگا۔ فرزانہ بڑی توجہ سے کینوس پر ابھرنے والے خطوط کا جائزہ لیتی رہی۔ لکیریں آپس میں گڈمڈ ہو کر کسی خاکے کو جنم دے رہی تھیں اور پھر.....

پھر اچانک فرزانہ کا دل مسرت سے لبریز ہو گیا۔ آج ساگر نے اس کی اپنی تصویر بنائی تھی۔ بہت دنوں سے وہ اس کے پیچھے پڑی تھی کہ وہ اس کی ایک خوبصورت سی تصویر بنا دے لیکن ساگر ہوں ہاں کر کے ٹال جاتا اور آج ..... آج اس نے فرزانہ کے کہے بغیر اس کی تصویر بنا دی تھی۔ ایسی تصویر جس پر حقیقت کا گمان ہو رہا تھا۔

نقل اصل سے زیادہ جاندار نظر آ رہی تھی۔

"اوہ انکل!" فرزانہ نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کتنے اچھے ہیں لیکن کتنی پیاری تصویر بنائی ہے آپ نے ..... ونڈر فل۔"

ساگر نے کوئی جواب نہیں۔ بس آہستہ سے گردن ہلا کر اس نے نہ جانے کیا کہنے کی کوشش کی اور پھر دوبارہ اپنے کام میں منہمک ہو گیا اور فرزانہ کے دل کو پھر ایک جھٹکا سا

Uploaded By Nadeem ندیم

لگا۔ ساگر کی سوگوار خاموشی نے اسے بے چین کر دیا۔

اس کی خاموشی اور کم گوئی فرزانہ کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی۔ روزِ اول ہی سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ کوئی گہرا صدمہ اس عظیم فنکار کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا ہے۔ وہ کسی ایسی تکلیف میں مبتلا ہے جس کی شدت کو سہتے سہتے اس کے ہونٹ جھلس کر رہ گئے تھے۔ آنکھوں نے ویرانیوں کو اپنا لیا تھا۔ وہ ہمیشہ سے کم گو تھا۔ اس کے چہرے پر فرزانہ نے ہمیشہ غم کے منحوس بادلوں کو منڈلاتے دیکھا تھا۔ اس کی کیفیت کسی ایسی لہر سے مطابقت رکھتی تھی جو ساحل سے بھٹک کر کہیں دور کسی گرداب میں پھنس کر رہ گئی ہو۔ ایک طوفان جو اٹھتے اٹھتے اچانک ٹھہر کر رک گیا ہو۔

لیکن یہ سب کیوں تھا.....!

کیا تھا.....!

فرزانہ کے ذہن کی قوت پرواز ہمیشہ اس منزل تک پہنچ کر تھک جاتی ان حدود کے آگے کیا تھا وہ کبھی نہ جان سکی۔ اس نے متعدد بار کوشش کی کہ ساگر سے اس کی اداسی اور خاموشی کی وجہ دریافت کرے۔ بارہا اس نے مختلف زاویوں سے اسے ٹٹولنے کی کوشش بھی کی لیکن ہر بار اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

ساگر اس کے لئے ایک ناقابل تسخیر چٹان بن کر رہ گیا تھا۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ چپ چاپ اور اداس نظر آ رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں فرزانہ کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے آج وہ روزانہ کے معمول سے زیادہ غمگین ہے۔ آج اس نے فرزانہ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ گزشتہ روز کے دیئے ہوئے کام کو بھی نہیں دیکھا۔ بس خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا تھا۔

وہ نقوش کو بگاڑتا اور بناتا رہا اور پھر جب وہ مطمئن ہو گیا تو اس نے چاک اسٹول پر رکھ دی اور خود پاس رکھی ہوئی کرسی پر تھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر جلایا اور اس کے طویل کش لینے لگا۔ چہرے پر ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔

"کیا بات ہے انکل! ..... آج آپ کچھ زیادہ پریشان نظر آ رہے ہیں۔" فرزانہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھ ہی لیا۔

"ہوں....." ساگر نے گردن گھما کر فرزانہ کو دیکھا پھر اچانک چونک کر پوچھا۔

"تم نے کچھ پوچھا تھا مجھ سے۔"

"جی ہاں! ..... آج آپ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔" ساگر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر دوبارہ کینوس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"انکل!" فرزانہ نے دوبارہ اسے مخاطب کیا۔

"ہوں۔"

"کیا آپ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ میری باتوں کا جواب دیں۔" فرزانہ کے لہجے میں اب درد بھی شامل تھا۔

"تم نے آج مجھ سے چائے کے لئے نہیں پوچھا۔" ساگر نے جلدی سے فرزانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج میں نے تمہاری فرمائش بھی پوری کر دی۔"

"آپ شاید مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" فرزانہ اداس ہو گئی۔

"نہیں تو بیٹی! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" ساگر کے لہجے میں خلوص تھا۔ محبت تھی۔ ایسی شفقت تھی جسے محسوس کیا جا سکتا تھا لیکن کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔

"آپ پریشان کیوں رہتے ہیں۔" فرزانہ نے اپنا سوال دہرایا۔

"اپنے خیالات میں کھویا کھویا رہتا ہوں! ..... تم اسے پریشانی کیوں سمجھتی ہو؟"

"لیکن میں نے آپ کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا!" فرزانہ نے طفلانہ انداز میں پوچھا۔ "آخر ایسا کیوں ہے انکل۔"

"آج نہیں! ..... پھر کسی روز بتاؤں گا۔" ساگر نے کہا پھر جلدی سے گفتگو کا رخ بدل دیا۔ "کیا آج چائے نہیں ملے گی مجھ کو؟"

"ابھی لاتی ہوں۔" فرزانہ جیسے ساگر کے جواب سے مطمئن ہو گئی تھی۔

کچن روم میں آ کر اس نے اپنے ہاتھ سے چائے تیار کی پھر اسے ٹرے میں رکھ کر دوبارہ اسٹوڈیو میں آ گئی۔ ساگر ابھی تک اپنی کرسی پر بیٹھا کینوس پر بنی ہوئی تصویر کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ سلگتا ہوا سگریٹ اس کے مرجھائے ہوئے ہونٹوں کے درمیان دبا دھواں دے رہا تھا۔

دھواں ..... جو آہستہ آہستہ پورے ماحول پر چھاتا جا رہا تھا۔

Uploaded By Nadeem

فرزانہ نے آگے بڑھ کر چائے کی ٹرے میز پر رکھی پھر جلدی جلدی ایک کپ تیار کر کے ساگر کو پیش کر دی۔ ساگر نے چونک کر پیالی تھامی پھر سلگتے ہوئے سگریٹ کو ہونٹوں کی قید سے آزاد کر کے ایش ٹرے میں مسل دیا۔

"انکل! ایک بات پوچھوں۔" فرزانہ نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"کیا؟"

"آپ یہاں آنا جانا ترک تو نہیں کریں گے؟"

"اوہ....." ساگر نے فرزانہ کے چہرے کے معصوم تاثرات کو بہت غور سے دیکھا پھر کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

"آپ کیا سوچنے لگے انکل!"

"کچھ نہیں۔"

"پھر..... آپ نے میری بات کا جواب کیوں نہیں دیا؟"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا جواب دوں۔" ساگر کا لہجہ مغموم ہو گیا۔

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "بس آپ کہہ دیجئے کہ برابر یہاں آتے رہیں گے۔ کیوں انکل! ٹھیک ہے نا؟"

ساگر کے چہرے پر پھیلی ہوئی اداسی کچھ اور گہری ہو گئی' اس نے ویران ویران نظروں سے فرزانہ کو دیکھا۔ سوکھے ہوئے ہونٹ شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتوں کی طرح لرز اٹھے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر اس نے جلدی سے اپنے ہونٹوں کی جنبش کو روک لیا اور اٹھ کر فریم کے سامنے آ گیا۔

فرزانہ کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق کی سرخی یکلخت سمٹ کر رہ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ساگر کی خاموشی نے اس کو تڑپا دیا وہ ایک ثانیے کے لئے سنگ مرمر کے کسی بے جان مجسمے کی طرح کھڑی ساگر کو دیکھتی رہی پھر تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سامنے آ گئی۔

"انکل!" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا میرے سوال سے آپ کے دل کو کوئی ٹھیس پہنچی ہے؟"

"نہیں....." ساگر نے مضمحل انداز میں جواب دیا۔

"لیکن میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ آپ کو کسی بات سے صدمہ ضرور پہنچا ہے! اگر ایسی بات نہ ہوتی تو آپ یوں خاموش نہ ہو جاتے! ..... پلیز انکل! ..... اگر آپ کو میری کوئی بات ناگوار گزری ہے تو معاف کر دیجئے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو بیٹی! بھلا میں اور تمہاری باتوں کا برا مانوں گا۔"

"پھر آپ اس طرح خاموش کیوں ہو گئے تھے۔" فرزانہ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم کو مایوس نہیں کرنا چاہتا بیٹی اس لئے چپ ہو گیا تھا۔" ساگر نے غمناک لہجے میں کہا۔ "کاش میں حالات سے کوئی سمجھوتا کر سکتا۔"

"آپ جو بھی کہنا چاہیں بلاخوف و خطر کہہ دیں! ..... مجھے کوئی افسوس نہیں ہو گا۔"

"تم یہی چاہتی ہو نا کہ میں برابر یہاں آتا رہوں۔"

"ہاں! ..... لیکن میں مجبور نہیں کر سکتی آپ کو۔"

"میری بھی یہی خواہش ہے کہ تمام زندگی یہاں آتا رہوں لیکن....."

"لیکن کیا انکل!" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"خوشیاں مجھے کبھی راس نہیں آ سکتیں بیٹی! قدرت کی ستم ظریفی کو صرف میرے آنسوؤں سے پیار ہے اور میں ہمیشہ قدرت کے فیصلوں کے آگے سر جھکاتا چلا آیا ہوں۔" ساگر کی آواز رندھ گئی۔

"میں نے اسی لئے انسانوں سے محبت کرنی ترک کر کے ویران تنہائیوں کو اپنایا تھا لیکن تمہاری درخواست نے میرے قدم لڑکھڑا دیئے! میں اپنی دنیا چھوڑ کر دوبارہ انسانوں کی بستی میں آ گیا ہوں لیکن کبھی کبھی سہم کر سوچنے لگتا ہوں کہ اس کا انجام کیا ہو گا!"

"اگر آغاز خوشگوار ہو تو انجام ہمیشہ حسین ہی ہوتا ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔ "کم از کم میرے سلسلے میں آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہئے۔ میں تمام زندگی آپ سے اسی طرح محبت کرتی رہوں گی ..... اور پھر ڈیڈی بھی تو آپ کو عزت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

"تم نہیں سمجھو گی بیٹی! طوفان کبھی کہہ کر نہیں آیا کرتے۔"

"ٹھیک ہے ..... لیکن آپ کو یہاں کس طوفان کا خطرہ لاحق ہے۔"

Uploaded By Nadeem ندیم

"میں نے دنیا کی ایک عام مثال دی تھی۔" ساگر نے سپاٹ آواز میں کہا۔ "خدا نہ کرے کہ تمہاری زندگی کسی طوفان کا شکار ہو۔"

"پھر وعدہ کیجئے کہ آپ ہمیشہ یہاں آتے رہیں گے۔"

"اچھا ..... میں کوشش کروں گا کہ اس وقت تک تم کو اپنی نگاہوں سے دور نہ ہونے دوں جب تک تم دلہن بن کر کسی اور کی امانت نہ بن جاؤ۔"

"انکل!" فرزانہ نے شرما کر نظریں جھکالیں۔ حیا کی سرخی نے اس کے چہرے کو گلنار بنا دیا۔

ساگر نے فرزانہ کو محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر رنگ اور برش سنبھال کر تصویر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اب زندگی کے دھندلے نقوش نظر آ رہے تھے۔

کینوس پر اس کے مشاق ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔ رنگوں کی آمیزش نے بے جان خاکے میں جان ڈالنی شروع کر دی۔ فرزانہ اس کے قریب کھڑی غور سے تصویر کو دیکھتی رہی۔ ساگر کے وعدے نے اس کا دل رکھ لیا تھا۔ اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے سر سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو' جیسے اس کی زندگی کا کوئی خلاء اچانک پُر ہو گیا ہو' جیسے تفکرات کے بادل اچانک اس کے ذہن سے چھٹ گئے ہوں۔

ساگر بڑی توجہ سے اس کے خاکے میں رنگ بھرتا رہا۔ دو گھنٹے میں تصویر مکمل ہو گئی تو ساگر نے اطمینان کا سانس لیا۔

"کیوں! ..... پسند آئی میری بیٹی کو اپنی تصویر؟" اس نے برش اور رنگ کی پلیٹ کو اسٹول پر رکھتے ہوئے بزرگانہ انداز میں فرزانہ سے پوچھا۔

"بے حد حسین بنی ہے۔" فرزانہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اگر میں یہ کہوں کہ آپ نے نقل کو اصل سے بہتر بنا دیا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔"

"میں چاہتا ہوں کہ یہ تصویر تم مجھے دے دو۔" ساگر نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں! ..... کیا آپ ایسی ہی دوسری تصویر نہیں بنا سکتے؟"

"بنا سکتا ہوں لیکن شاید دوسری تصویر میں اتنے خوبصورت رنگ نہ بھر سکوں۔"

"آپ مجھے بنا رہے ہیں۔"

"نہیں بیٹی! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔" ساگر نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "کچھ شاہکار ایسے بھی ہوتے ہیں جو بار بار نہیں بن سکتے۔"

"اگر آپ کو یہ تصویر پسند ہے تو بڑے شوق سے لے جایئے لیکن ایک شرط پر۔"

"شرط کیا ہے؟"

"اس کے بدلے میں آپ مجھے "انجام وفا" دے دیں' میں اسے اپنی خوابگاہ میں سجاؤں گی۔" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیوں انکل! منظور ہے یہ شرط؟"

"نہیں....." ساگر تڑپ اٹھا۔ "انجام وفا تمہاری خوابگاہ کی زینت کبھی نہ بن سکے گی۔ وہ تصویر میری منحوس زندگی کا ایک ایسا عکس ہے جس کا سایہ بھی تمہارے اوپر نہیں پڑنا چاہئے ..... میں تمہاری ہنستی کھیلتی زندگی میں اپنی آنکھوں سے ٹپکے ہوئے حقیر آنسو کبھی نہیں بکھیر سکتا۔ فرزانہ بیٹی! اگر تم چاہتی ہو کہ میں تم سے ہمیشہ ملتا رہوں تو اس تصویر کا ذکر دوبارہ کبھی نہ کرنا۔"

ساگر کے منہ سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ میں درد اور کسک کی آمیزش تھی۔ فرزانہ کو اپنے اوپر بڑی شدت سے غصہ آ رہا تھا۔ اس کی بات نے ساگر کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔ شاید ان زخموں کو کرید ڈالا تھا جسے وہ نہ جانے کب سے اپنے وجود کے ساتھ ساتھ لئے گھوم رہا تھا۔

"انکل! مجھے معاف کر دیجئے۔" اس نے جلدی سے معذرت طلب انداز میں کہا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ آئندہ کبھی اس تصویر کا ذکر زبان پر نہیں لاؤں گی۔ آپ میری تصویر بڑے شوق سے لے جایئے۔"

ساگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ گم صم کھڑا خلا میں گھورتا رہا جیسے ماضی کے کسی بھولے ہوئے افسانے کو یاد کر رہا ہو۔

"کیا آپ مجھے معاف نہیں کریں گے انکل!" فرزانہ نے غمگین آواز میں پوچھا۔

"ایسا مت کہو بیٹی!" ساگر ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔ "ہر انسان سے غلطی ہو سکتی ہے اور تم ..... تم تو مجھے بے حد عزیز ہو۔"

ساگر کی آواز میں کچھ ایسا ہی جادو تھا کہ فرزانہ تڑپ کر اس کے سینے لپٹ گئی اور رونے لگی۔

ندیم Uploaded By Nadeem

"ارے ..... یہ کیا۔" ساگر نے بڑی شفقت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "آنسو تو صرف میری زندگی کا سرمایہ ہیں' تم کیوں مجھ سے میرا حق چھین رہی ہو!..... پونچھ ڈالو ان آنسوؤں کو ورنہ پھر میں تم سے سچ مچ ناراض ہو جاؤں گا۔"

"نہیں انکل! ..... خدا کے لئے ایسا مت کہئے۔" فرزانہ نے جلدی سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں کبھی نہ روؤں گی ..... کبھی بھی نہیں ..... لیکن آپ مجھ سے ناراض مت ہو جایئے گا۔"

ساگر نے ایک بار پھر بڑی محبت سے فرزانہ کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر تیزی سے گھوما اور اسٹوڈیو سے باہر چلا گیا۔

فرزانہ بڑی دیر تک اپنی جگہ گم صم کھڑی ساگر کے بارے میں سوچتی رہی۔ کتنا عظیم تھا ساگر جو خود اداس رہ کر بھی دوسروں کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں دیکھنے کا متمنی تھا۔ ایک زخم خوردہ انسان جو دوسرے کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھا تھا۔

ایک معمہ ..... ایک الجھن!

جس کا کوئی حل ابھی تک فرزانہ کی سمجھ میں نہیں آ سکا تھا۔

☆======☆======☆

شکیل کے اچانک آ جانے سے گھر کے ہنگاموں میں ایک نئے باب کا اضافہ اور ہو گیا۔ کل تک پورے ماحول پر ایک جمود طاری تھا لیکن شکیل کی آمد نے اسے چند ہی روز میں ختم کر دیا۔ یوں جیسے کسی نے پانی کی ٹھہری ہوئی ساکت سطح پر کوئی کنکر اچھال دیا ہو۔

شبانہ بیگم نے اپنے بھتیجے کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ کیوں نہ لیتیں' ان کے خالہ زاد بھائی کا جگر گوشہ جو تھا۔ کل تک جو شبانہ بیگم آرام سے مسہری پر بیٹھی ملازموں پر حکم چلایا کرتی تھیں آج شکیل کی دلجوئی کی خاطر ہر وقت اس کے آگے پیچھے لگی رہتیں۔ جب دیکھو ملازموں پر ڈانٹ پھٹکار پڑ رہی ہے۔ کبھی رمضانی پر محض اس لئے غصہ اتارا جاتا کہ اس نے صبح کی بیڈ ٹی شکیل کے کمرے میں پہنچانے میں پانچ منٹ کی دیر کیوں کی اور کبھی زینت کی مصیبت صرف اتنی سی بات پر آ جاتی کہ اس نے شکیل کے شیو کرنے کے لئے گرم پانی کا بندوبست کیوں نہیں کیا۔

آج شکیل کے لئے قورمہ اور بریانی پک رہی ہے تو کل اس کی فرمائش پر دنبے کا

روسٹ پک رہا ہے۔ کبھی آئس کریم بن رہی ہے تو کبھی شاہی ٹکڑے اور زعفرانی قوام والی سویاں تیار ہو رہی ہیں اور ان تمام کاموں کی نگرانی براہ راست شبانہ بیگم نے اپنے سر مول لے لی تھی۔

بھتیجے کے لئے ان کی تجوری کا منہ بھی ہر وقت کھلا رہتا۔ جب دیکھو اصرار کر کے نئے نئے کپڑے بنوانے کی ہدایت ہو رہی ہے۔ غرض یہ کہ شکیل کے آرام و آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جاتا۔

جس دن شکیل کی آمد کا تار ملا تھا اسی روز سے شبانہ بیگم نے اپنے برابر والا کمرہ ٹھیک کرانا شروع کر دیا تھا۔ پہلے سفیدی ہوئی پھر اس پر ہلکے سبز رنگ کا پینٹ کروایا گیا۔ فرش اچھی طرح دھلوا کر آئینے کی طرح چمکا دیا گیا۔ کھڑکی اور دروازوں کے لئے نئے پردے خریدے گئے۔ جو فرنیچر ذرا پرانے ہو چکے تھے انہیں اسٹور روم میں رکھوا دیا گیا ان کی جگہ نئے فرنیچر منگائے گئے۔ جو فرنیچر استعمال کے قابل تھے ان پر نئے سرے سے وارنش کرائی گئی اور پھر شکیل کے آنے سے ایک روز پہلے کمرے کو دلہن کی طرح سجا کر مقفل کر دیا۔ کنجی شبانہ بیگم کے پرس میں محفوظ تھی۔ انہوں نے بڑے چاؤ سے کہا تھا۔

"کل میرا بھتیجا خود آ کر اپنے ہاتھوں سے اسے کھولے گا۔"

پھر دوسرے روز صبح ہی اسٹیشن جانے کے لئے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ فرزانہ کو حکم دیا گیا کہ آج چونکہ شکیل آ رہا ہے اس لئے وہ تمام مصروفیات ملتوی کر دے۔ صدیق علی خاں سے درخواست کی گئی کہ وہ ہائی کورٹ سے سیدھے اسٹیشن آ جائیں۔ ملازموں کو بڑی سختی سے حکم ملا تھا کہ کھانے پینے کی کسی چیز میں نمک یا گھی کا اتار چڑھاؤ کم یا زیادہ نہ ہو پائے۔ حتیٰ کہ گاڑی کے ڈرائیور کو بھی تاکید کر دی گئی کہ وہ اپنی نئی وردی پہنے۔

فرزانہ ماں کی مصروفیت دیکھ دیکھ کر دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی لیکن اس نے کسی بات میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی بس خاموشی سے سارے انتظامات کا جائزہ لیتی رہی۔

گاڑی آنے کا وقت تین بجے کا تھا اور شبانہ بیگم نے ایک ہی بجے سے چلو چلو کا شور بلند کرنا شروع کر دیا لیکن گھر سے نکلتے نکلتے بھی دو بج گئے۔ اس وقت ان کی بوکھلاہٹ قابل دید تھی۔ کبھی روانگی کے لئے ڈیوڑھی کی طرف جاتیں اور پھر اچانک کوئی خیال آ جاتا

Uploaded By Nadeem

اور پلٹ کر دوبارہ ملازموں کو بھولی ہوئی بات کے لئے ہدایت کرنے لگتیں۔

بہرحال خدا خدا کر کے گاڑی اسٹیشن پہنچی۔ ایک ملازم شکیل صاحب کا سامان لے جانے کے لئے ساتھ آیا تھا۔ اسے بار بار اسٹیشن ماسٹر کے پاس دوڑایا جاتا کہ جا کر دریافت کرے کہ گاڑی آنے میں کتنی دیر باقی ہے۔

کبھی اپنی دستی گھڑی کو دیکھنے لگتیں اور پھر جلدی سے پرس کھول کر شکیل کی تصویر نکال کر اسے بغور ذہن نشین کرنے لگتیں۔ شکیل کے بارے میں انہوں نے فرزانہ کو بھی یہی بتایا تھا کہ جب وہ دو سال کا تھا جب اسے آخری بار دیکھا تھا۔ چنانچہ شکیل صاحب کو شناخت کرنے کے لئے انہوں نے مراد آباد لکھ کر اپنے خالہ زاد بھائی سے اس کی تازہ ترین تصویر بھی منگوالی تھی۔

ایک دو بار فرزانہ نے بھی تصویر پر نظر ڈالی پھر ماں سے مخاطب ہو کر بولی۔

"امی جان! اگر شکیل صاحب کسی وجہ سے آج کی گاڑی سے نہ آئے تب کیا ہو گا؟"

"اے ہے ..... کیسی فال نکال رہی ہو منہ سے۔" شبانہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ بھائی صاحب نے تار کے ذریعہ بھی اطلاع کر دی ہے اس کے آنے کی۔ پھر نہ آنے کی کیا وجہ ہو گی؟"

"میں نے یونہی ایک خیال ظاہر کیا ہے۔"

"نا بیٹی! ایسے موقعوں پر کوئی غلط بات منہ سے نہیں نکالنی چاہئے۔" شبانہ بیگم نے فرزانہ کو نصیحت کی پھر شکیل کی شان میں غائبانہ دعائیں شروع ہو گئیں۔ "خدا سلامت رکھے اسے' بھائی صاحب کی ایک ہی تو اولاد رہ گئی ہے۔ اللہ نہ کرے اس پر کوئی برا وقت آئے۔ دو سال کا تھا جب میں نے اسے بھابی جان کی گود میں آغوں آغوں کرتے دیکھا تھا۔"

"دو ماہ کا رہا ہو گا امی جان!" فرزانہ شوخی سے بولی۔ "دو سال کے بچے آغوں آغوں نہیں کیا کرتے' فر فر بولنا شروع کر دیتے ہیں۔"

"خیر ..... ہو گا ..... میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتی۔ باپ کے لاڈ پیار نے تو تم کو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ نہ بڑوں کا لحاظ نہ چھوٹوں کی تمیز۔" شبانہ بیگم نے برا مناتے

ہوئے کہا۔ "میں نے اگر آغوں آغوں والی بات غلط بھی کہہ دی تھی تو تم کو زبان پکڑنے کی کیا ضرورت تھی' پڑھ لکھ کر بہت زیادہ قابل ہو گئی ہو؟"

"آپ تو برا مان گئیں امی جان!" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "میں نے تو مذاقاً ایک بات کہہ دی تھی۔"

"ٹھیک ہے! ..... اب اس عمر میں اگر تم میرا مذاق نہیں اڑاؤ گی تو اور کیا کرو گی۔"

"اچھی امی جان! چلئے معاف کر دیجئے۔" فرزانہ نے ماں سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"بس رہنے بھی دو' مجھے نہیں پسند ہیں یہ الٹی سیدھی باتیں۔"

شبانہ بیگم کا مزاج برہم ہو گیا لیکن پھر جیسے ہی ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ گاڑی کا سگنل ہو گیا ہے ان کی باچھیں کھل گئیں۔ جلدی سے سنہری کام کی بنارسی ساڑھی سنبھالتی ہوئی نیچے اتریں اور پلیٹ فارم پر آ کر گاڑی کا انتظار شروع کر دیا۔

خدا خدا کر کے گاڑی آئی اور شبانہ بیگم نے جلدی جلدی مراد آباد سے آنے والے ڈبوں میں جھانکنا شروع کر دیا۔ فرزانہ بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ مسافروں کی بھیڑ بھاڑ میں اِدھر اُدھر کتراتی ہوئی دونوں ماں بیٹیاں شکیل کو تلاش کرتی رہیں پھر اچانک فرزانہ کی نظر تصویر سے ملتے جلتے ایک مسافر پر پڑی جو انٹر کلاس کے ایک ڈبے کے سامنے کھڑا غالباً کسی کی آمد کا منتظر تھا۔

"امی جان! وہ دیکھئے ..... ادھر جو مسافر کھڑا ہے وہ شکیل ہی معلوم ہوتا ہے۔"

"کہاں؟" شبانہ بیگم نے جلدی سے پوچھا پھر فرزانہ کے اشارے پر انہوں نے بھی اس مسافر کو دیکھ لیا اور تیزی سے لپکتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئیں۔

"کیوں میاں! کیا نام ہے تمہارا؟" انہوں نے قریب پہنچ کر اس سے دریافت کیا۔

"جی! خاکسار کو شکیل کہتے ہیں۔" نوجوان نے ہاتھ میں دبے ہوئے سگریٹ کو جلدی سے ایک طرف اچھالتے ہوئے کہا۔ "آپ غالباً شبانہ پھوپھی ہیں۔"

"جگ جگ جیو میرے بچے!" شبانہ بیگم نے دو قدم آگے بڑھ کر چٹا چٹ بھتیجے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین تھا کہ خون خون کو پہچان لے گا۔"

فرزانہ ایک طرف سمٹی سمٹائی کھڑی شکیل کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کھلتے ہوئے قد کا

Uploaded By Nadeem ندیم

ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ جسامت کے اعتبار سے بھی تندرست نظر آ رہا تھا۔ بال بڑے سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔ چہرے کے نقش و نگار بھی خاصے تھے لیکن نہ جانے کیوں فرزانہ کو اس کی آنکھیں بالکل پسند نہیں آئیں۔ یہ بات نہیں تھی کہ شکیل کی آنکھوں میں کوئی نقص یا خرابی تھی بلکہ ان میں جو سیمابی کیفیت اور بار بار نمودار ہونے والی چمک تھی وہ فرزانہ کو کچھ اچھی نہیں لگی۔

پہلی نظر میں وہ شکیل کے بارے میں کوئی زیادہ اچھی رائے قائم نہیں کر سکی۔

"ارے فرزانہ! تم ادھر کیوں کھڑی ہو؟ ادھر آؤ نا!" شبانہ بیگم نے اسے قریب آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اپنے ماموں زاد بھائی سے ملو۔"

فرزانہ ایک لمحے کے لئے جھجکی پھر آگے آ گئی۔

"تسلیم عرض کرتی ہوں۔" اس نے ماں کے قریب آ کر شکیل کو جھکی جھکی نگاہوں سے سلام کیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" شکیل دل آویز انداز میں مسکرایا۔ "پھوپھی جان نے آپ کے بارے میں کبھی تحریر نہیں کیا اس لئے آپ کو پہلی نظر میں پہچان ہی نہیں سکا۔"

"میں نے جان بوجھ کر فرزانہ کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جب تم اچانک یہاں آ کر اس سے ملو گے تو زیادہ خوشی ہو گی۔" شبانہ بیگم نے کہا پھر ملازم کو بلا کر سامان اس کے سپرد کیا اور خود شکیل کو لے کر پلیٹ فارم سے باہر آ گئیں۔

واپسی میں فرزانہ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور شکیل پچھلی سیٹ پر شبانہ بیگم کے پاس بیٹھ کر باتوں میں مشغول ہو گیا۔

"سفر میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی تمہیں؟" شبانہ بیگم نے بڑے لاڈ سے پوچھا۔

"جی نہیں، بڑا اچھا سفر گزرا۔"

"لیکن تم نے انٹر کلاس میں کیوں سفر کیا؟ سیکنڈ یا فرسٹ کلاس میں اطمینان سے آ جاتے۔"

"ابا جان نے بھی یہی مشورہ دیا تھا لیکن میں جان بوجھ کر انٹر کلاس میں آیا ہوں۔"

"وہ کیوں۔" شبانہ بیگم نے تعجب سے پوچھا۔

"بات دراصل یہ ہے پھوپھی جان کہ میں تنہائی سے بہت گھبراتا ہوں۔ جی ہاں! ہنگامے اور ہر وقت ہنستے بولتے رہنا مجھے زیادہ پسند ہے۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرسٹ اور سیکنڈ کلاس میں زیادہ تر ایسے لوگ سفر کرتے ہیں جن کو آرام طلبی کی عادت ہوتی ہے یا پھر وہ گم صم رہنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے درمیانہ درجہ کا ٹکٹ خرید لیا۔ بڑا شاندار سفر گزرا۔"

"بھائی صاحب کی طبیعت کیسی رہتی ہے؟"

"خدا کا شکر ہے۔"

"کیا کر رہے ہیں آج کل؟" شبانہ بیگم نے پوچھا۔ "پہلے کسی زمانے میں تو کسی مجسٹریٹ کے یہاں پیش کار لگے ہوئے تھے۔"

"آپ تو بہت پرانی بات کر رہی ہیں۔" شکیل نے تیزی سے جواب دیا۔ "ملازمت چھوڑے تو آٹھ دس سال کا عرصہ گزر گیا۔ اب تو اپنا ذاتی کاروبار کر رہے ہیں۔ آپ کی دعاؤں سے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔"

"اللہ اور ترقی کرے۔ بھابی جان کا کیا حال چال ہے۔"

"وہ بھی خیریت سے ہیں۔"

فرزانہ چپ چاپ بیٹھی پھوپھی اور بھتیجے کی باتیں سنتی رہی۔ راستے میں اس کی اور شکیل کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ گھر پہنچ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور شکیل شبانہ بیگم کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دوپہر کے کھانے پر دوبارہ ملاقات ہوئی لیکن اس وقت بھی شبانہ بیگم ہی زیادہ تر اس کے ساتھ گفتگو میں مصروف رہیں۔ شام کو فرزانہ ماں سے اجازت لے کر برجیس کی طرف چلی گئی۔

رات کے کھانے پر صدیق علی خاں بھی موجود تھے اس لئے اس وقت بھی اس کے اور شکیل کے درمیان براہ راست کوئی بات چیت نہیں ہوئی لیکن فرزانہ نے اس بات کو خاص طور پر نوٹ کیا تھا کہ شکیل کھانے کے دوران کئی بار اسے چوری چھپے دیکھنے کی کوشش کر چکا ہے۔ فرزانہ کو یہ بات ناگوار گزری۔ ماموں زاد بھائی ہونے کی حیثیت سے وہ اگر چاہتا تو کھل کر باتیں بھی کر سکتا تھا۔ آخر کنکھیوں سے اس طرح بار بار گھورنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہرحال فرزانہ نے اپنے کسی رویے سے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ خاموشی

Uploaded By Nadeem ندیم

سے کھانا کھایا اور اٹھ کر سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ایک ماہ اسی طرح گزر گیا۔

اس عرصے میں شکیل نے شبانہ بیگم پر پوری طرح اپنی شرافت کا سکہ جما لیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اب اس نے گھر کے سیاہ و سفید میں بھی دخل اندازی شروع کر دی تھی۔ صدیق علی خاں کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ ان تمام باتوں کو سوچنے کی کوشش کرتے۔ انہوں نے تو سارا نظام شبانہ بیگم کے سپرد کر دیا تھا۔

لیکن فرزانہ محسوس کر رہی تھی کہ شکیل رفتہ رفتہ پورے ماحول پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ فرزانہ کو ان باتوں سے کوئی سروکار نہ ہوتا اگر شکیل نے اس کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش نہ کی ہوتی۔

شروع شروع میں وہ فرزانہ کے ساتھ بڑے مہذب انداز میں ملتا رہا پھر آہستہ آہستہ بے تکلفی بڑھانے کی کوشش شروع کر دی۔ ایک دو بار اس نے فرزانہ کے نجی معاملات اور اس کی مصروفیات میں بھی دخل انداز ہونے کی جرأت کر ڈالی لیکن فرزانہ نے گربہ کشتن روزِ اول کے مصداق اسے بری طرح جھڑک دیا تھا۔

شکیل کے بارے میں اس کی رائے روزِ اول ہی سے کچھ اچھی نہیں تھی۔ بعد میں اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ شکیل خواہ مخواہ شبانہ بیگم کی موجودگی میں خود کو بڑا لئے دیئے رہتا تھا حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ وہ سگریٹ کا بری طرح دھنی تھا۔ سارا دن اپنے کمرے میں پڑا سگریٹیں پھونکتا رہتا اور الٹے سیدھے قسم کے انگریزی ناول پڑھتا۔ فلمی گیت گنگناتا رہتا لیکن جیسے ہی شبانہ بیگم کو دیکھتا بھیگی بلی بن کر رہ جاتا۔ اس طرح شرما شرما کر اور مہذب بن کر گفتگو کرتا جیسے دنیا کے تختے پر اس سے زیادہ کوئی شریف اور نیک آدمی کبھی نہ گزرا ہو۔

شام ہوتے ہی وہ گھومنے چلا جاتا اور پھر رات گئے واپس لوٹتا اور کھانا کھا کر دوبارہ اپنے کمرے میں چلا جاتا۔ صدیق علی خاں نے دو ایک بار رات کے کھانے پر اس کی غیر حاضری کے بارے میں استفسار بھی کیا لیکن شبانہ بیگم نے یہ کہہ کر ٹال دیا:

"اتنے بڑے شہر میں پہلی بار آیا ہے۔ کہیں گھومنے چلا گیا ہو گا۔"

صدیق علی خاں کو چونکہ بیوی کی خوشنودی درکار تھی اس لئے انہوں نے شکیل کے

بارے میں پوچھنا ہی ختم کر دیا لیکن فرزانہ اندر ہی اندر کڑھتی رہی۔ یہ سوچ کر تو وہ اکثر بری طرح تلملا جاتی تھی کہ اب اسے بی اے میں شکیل کے ساتھ پڑھنا بھی ہو گا۔

شکیل کے سلسلے میں اس کی پالیسی ہمیشہ سے ایک ہی رہی تھی۔ وہ اسے زیادہ منہ لگانے سے پرہیز کرتی لیکن اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی طرح اس سے گفتگو کرنے کا بہانہ تلاش کر لیتا اور اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں شروع کر دیتا۔ فرزانہ یہ سب کچھ کسی نہ کسی طرح برداشت کرتی لیکن ایک بات وہ کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہو سکی اور وہ بات یہ تھی کہ شکیل باتیں کرتے کرتے اچانک اس کے نجی معاملات میں دخیل ہونے کی کوشش بھی شروع کر دیتا۔

آج بھی کچھ ایسا ہی واقع پیش آیا۔

ساگر کے جانے کے بعد وہ اسٹوڈیو میں بیٹھی ایک تصویر کو مکمل کرنے میں حد درجہ منہمک تھی جب شکیل وہاں آ گیا۔ فرزانہ نے اسے دیکھا اور جان بوجھ کر نظرانداز کر گئی۔ اس کا خیال تھا کہ شکیل کچھ دیر انتظار کر کے واپس چلا جائے گا لیکن وہ ڈھیٹ بنا جما کھڑا رہا۔ اس وقت تک وہ برابر اسٹوڈیو میں موجود رہا جب تک فرزانہ نے تصویر مکمل نہیں کر لی۔ اس عرصے میں اس نے کئی سگریٹ پھونک ڈالے تھے۔

"تصویریں تو آپ ماشاء اللہ بہت اچھی بنا لیتی ہیں۔" اس نے فرزانہ کو فریم کے پاس سے ہٹتا دیکھ کر تعریفی انداز میں کہا۔

"جی ہاں! بس شوق پورا کر لیتی ہوں۔" فرزانہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اب آپ کسرِ نفسی سے کام لے رہی ہیں۔ اتنی خوبصورت تصویریں تو میں نے بڑے بڑے فنکاروں کو بھی بناتے نہیں دیکھا۔" شکیل نے جلدی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ سب ساگر صاحب کی محنتوں کا نتیجہ ہے۔"

"درست فرمایا آپ نے، ساگر انکل بہت عظیم فنکار ہیں۔"

"انکل!....." شکیل نے الفاظ چباتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ ساگر صاحب کو انکل کس رشتے سے کہتی ہیں؟"

"دنیا میں صرف خونی ہی رشتے نہیں ہوتے شکیل صاحب! انسانیت اور شرافت نے بھی کچھ رشتے پیدا کئے ہیں۔ میں اسی رشتے سے انہیں انکل کہتی ہوں۔" فرزانہ چبھتے

Uploaded By Nadeem ندیم

ہوئے لہجے میں بولی۔ "ابا حضور بھی ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔"

"کرنی بھی چاہئے۔" شکیل نے کینچلی بدل کر جواب دیا۔ "بزرگوں کی عزت کرنا ہر شریف مرد اور عورت کا فرض ہے۔"

فرزانہ کوئی جواب دینے کے بجائے برش دھونے میں مصروف ہو گئی۔

"یہ آپ کی تصویر کس نے بنائی ہے؟" شکیل نے فرزانہ کی تصویر کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ساگر انکل کے فنکارانہ ہاتھوں کا نتیجہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ انہوں نے اب تک اس سے اچھی کوئی تصویر نہیں بنائی ہو گی۔"

"جی! آپ یہ بات اتنے وثوق کے ساتھ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" فرزانہ نے قدرے خشک لہجے میں پوچھا۔ اسے شکیل کا یہ ریمارک گراں گزرا تھا۔

"خیال ہے میرا۔"

"لیکن میں آپ کے خیال کی تائید نہیں کروں گی۔ اس لئے کہ میرے نزدیک مشاہدہ خیالات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ یہ بات کسی ذاتی مشاہدے کی بنا پر کہہ رہی ہوں لیکن میرے خیال میں تصوراتی خاکوں میں زندگی کا رنگ بھر دینا زیادہ کمال کی بات ہے۔ ایک جیتے جاگتے حسین شاہکار کو کینوس پر منتقل کر دینا کوئی کمال نہیں ہے۔" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔ "بہرحال' کسی شاہکار کی تعریف نہ کرنا بھی میرے نزدیک اخلاقی جرم ہی ہے۔"

شکیل نے جس بھونڈے انداز میں فرزانہ کے منہ پر اس کے حسن کی تعریف کی تھی اسے سن کر فرزانہ تلملا گئی۔ اس نے سوچا اس بیہودگی کے عوض ایک زناٹے دار تھپڑ شکیل کے منہ پر رسید کر دے لیکن پھر ماں کے خیال سے خون کا گھونٹ پی کر چپ ہو گئی۔

"آپ نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔" شکیل ڈھٹائی سے بولا۔

"مجھے یہ جان کر بڑی مسرت ہوئی ہے کہ آپ جرم اور اخلاق کے بارے میں بھی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔" فرزانہ نے بڑے لطیف پیرائے میں چوٹ کی۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی ورنہ بندہ کس قابل ہے۔" شکیل کچھ نہ سمجھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ "جو شخص اخلاق کے معنی بھی نہ جانتا ہو وہ انسان کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔"

"پھر تو آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی انتہائی اشد ضروری ہے۔" فرزانہ نے دوسری چوٹ کی۔

"بڑا خشک ٹاپک شروع کر دیا آپ نے۔" شکیل اکتائے ہوئے انداز میں بولا۔ "میں تو یہاں یہ سوچ کر آیا تھا کہ کچھ دیر بیٹھ کر ہنسی مذاق کیا جائے گا۔"

"اگر آپ ہنسنا چاہتے ہیں تو بڑے شوق سے دل کھول کر ہنسئے! مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے اس بار بھی بڑا معیاری اور بھرپور وار کیا۔

"کیا آپ میرا ساتھ نہیں دیں گی۔" شکیل نے فرزانہ کو معنی خیز نظروں سے گھورا۔

فرزانہ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔

"مسٹر شکیل!" اس نے تیزی سے کہا۔ "مجھے بے وقت کی راگنی بالکل پسند نہیں ہے۔"

"تعجب ہے کہ آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار لڑکی ہو کر بھی وقت کے تابع ہیں' حالانکہ وقت کو انسان کے تابع ہونا چاہئے۔"

"اس نیک مشورے کا شکریہ! لیکن مجھے فلسفے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔"

"اوہ!" شکیل نے جلدی سے پینترا بدل کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ آپ کو غالباً میری کوئی بات ناگوار گزری ہے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اس کا احساس جلدی ہی ہو گیا۔"

"لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ وہ بات کیا ہے جو آپ کی ناگواری کا باعث بن گئی' کیا آپ اس کی وضاحت کرنا پسند نہیں کریں گی؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میں اس بات کی وضاحت نہیں کر سکتی۔"

"پھر..... آپ کی ناراضگی کس طرح دور ہو گی؟"

"آپ کو آخر میری ناراضگی کا اتنا خیال کس لئے ہے؟" فرزانہ تنک کر بولی۔

"ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے دو آدمی ایک دوسرے سے ناراض ہو کر الگ تھلگ

Uploaded By Nadeem ندیم

رہیں' یہ کچھ اچھا نہیں لگتا۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش بھی کریں۔"

"پھر بھی آپ کی ناراضگی اگر برقرار رہی تو ماحول کی اداسی کیسے ختم ہو گی؟"

"مسٹر شکیل!" فرزانہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔ "میں مردوں سے بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتی۔ کیا میں امید رکھوں کہ آپ کو آئندہ اس کا خیال رہے گا؟"

"آپ اس وقت بہت زیادہ خفا معلوم ہوتی ہیں۔ خیر' کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں پھر کسی وقت آپ کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا آپ میرے اتالیق ہیں جو مجھے سمجھائیں گے؟" فرزانہ ہونٹ کاٹتے ہوئے غصیلے انداز میں بولی۔

"میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت غصے میں ہیں اس لئے فی الحال کوئی بات کہنی بے کار ہی ہے۔ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔"

شکیل نے بڑی ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے کہا پھر اٹھ کر اسٹوڈیو سے باہر چلا گیا۔

فرزانہ بہت دیر تک کھڑی جھلاہٹ کے عالم میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔

☆======☆======☆

فرزانہ کا نتیجہ نکلا تو وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی۔ ماں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ آج انہیں رہ رہ کر بیٹی پر پیار آ رہا تھا۔ بار بار اس کی بلائیں لیتیں اور زندگی میں اسے ایسے ہزاروں امتحانات میں کامیابی کی دعائیں دینے لگتیں۔

صدیق علی خاں کو بھی بیٹی کی اس شاندار کامیابی پر کچھ کم خوشی نہیں تھی۔ انہوں نے بڑے محبت بھرے انداز میں فرزانہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر بس اتنا ہی کہا تھا۔ "میرا لائق بیٹا۔"

شکیل نے بھی اسے مبارکباد دینے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا لیکن سب سے قیمتی مبارکباد فرزانہ کو ساگر نے دی تھی۔ وہ حسب معمول خاموش خاموش سا آیا' فرزانہ نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا پھر اسے کامیابی کی اطلاع سنائی۔

ساگر نے شفقت بھری نظروں سے فرزانہ کو دیکھا اور اس کی نگاہوں سے آنسو کے

دو قطرے ابل کر گالوں کی ناہموار سطح پر ڈھلک گئے۔

آنسو کے دو قطرے۔

خون کی دو بوندیں۔

جو دل کی گہرائیوں سے ابھر کر پلکوں کی اوٹ تک آئیں پھر آنسو بن کر ٹپک گئیں۔

اور.....

اس خوشی میں آج قصر شبانہ گنگا جمنی قمقموں سے جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔ پوری عمارت کو دلہن کی طرح سجایا گیا تھا۔ احاطے میں لگے ہوئے درختوں پر بھی بجلی کے ننھے ننھے قمقمے اس طرح جل بجھ رہے تھے جیسے لاتعداد جگنوؤں نے یلغار کر دی ہو۔

برجیس' نگہت' دردانہ' افروز' سیما اور رضیہ سرِ شام ہی آ گئی تھیں اور انہوں نے ملازموں کے ساتھ مل جل کر اس ہال کو سجانا شروع کر دیا جہاں مہمانوں کی ضیافت کا انتظام کیا گیا تھا۔ چھت پر لہریئے دے کر رنگ برنگے کاغذوں کی بیلوں کو بڑی نفاست سے لگایا گیا تھا۔ جا بجا کاغذ کے رنگین گلوب اور غبارے جھومتے نظر آ رہے تھے۔

ایک لمبی میز پر مہمانوں کے لئے دونوں طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر برتنوں کو بڑے سلیقے سے سیٹ کیا گیا تھا۔

شبانہ بیگم پھرکی کی طرح اِدھر سے اُدھر چکراتی پھر رہی تھیں۔ صدیق علی خاں باہر مردانے میں بیٹھے اپنے دوستوں سے گفتگو میں مصروف تھے اور شکیل بار بار اندر باہر کا پھیرا لگانے میں مصروف تھا۔

برجیس کے استفسار پر فرزانہ نے شکیل کی تفصیلی حالت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ یہ بھی بتا دیا کہ اب یہ حضرت دو سال تک اس کے ساتھ کالج میں پڑیں گے۔

"دو چار احمق اگر نہ ہوں تو کالج کی رونق نہیں ہوتی۔"

"انتہائی ڈھیٹ قسم کا آدمی واقع ہوا ہے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔ "ایک دم چکنا گھڑا ہے۔ کسی بات کا اثر ہی نہیں کرتا۔"

"چچی جان کا کیسا سلوک ہے اس کے ساتھ۔"

"بس انہی کا خیال مانع ہے ورنہ اب تک میں ڈیڈی سے کہہ کر ان کا بستر گول کرا چکی ہوتی۔"

Uploaded By Nadeem ندیم

"ایسا ظلم نہ کرنا بیچارے پر۔" برجیس نے مذاق سے کہا۔ "ایسے فرمانبردار قسم کے لوگ تو آج کل عنقا ہو کر رہ گئے ہیں۔ قسمت ہی سے ہاتھ آتے ہیں۔"

"اگر تم کو پسند ہے تو تم اپنے یہاں لے جا کر پال لو۔" فرزانہ بولی اور برجیس اس "پال لو" پر بے اختیار کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

پھر شبانہ بیگم کے آ جانے سے گفتگو طول نہ پکڑ سکی۔

"اے بیٹی! تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں۔ مہمانوں کے آنے کا وقت ہو رہا ہے' جاؤ جلدی سے نہا کر کپڑے تبدیل کر لو۔" شبانہ بیگم نے فرزانہ سے کہا۔

"بس' ابھی تیار ہوئی جاتی ہوں۔" فرزانہ یہ کہتی ہوئی غسل خانے کی طرف چلی گئی اور برجیس شبانہ بیگم کا ہاتھ بٹانے میں مصروف ہو گئی۔

سات بجتے ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ شبانہ بیگم بنفس نفیس زنان خانے میں فرزانہ کی سہیلیوں اور کالج کے لڑکوں کا استقبال کر رہی تھیں۔ انہوں نے آج بھی وہی سنہری پلو والی بنارسی ساڑھی باندھ رکھی تھی جو شکیل کے آنے والے دن باندھی تھی۔

فرزانہ نے ہلکے پیازی رنگ کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا جس پر بادامی رنگ کے ریشمی دھاگوں کا کام بنا ہوا تھا' گلے میں ایک ہلکا ہار تھا اور کانوں میں سفید رنگ کے موتیوں کے ٹاپس نظر آ رہے تھے۔

لباس ہرچند کہ سادہ تھا لیکن فرزانہ کی خوبصورتی پر اس قدر پھب رہا تھا کہ نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ سادگی میں بھی بلا کی پُرکاری موجود تھی۔ برجیس نے تو بالکل بڑی بوڑھیوں کی طرح اس کی چٹا چٹ بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

"جگ جگ جیو میری بچی! دودوں نہاؤ اور پوتوں پھلو۔"

ہم جماعت سہیلیوں کے جھرمٹ سے ایک فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔

"آج کسی نہ کسی پر بجلی بن کر ضرور ٹوٹو گی۔" دردانہ نے رازدارانہ سرگوشی کی اور فرزانہ پھولوں کی نرم ٹہنی کی طرح لچک گئی اس کی دراز پلکیں حیادار آنکھوں پر بار بار جھکی جا رہی تھیں۔ چہرہ گلنار ہوا جا رہا تھا۔

"ارے او فرزانہ کی بچی ذرا ادھر تو دیکھ۔" برجیس فرزانہ کے چٹکی لیتے ہوئے بولی۔

"اس غریب پر تو جیسے سکتا طاری ہو گیا ہے۔ آنکھیں تو دیکھو بیچارے کی' پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں۔"

فرزانہ کے علاوہ دوسری لڑکیوں نے بھی اس سمت میں دیکھا جہاں شکیل سچ مچ مجسمہ حیرت بنا کھڑا فرزانہ کو گھورے جا رہا تھا۔

فرزانہ کٹ کر رہ گئی۔

"یہ کون ہے فرزانہ!" نگہت نے پوچھا۔ "پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔"

"اپنے کالج کا تو نہیں معلوم دیتا۔" رضیہ بولی۔

"کوئی نیا جانور معلوم ہوتا ہے۔" دردانہ نے کہا۔

"مجھے تو یہ بھالو کی نسل کا لگتا ہے۔" سیما نے اظہار خیال کیا۔

"اپنے کالج میں داخلہ لے رہا ہے۔" برجیس نے کہا۔

"سچ۔" دردانہ نگہت اور سیما نے بیک وقت پوچھا۔

"ہاں' لیکن بیچارہ ہے پالتو۔" برجیس نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیا مطلب؟" نگہت نے تعجب سے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ اس کے جملہ حقوق محفوظ ہو چکے ہیں اس لئے تمہاری دال گلنی مشکل ہے۔" دردانہ نے برجستہ کہا اور نگہت اسے گھورتی ہوئی ایک طرف سمٹ گئی۔

شکیل لڑکیوں کو اپنی طرف گھورتا دیکھ کر کچھ دیر تک تو کھڑا رہا پھر انتظامات میں مصروف ہو گیا۔ فرزانہ نے اطمینان کی سانس لی۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے سفید پوش بیروں نے بڑی میز پر کھانا چن دیا۔ ہال میں صرف فرزانہ کے کالج کے لڑکے اور لڑکیوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ بزرگ قسم کے مہمانوں کے لئے بیرونی حصے میں انتظام تھا۔

علیحدہ علیحدہ انتظام کرنے کا مشورہ صدیق علی خاں نے دیا تھا۔ ان کا یہ خیال ٹھیک ہی تھا کہ بزرگوں کو بھی اگر بچوں میں شامل کر دیا گیا تو بچوں کی ساری تفریح کرکری ہو جائے گی۔ شبانہ بیگم نے بھی اس خیال سے تائید کر دی کہ وہ بذات خود بھی بزرگ مردوں کے درمیان نہیں آنا چاہتی تھیں۔

فرزانہ نے کالج کے صرف چیدہ چیدہ اور مخصوص لڑکے اور لڑکیوں کو مدعو کیا تھا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

میز پر بیٹھنے کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ ایک قطار لڑکیوں کی تھی اور اس کے سامنے والی قطار لڑکوں کے لئے وقف تھی۔

شبانہ بیگم ملازموں کے ساتھ ساتھ کھانے والوں کی نگرانی پر مامور تھیں لیکن وہ بھی الگ تھلگ ہی رہیں اس لئے کہ کھانا شروع ہوتے ہی کالج کے ماحول میں تربیت پانے والے لڑکے اور لڑکیوں میں ہنسی مذاق اور فقرے چست کرنے کا مقابلہ شروع ہو گیا تھا۔ دردانہ اور برجیس بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھیں لڑکوں میں سے اختر اور جمال زیادہ بول رہے تھے۔ فرزانہ صرف مسکرانے پر اکتفا کر رہی تھی۔

"کیا بات ہے مس فرزانہ آپ کچھ ہنس بول نہیں رہی ہیں؟" اختر نے فرزانہ کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں آپ لوگوں کی دلچسپ گفتگو سے لطف اندوز ہو رہی ہوں۔" فرزانہ بولی۔

"بالکل جھوٹ۔" دردانہ جو فرزانہ کے برابر بیٹھی تھی' تڑ سے بول پڑی۔ "یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم خاموش رہ کر پلیٹیں صاف کرنے میں لگی ہوئی ہو۔"

"آپ کا ہاتھ کس نے پکڑا ہے؟ آپ بھی پیٹ بھر کر کھایئے۔" اختر نے دردانہ کو مخاطب کیا۔

"پھر بولے آپ۔" برجیس نے دردانہ کا ساتھ دیا اس بار اختر صاحب کے بولنے کی باری تھی۔

"کیا سننا پسند کریں گی آپ؟" اختر نے نوالہ حلق کے نیچے اتارتے ہوئے پوچھا۔

"بہت خوب۔" دردانہ نے جلدی سے کہا۔ "گویا آپ اسے گانے بجانے کی محفل سمجھ کر کچھ سنانے چلے آئے تھے۔"

لڑکیاں کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ جملہ برجستہ تھا اس لئے اختر جھینپ کر رہ گیا لیکن جمال کی زبان بند نہ رہ سکی۔

"جواب نہیں ہے مس دردانہ آپ کا' صرف آپ ہی نے پہچانا اختر کو۔"

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔" اختر کو بولنے کا موقع مل گیا۔

فرزانہ برابر مسکرائے جا رہی تھی پھر اچانک اس نے دزدیدہ نگاہوں سے ندیم کی طرف دیکھا جو چپ چاپ بیٹھا کھانے میں مصروف تھا۔

ندیم کے جسم پر اس وقت بھی کوئی قیمتی سوٹ نہیں تھا۔ وہی پرانا لباس' پتلون اور اس پر ڈھیلی ڈھالی بش شرٹ لیکن اس سادہ لباس میں بھی وہ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ چہرے پر گھمبیر سنجیدگی مسلط تھی۔ گھونگھریالے بالوں کی ایک لٹ اس وقت اس کی کشادہ اور سرخ سفید پیشانی پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

فرزانہ کو آج وہ کچھ زیادہ ہی اچھا لگا۔ خاموش خاموش' سنجیدہ اور بردبار' بھولا بھالا اور نیک طینت۔

گردن جھکائے وہ خاموشی سے کھانے میں مصروف تھا۔ ایک بار بھی تو اس نے اپنے ہم جلیسوں کے مذاق میں حصہ نہیں لیا۔ ایک دفع بھی تو نظر اٹھا کر کسی لڑکی کی طرف نہیں دیکھا۔ بس خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

فرزانہ اس کی شخصیت سے پہلے ہی متاثر تھی لیکن اس وقت ندیم کے کردار نے اس کے ذہن پر اور بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ پہلے وہ یہی سمجھتی تھی کہ محض کالج کے ماحول میں وہ خود کو لئے دیئے رہتا تھا لیکن آج وہ اسے دوستوں کی محفل بھی اسی انداز میں پا رہی تھی۔

کتنا وقار ٹپک رہا تھا اس کے چہرے سے۔ گفتگو میں حصہ نہ لینے کے باوجود وہ فرزانہ کو ایک منفرد شخصیت کا حامل نظر آ رہا تھا۔ ورنہ اس عمر میں تو لڑکے کھل کھیلنے کے موقعوں کی تلاش میں رہتے ہیں مگر ندیم ان میں سے نہیں تھا۔

فرزانہ نہ جانے کیوں ندیم کے تصور میں اس طرح کھو کر رہ گئی کہ اسے وقت اور ماحول کا احساس ہی نہ رہا۔

"کیوں جی' چپکے ہی چپکے۔" دردانہ نے سرگوشی کی اور فرزانہ کسی چھوئی موئی کے معصوم درخت کی طرح اپنے آپ میں سمٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ غلط بات ہے مس دردانہ!" جمال جو دردانہ کے سامنے بیٹھا تھا جلدی سے بولا۔ "بات بہ آواز بلند ہونی چاہئے۔ ہم کیوں محروم رہ جائیں؟"

"بات زنانی تھی جمال صاحب! بہرحال مجھے آپ کی حق تلفی کا ملال ہے۔ کھانا کھانے کے بعد چپکے سے آپ کو بھی بتا دوں گی۔"

لڑکے اس برجستہ چوٹ پر بے اختیار ہنس پڑے۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"کیا بات ہے ندیم صاحب!" اختر جو فرزانہ کو دزدیدہ نظروں سے ندیم کی طرف دیکھتے ہوئے چیک کر چکا تھا معنی خیز انداز میں بولا۔ "آپ تو طعام کے معاملے میں بھی بے حد سنجیدہ نظر آ رہے ہیں"

"جی...... " ندیم نے پلٹ کر اختر کو دیکھا پھر مسکرا کر رہ گیا۔

"کھانے دو یار اختر! پڑوسیوں کا زیادہ حق ہوتا ہے۔" جمال نے فقرہ چست کیا۔

"ہڈیوں کا انبار آپ کے سامنے بھی کم نہیں ہے۔" برجیس بولی۔

"اپنی اپنی پسند ہے' تمہیں کیا؟" دردانہ نے تیزی سے کہا۔

"قسمت کی بات کہئے مس دردانہ!" جمال نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی برجیس کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے سامنے اگر ہڈیاں آ گئی ہیں تو مجبوراً اسی پر گزارا کر لوں گا۔"

"تم بھی کچھ بولو نا فرزانہ!" نگہت نے کہا۔

"بہت دیر میں خیال آیا آپ کو اس بات کا۔" ندیم نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اسی بہانے آپ بھی تو کچھ بولے۔" اختر نے جلدی سے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

نگہت پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس نے اختر کو شکایتی نگاہوں سے دیکھا اور کھانے میں مصروف ہو گئی۔

ندیم نے نظر اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا اور جلدی سے نگاہیں جھکا لیں اور فرزانہ نگاہوں کے اس حسین تصادم سے نہ جانے کیوں گھبرا گئی۔

"گھبراؤ نہیں' میں نے کچھ نہیں دیکھا۔" دردانہ نے نیچے سے فرزانہ کو گھٹنا مارتے ہوئے چپکے سے کہا۔ لہجے میں شوخی تھی۔

"پلیز مس دردانہ!" اس بار اختر نے احتجاج کیا۔ "دوستوں کی محفل میں کھسر پھسر کرنا ایٹی کیٹ کے خلاف ہے۔"

"ہمیں بھی تو پتہ چلے' آخر بات کیا ہے؟" جمال بولا۔

"سوری! بات کے جملہ حقوق چونکہ محفوظ ہیں اس لئے میں اسے بتانے سے قاصر ہوں ویسے اگر فرزانہ اجازت دے دے تو میں بتا بھی سکتی ہوں۔"

فرزانہ نے سہم کر دردانہ کو دیکھا پھر جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی۔ "آپ بھی کس چڑیل کی باتوں میں آ رہے ہیں جمال صاحب! یہ تو محض آپ لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے الجھا رہی ہے۔"

"لینگویج پلیز!" دردانہ بڑی بے باکی سے بولی۔ "میں چونکہ آل ریڈی الجھ چکی ہوں اس لئے اب کسی اور کو الجھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

دردانہ کی بے باکی پر سب ہی ہنس پڑے تھے۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا پھر تحفے تحائف کی باری آ گئی۔ اختر نے فرزانہ کو سب سے پہلے گولڈن کلر کی لیڈیز رسٹ واچ پیش کی۔ جمال نے پارکر پن کا سیٹ دیا۔ راشد نے ایک قیمتی ساڑھی کا تحفہ دیا۔ نگہت نے چائنا بروکیڈ کا سوٹ پیس پیش کیا۔ برجیس اس کے لئے کانوں کے طلائی آویزے لائی تھی۔ سیما اور رضیہ نے ٹی سیٹ دیا اس کے بعد دردانہ آگے بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا چوڑا پیکٹ تھا لیکن سب کے اصرار پر جب پیکٹ کھلا تو اس میں سے ایک خوبصورت پلاسٹک کا ببوا برآمد ہوا۔ سب ہی اس تحفے پر دل کھول کر ہنسے لیکن دردانہ بدستور سنجیدہ بنی رہی۔

فرزانہ بڑے دل آویز انداز میں گردن کو خم دے دے کر اور مسکرا مسکرا کر تحفے وصول کرتی رہی۔ ایک دو بار اس نے کنکھیوں سے ندیم کو بھی دیکھا جو الگ تھلگ کھڑا کچھ کھویا کھویا سا نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے ندیم صاحب؟" اختر نے بھی غالباً ندیم کی کیفیت کو بھانپ لیا۔ "آپ اس قدر دور دور کیوں ہیں؟"

جواب میں ندیم اس طرح چونکا جیسے اس کے خیالات کا شیرازہ اچانک بکھر کر رہ گیا ہو۔ اس کے مخروطی ہونٹوں پر پھیکا سا تبسم ابھرا پھر وہ بھی قدم بڑھاتا ہوا جمال اور اختر وغیرہ کے قریب آ گیا۔

"آپ نے مس فرزانہ کو کوئی تحفہ نہیں دیا۔" جمال نے ندیم سے پوچھا۔ "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ پہلے ہی نمبر مار لیا۔"

"جی نہیں۔" ندیم نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میں یہی سوچ رہا تھا کہ فرزانہ صاحبہ کو کیا تحفہ کیا جائے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"کیا مطلب؟" راشد نے پوچھا۔ "کیا بہت سارے تحفے ساتھ لائے ہیں؟"

"ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ تحفے کے بجائے کھانے کا بل پیش کر دیں۔" مختار نے کہا۔

فرزانہ نے دیکھا کہ مختار کی بات پر ندیم کے چہرے پر ایک رنگ آ کر تیزی سے گزر گیا۔ اس کی خوبصورت اور بڑی بڑی آنکھوں میں بس ایک لمحے کے لئے کچھ عجیب چمک پیدا ہوئی پھر غائب ہو گئی۔

"میرے پاس خلوص کی قیمت ادا کرنے کے لئے اتنی رقم نہیں ہے مسٹر مختار! جو دے سکوں۔" ندیم نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا پھر اس نے جیب سے ایک مختصر سا پیکٹ نکالا اور اسے آگے بڑھ کر فرزانہ کو دیتے ہوئے کہا۔

"قیمتی نہ سہی لیکن پھر بھی امید ہے کہ آپ اسے ایک غریب کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لیں گی۔" ندیم کی لرزتی ہوئی آواز سن کر نہ جانے کیوں فرزانہ کو دکھ ہوا تھا۔

اس نے بڑی آہستگی سے پیکٹ کھولا جس میں انگلش سینٹ کی ایک خوبصورت سی شیشی موجود تھی۔

"اس تحفے کی مہک ہمیشہ برقرار رہے گی ندیم صاحب!" فرزانہ نے اس کا دل رکھنے کی خاطر کہا۔ "بہت بہت شکریہ!"

"ارے فرزانہ! وہ تمہارا پالتو جانور نہیں نظر آ رہا ہے۔" برجیس نے ماحول کو خوشگوار بنانے کی خاطر کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ پٹہ تڑا کر بھاگ گیا ہو۔"

ٹھیک اسی وقت شکیل ہال میں داخل ہوا اور دردانہ نے جلدی سے کہا۔

"لو' شیطان کے لئے سوچا اور وہ حاضر ہے۔"

لڑکیاں قہقہہ مار کر ہنس پڑیں۔ شکیل نے فرزانہ سے کہا کہ اسے باہر یاد کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ فرزانہ سہیلیوں سے رخصت لے کر باہر آ گئی جہاں صدیق علی خاں اپنے دوست احباب اور واقف کاروں کے ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

فرزانہ کے آتے ہی محفل پر خموشی طاری ہو گئی۔ بزرگوں نے اسے دعائیں دیں۔ پھر یہاں بھی مبارکباد کے بعد تحفوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بیش قیمت اور ایک سے ایک قیمتی اور اعلیٰ تحفے سب سے آخر میں ساگر آگے بڑھا تھا۔ اس نے ایک سنہری پیکٹ کھول

کر نہایت بھڑکدار اور جھلملاتا ہوا سنہری روپہلی پنیوں کا ہار نکال کر فرزانہ کے گلے میں ڈالا پھر ایک سادہ لفافہ نکال کر فرزانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"اس میں ایک حقیر سی رقم کا چیک موجود ہے بیٹی! تم اسے کیش کرا کے خود اپنی پسند کی کوئی اچھی سی چیز لے لینا۔" اور پھر اس نے بڑی شفقت سے فرزانہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تھا۔

"خدا کرے تم زندگی کے کسی امتحان میں ناکام نہ ہو! سدا خوش رہو! پھولو پھلو اور اور آباد رہو۔" اور یہ کہتے ہوئے بھی ساگر کی بے نور آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔

فرزانہ نے لفافہ کھول کر چیک پر نظر ڈالی اور پھر ہکا بکا رہ گئی۔ ساگر نے جس رقم کو حقیر کہا تھا وہ پانچ ہزار کے ایک چیک کی صورت میں فرزانہ کے ہاتھ میں لرز رہی تھی۔ اسے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ ساگر اتنی کثیر رقم دے دے گا۔

چند ثانئے تک وہ چیک کو گھورتی رہی پھر اس کی آنکھیں احساسِ تشکر سے بھر آئیں۔ اس نے بھیگی بھیگی پلکوں کو اٹھایا۔ عقیدتمندانہ نظروں سے ساگر کو دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔

ساگر کا تحفہ آج بھی سب سے قیمتی ثابت ہوا تھا۔

☆======☆======☆

ندیم جب قصر شبانہ سے باہر نکلا تو بے حد مضمحل اور اداس نظر آ رہا تھا۔ تھکے تھکے اور بوجھل انداز میں قدم اٹھاتا ہوا وہ ملحقہ کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہوا تھا پھر اپنے کمرے میں جا کر خود کو بستر پر گرا دیا۔ بتی روشن کرنے کی ضرورت بھی نہیں محسوس کی تھی اس نے۔

آج اسے اپنی کم مائیگی کا بڑی شدت سے احساس ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے۔ اتنے آنسو بہائے کہ فطرت کی رنگینیاں اس میں غرق ہو کر رہ جائیں۔ دنیا کے ہنگامے تنکے کی طرح اس کے آنسوؤں میں بہہ جائیں۔ کوئی ایسا وجود باقی نہ رہے جو اس کا مذاق اڑا سکے۔

"مذاق....." اس کے ہونٹ کپکپا کر رہ گئے ذہن میں مختار کے کہے ہوئے جملے ابھر آئے۔ "میرا خیال ہے کہ آپ تحفے کے بجائے کھانے کا بل پیش کر دیں۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

اور مختار کے اس جملے کے ابھرتے ہی اس کی روح تڑپ اٹھی' بلک اٹھی' سسک اٹھی' اس کے ہونٹوں سے ایک سرد آہ نکلی اور کمرے پر چھائی ہوئی مہیب تاریکی اور اندھیرے میں گم ہو کر رہ گئی۔

اندھیرا..... جو اس کی زندگی کا ایک جزو بن کر رہ گیا تھا۔

اندھیرا..... جو اس کی زندگی پر کل بھی طاری تھا اور آج بھی۔

اندھیرا..... جو اس کی تنہائیوں کا واحد ساتھی تھا۔

اور اسی اندھیرے کا سینہ چیرتی ہوئی نور کی ایک کرن پھوٹی اور اس کے وجود پر شبنمی بادلوں کی طرح چھا گئی اور.....

یہ نور کی کرن۔

فرزانہ تھی۔

اس کی کلاس فیلو۔

اس کی پڑوسن۔

محض ایک دیوار ہی تو حدِ فاصل تھی لیکن وہ آج تک اس دیوار کو ڈھا دینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اس چکور کی طرح بے بس ہو کر رہ گیا جو چاند پر پہنچنے کی موہوم سی تمنا کو سینے سے لگائے اونچا اڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن پھر تھک ہار کر واپس اپنے مقام پر لوٹ آتا ہے۔

ندیم نے فرزانہ کو جب پہلی بار کالج کے کھلے ماحول میں ایک آزاد پنچھی کی طرح چہکتے دیکھا تو وہ اسے بہت اچھی لگی تھی۔ دوسری بار جب اس نے فرزانہ کو غور سے دیکھا تو اسے یوں لگا تھا جیسے:

وہ فرزانہ کو بہت عرصے سے جانتا ہو۔

جیسے فرزانہ اس کے خوابوں کی حسین تعبیر رہی ہو۔

خواب.....!

حسین اور دلکش خواب جو فرزانہ کی شکل میں تعبیر بن کر اس کی نگاہوں کے سامنے آ گئی تھی۔ معصوم اور بھولی بھالی خوبصورت سی تعبیر۔

لیکن وہ قریب رہ کر بھی ندیم کی اپنی دنیا سے بہت دور تھیں!

اس کی اپنی دنیا.....

جس میں غربت' افلاس اور تنگدستی کے سوا کچھ اور نہ تھا۔

وہ صرف پانچ سال کا تھا جب باپ کا سایہ اس کے سر سے اٹھ گیا۔ ماں نے محض اس لئے آنسوؤں کو بہنے سے روک لیا کہ اس کا اثر معصوم بچے پر پڑے گا۔ وہ اس خلا کو پُر تو نہ کر سکی جو قدرت کی ستم ظریفیوں نے پیدا کر دیا تھا لیکن اس نے ندیم کو بھی اس بات کا احساس کبھی نہ ہونے دیا کہ وہ یتیم ہے۔

وہ ندیم کو ایک بڑا آدمی بنانے کے خواب دیکھ رہی تھی اور اس خواب کی تکمیل کے لئے ہی تو اس نے بیوگی کا غم ہنستے کھیلتے برداشت کر لیا۔ اپنی جوانی کو روند ڈالا۔ اپنے احساسات کو کچل ڈالا بس ایک ہی خواہش تھی اس کی۔

ندیم بڑا آدمی بن جائے۔

اور ندیم کو بڑا آدمی بنانے کے لئے اس نے کیا کیا جتن نہیں کئے۔ سہاگ کی نشانیاں ایک ایک کر کے کوڑیوں کے مول بکتی رہیں۔ باپ کی چھوڑی ہوئی رقم رفتہ رفتہ خرچ ہو گئی پھر ایک دن وہ حویلی بھی بک گئی جو اس کے شوہر کی آخری یادگار تھی۔

اس دن ندیم نے پہلی بار ماں کی آنکھوں میں صرف نمی دیکھی تھی۔ شاید ماں کو حویلی بکنے کا بڑی شدت سے غم ہوا تھا لیکن ندیم کی خاطر وہ اس غم کو بھی جھیل گئی۔ ایک مختصر سا مکان کرایہ پر لے کر وہ گمنام زندگی بسر کرنے لگی۔ وہ خود پھٹے پرانے کپڑے پہن کر گزر کر لیتی لیکن ندیم کو ہمیشہ اچھی غذا کھلاتی ہے۔

ندیم نے سترہ سال کی عمر میں میٹرک کا امتحان اعزازی نمبروں سے پاس کیا اور پھر جب وہ نتیجے والے روز خوشی خوشی اخبار ہاتھوں میں دبائے گھر میں دوڑتا ہوا داخل ہوا اور ماں کے سینے سے لپٹ کر اس کو اپنی کامیابی کے بارے میں بتایا تو پہلی بار اس نے ماں کو روتے دیکھا تھا۔

لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے۔

ماں کی آنکھوں سے ٹپکے ہوئے انمول موتی۔

"ان آنسوؤں کو اب پونچھ ڈالو ماں!" ندیم نے اس روز پہلی بار بڑے فخر سے کہا تھا۔ "اب حکومت میرے تعلیمی اخراجات اٹھائے گی۔ ہاں ماں! مجھے وظیفہ مل جائے گا اور

Uploaded By Nadeem
ندیم

پھر میں ملازمت بھی کر لوں گا اور....."

اور ندیم اس کے آگے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ ملازمت کا نام سن کر ماں کے چہرے پر مسکراتی ہوئی خوشیاں ایک دم معدوم ہو گئی تھیں اور اچانک وہ بے انتہا سنجیدہ اور رنجیدہ نظر آنے لگی پھر اس نے کہا تھا۔

"ندیم! جب تک میں زندہ ہوں تمہیں ملازمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم صرف پڑھائی میں دل لگاؤ ..... خدا کا شکر ہے اور احسان ہے کہ تم نے اپنی پڑھائی کے اخراجات کا بار اپنے کاندھوں پر اٹھالیا۔ رہا گھر کے اخراجات کا سوال تو وہ کسی نہ کسی طرح چلتا رہے گا۔ تم صرف دل لگا کر پڑھو میرے بیٹے! ..... میں چاہتی ہوں کہ تم پڑھ لکھ کر بہت بڑے آدمی بن جاؤ۔"

کتنا ارمان تھا ماں کو اس کے بڑے آدمی بن جانے کا۔

لیکن اس کا یہ ارمان پورا نہ ہو سکا۔ ابھی گرمیوں کی چھٹیاں ختم بھی نہ ہوئی تھیں کہ قدرت کی آندھی نے اس چراغ کو بھی گل کر دیا جس کی روشنی کی ندیم کو ابھی ضرورت تھی۔

ندیم ماں کی موت پر دھاڑیں مار مار کر رویا' تڑپا' بلکا لیکن اس کے آنسو خشک کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ کوئی اس کی تڑپ کا تماشہ بھی نہ دیکھ سکا۔ اس کے بلکنے کی آواز بھی گھر کی چار دیواری میں گھٹ گھٹ کر رہ گئی۔

اب وہ تنہا تھا.....

زندگی کی طویل راہوں پر اب اسے تنہا سفر کرنا تھا۔ اس کا کوئی ساتھی نہیں تھا' کوئی مونس نہیں تھا' کوئی غم خوار نہیں تھا' ممتا کی روشنی گل ہوتے ہی اس کی زندگی میں اندھیرا پھیل گیا۔

خوفناک .....

بھیانک ..... اور

مہیب اندھیرا.....

اور رفتہ رفتہ وہ اس اندھیرے کا عادی ہوتا چلا گیا۔

ماں کی موت کے بعد وہ چار پانچ ماہ تک اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا پھر ایک روز اس کی

ملاقات اچانک ڈاکٹر رشید الزماں سے بڑے عجیب انداز میں ہو گئی۔ اس روز وہ دو روز کے فاقوں سے تھک ہار کر اور نڈھال ہو کر ان کے عالیشان مطب کی سیڑھیوں پر سو گیا تھا۔ جب صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس نے رشید الزماں کو اپنے قریب کھڑا پایا۔

ندیم نے حیرت اور ندامت بھری نگاہوں سے رشید الزماں کو دیکھا اور پھر سر جھکا کر آگے بڑھ جانا چاہا لیکن قدرت کو اب شاید اس کی بے بسی اور بیچارگی پر رحم آ گیا تھا۔ رشید الزماں کی دور رس نظروں نے اس کے اندر چھپے ہوئے انسان کو دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے بڑی شفقت اور محبت سے اسے روکا۔ اس کے حالات معلوم کئے اور پھر اپنے گھر لے آئے۔

رشید الزماں کی شادی کو چودہ سال گزر چکے تھے لیکن ابھی تک ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ انہوں نے ندیم کو اولاد ہی کی طرح ہاتھوں ہاتھ لینے کی کوشش کی لیکن ان کی بیگم جو کسی بڑے خاندان کی تھیں ایک لاوارث کو اپنی ممتا کا حصہ دار بنانے کو تیار نہ ہو سکیں۔ انہوں نے رشید الزماں کی خواہش پر ندیم کو مہمان خانے والے حصے میں ایک کمرہ رہنے کو دے دیا اور اب یہی اس کی مختصر سی کائنات تھی۔

ایسی کائنات جس میں محبت بھی تھی اور نفرت بھی لیکن وہ مطمئن تھا۔ سر چھپانے کا ایک ٹھکانہ تو مل گیا تھا۔ اس نے حالات سے سمجھوتا کرنے کی ٹھان لی۔

ماں کی موت کی وجہ سے وہ اس سال داخلہ نہ لے سکا لیکن اگلے سال رشید الزماں کے اصرار پر وہ کالج میں داخل ہو گیا اور اسی کالج میں فرزانہ روشنی کی ایک کرن بن کر اس کے اندھیرے میں پھوٹی تھی۔

وہ فرزانہ کو دور دور سے دیکھتا اور دل میں ایک نامعلوم سی خلش محسوس کر کے اداس ہو جاتا۔ بارہا فرزانہ اور اس کا ٹکراؤ بھی ہوا۔ کبھی کلاس روم میں وہ اچانک اس کے سامنے آ جاتی۔ کبھی سرِراہ وہ ایک دوسرے کے قریب آ جاتے اور کبھی کبھی تو وہ چپکے سے دبے قدموں اس کے خوابوں میں بھی اس کے سامنے آ جاتی تھی لیکن ندیم ہر بار کترا کر نکل جاتا۔ آنکھیں جھکا کر دوسری راہ اختیار کر لیتا لیکن فرزانہ کا تصور ہر ہر موڑ پر خوشبو کے ایک معطر جھونکے کی طرح اس کا تعاقب کرتا رہا اور پھر فرزانہ اس کے دل و دماغ پر چھاتی چلی گئی۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

دو سال اسی طرح بیت گئے لیکن ندیم نے فرزانہ کے قریب جانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ وہ جانتا تھا کہ امیری اور غریبی کا ملاپ ناممکن ہے۔ وہ سمجھتا تھا کہ اندھیرے اور اجالے کبھی ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔ دن اور رات کا جوڑ ہی کیا۔

انہی خیالات کی بنا پر اس نے متعدد بار فرزانہ کے تصور کو اپنے ذہن سے جھٹک دینے کی کوشش کی۔ اس کی یاد کو دل کی گہرائیوں سے نکال دینا چاہا لیکن جتنا وہ اس خیال سے کنارہ کش ہونے کی کوشش کرتا اتنا ہی اور الجھتا جاتا اور.....

اور آج جب فرزانہ نے بہ نفس نفیس اسے اپنی کامیابی کے جشن میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی تو وہ حرفِ انکار زبان تک نہ لا سکا۔ وہ جانتا تھا کہ اس قسم کی پارٹیوں میں خوشیوں کا اظہار روح کی گہرائیوں سے نہیں بلکہ قیمتی تحفوں سے کیا جاتا ہے۔

فرزانہ کی ایک ادنیٰ سی خواہش نے اسے ایک بڑی الجھن میں مبتلا کر دیا۔ تمام دن وہ بڑی سنجیدگی سے سوچتا رہا کہ فرزانہ کو کیا تحفہ دے۔ ایک دو بار تو اس نے سوچا بھی کہ رشید الزماں سے کچھ روپے مانگ لے۔ رشید الزماں اس پر مہربان تھے وہ کبھی انکار نہ کرتے لیکن پھر خودداری کے احساسات نے دستِ سوال کو رشید الزماں کے سامنے بڑھنے سے روک لیا۔

جیسے جیسے پارٹی کا وقت قریب آتا گیا ندیم کی پریشانی بڑھتی گئی۔

اس نے یہ بھی سوچا کہ پارٹی میں شرکت نہ کرے' دوسری کسی ملاقات پر وہ فرزانہ سے کوئی بہانہ بھی کر سکتا تھا لیکن دل نے اس مشورے کو قبول نہ کیا۔ پھر اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں فرزانہ اس کے اس ردعمل کا کوئی غلط اثر نہ لے بیٹھے۔

بڑی دیر تک وہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہا پھر اچانک ایک حل اس کے ذہن میں آ گیا۔ اس نے بازار جا کر وہ گھڑی بیچ دی جو ماں نے میٹرک کے امتحان میں کامیابی کے وقت اسے سستے داموں خرید دی تھی۔ اسے گھڑی کی ضرورت بھی کیا تھی۔ وقت کے تقاضوں نے تو اس کی ذات کو بذات خود ایک گھڑی کی شکل دے دی تھی جو ہر وقت چلتے رہنے پر مجبور تھی۔

گھڑی بیچ کر اس نے فرزانہ کے لئے سینٹ کا تحفہ خرید لیا۔ پھر یہ بھی اتفاق تھا کہ اسے فرزانہ کے سامنے ہی کرسی بھی مل گئی اور ایک لمحے کے لئے وہ خوشی سے سرشار ہو

گیا۔ اس حسین اتفاق پر جھوم جھوم اٹھا۔ قدرت نے خود بخود اسے فرزانہ کے بالمقابل کر دیا تھا۔

لیکن.....

مختار کے جملوں نے ایک بار پھر اسے اس کی حیثیت کا احساس دلا دیا۔ اس نے وہ جملہ مذاقاً ہی کہا تھا لیکن وہ مذاق بھی ندیم کے لئے ایک تلخ حقیقت سے کم نہیں تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اپنا حقیر تحفہ فرزانہ کو دیا پھر اس کے جواب نے ندیم کو ایک نئی زندگی بخش دی۔ فرزانہ نے کہا تھا۔

"اس تحفے کی مہک ہمیشہ برقرار رہے گی۔"

فرزانہ کے اس جواب پر وہ نہ جانے کتنی دیر تک خوابوں کی حسین وادیوں میں بھٹکتا رہا پھر جب خواب ٹوٹے تو اس کے دل نے کہا۔

"کہیں فرزانہ نے بھی تیرے ساتھ مذاق نہ کیا ہو۔"

اور اس خیال نے اس کی وقتی خوشیوں کو ایک بار پھر اداسیوں سے ہمکنار کر دیا۔ تھکے تھکے اور بوجھل قدموں سے وہ پارٹی سے واپس لوٹا پھر اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے خود کو بستر پر گرا دیا اور مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔ الجھے الجھے خیالات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگے۔

مستقبل کے بارے میں.....

مستقبل.....

جو روشن بھی ہو سکتا ہے ..... اور

تاریک بھی.....

آج اسے اپنی کم مائیگی کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ اپنی بیچارگی پر اتنے آنسو بہائے کہ فطرت کی رنگینیاں اس میں غرق ہو کر رہ جائیں۔ دنیا کے ہنگامے تنکے کی طرح اس کے آنسوؤں میں بہہ جائیں ..... اور صرف فرزانہ کی یاد باقی رہے.....

فرزانہ ..... جو اس کی تاریک زندگی میں نور کی کرن بن کر پھوٹی تھی۔

فرزانہ ..... جو اس کے بہکے بہکے خیالات کا مرکز بن چکی تھی۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

فرزانہ ..... جسے وہ اپنے دل کے مندر میں ایک مقدس مورتی کی طرح سجائے دو سال سے چپ چاپ اس کی پوجا کر رہا تھا۔

اور ٹھیک اسی وقت جب ندیم اپنے تاریک کمرے میں خیالات کے تانوں بانوں میں الجھ رہا تھا فرزانہ اپنی خوابگاہ میں بیٹھی سوچ رہی تھی۔

ندیم نے اسے تحفہ دیتے وقت اپنے آپ کو غریب کیوں کہا تھا؟ کیا وہ حقیقتاً غریب تھا ..... یا اپنی غربت کی جھوٹی کہانی سنا کر وہ اس کی ہمدردی حاصل کرنے کا خواہاں تھا.....

لیکن مختار کے جملے پر اسے یقیناً کوئی اذیت ناک احساس ہوا تھا۔

اس کے چہرے پر بڑی تیزی سے ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن پھر اچانک اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔

وہ کون سا جذبہ تھا جس نے ندیم کی قوت گویائی کو سلب کر لیا؟

وہ راز کیا تھا جس نے اس کے ہونٹ سی دیئے تھے؟

وہ اتنا چپ چاپ اور خاموش کیوں رہتا ہے؟

کیا اس کے دل میں ہنسنے بولنے کی خواہش کبھی نہیں ابھرتی ہو گی؟

ڈاکٹر رشید الزماں جیسے صاحب حیثیت اور فیاض انسان کا قریبی عزیزدار ہونے کے باوجود وہ اتنی سادہ زندگی گزارنے کا عادی کیوں ہے؟

"کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔" فرزانہ نے سوچا پھر آپ ہی آپ مسکرا دی۔

اور مسکراتی ہوئی اپنے بستر پر گر گئی۔

ایک بھرپور اور معنی خیز مسکراہٹ۔

جس کے سینکڑوں مطلب نکالے جا سکتے تھے!

☆======☆======☆

کالج کھلا تو پرانی گہما گہمی اور رونقیں نئے سرے سے واپس لوٹ آئیں۔

پرانی سہیلیاں ملیں اور سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔ ان میں کچھ نئی لڑکیوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ لڑکوں کی بھی اچھی خاصی تعداد بڑھ گئی تھی۔

فرزانہ کی مصروفیات میں بھی اضافہ ہو گیا۔ صبح سے دوپہر تک وہ کالج کے ہنگاموں

میں مصروف رہتی۔ دوپہر میں تھوڑا سا آرام کرتی پھر شام کو ساگر آ جاتا تو مصوری کی تعلیم میں الجھ جاتی اور اس کے بعد رات میں دو گھنٹے اپنی اسٹڈی کرتی۔

اگر اسے کوئی الجھن تھی تو وہ شکیل کی ذاتِ واحد سے تھی۔ فرزانہ کے پاس چونکہ گاڑی تھی اس لئے شکیل کو ساتھ لے جانے اور لانے کی ذمہ داری بھی اسی کے سپرد تھی۔ نتیجے کے بعد سے شکیل کچھ سنجیدہ رہنے لگا تھا لیکن کالج کھلتے ہی اس نے کل پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔

کالج میں اس کے نت نئے دوستوں کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ بات اگر صرف یہیں تک ہوتی تو فرزانہ کو کوئی سروکار نہ ہوتا لیکن شکیل نے جس گروہ کو اپنایا تھا اس میں بیشتر تعداد ایسے طلبا کی تھی جو پڑھائی میں کم اور ہنگاموں میں زیادہ پیش پیش رہنے کے عادی تھے۔ جنہیں آئے دن نئی نئی شرارتوں کی سوجھتی تھی۔

طلبا کا یہ گروہ ندیم کے لئے عذاب جان بن کر رہ گیا تھا۔ وہ جہاں بھی اسے دیکھتے اس پر فقرے بازی شروع کر دیتے۔ ندیم کی سادگی اور سادہ لوحی ان کے لئے تفریح کا سامان بن کر رہ گئی تھی۔

فرزانہ کو اس گروہ سے شدید نفرت تھی۔

آج بھی کچھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا جس نے فرزانہ کی طبیعت کو بری طرح مکدر کر دیا۔ ہسٹری کا پیریڈ خالی تھا اس لئے لڑکے اور لڑکیاں لان پر آ گئے۔ ندیم حسب عادت سب سے الگ تھلگ ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھا اپنی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھا جب لڑکوں کا وہی گروہ اِدھر اُدھر منڈلاتا ہوا اس کے قریب آ گیا' شکیل بھی ان میں شامل تھا۔

"یار دیکھنا شاہد! وہ رہا کرم کتب۔" محمود نے ندیم کی طرف اشارہ کیا۔

"مولانا پڑھائی میں مصروف ہیں۔" شاہد بولا۔

"پکا فراڈ ہے' لڑکیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔" دوسرے لڑکے نے کہا۔

"شادی شدہ معلوم ہوتا ہے بے چارہ۔" زاہد نے طنز کیا۔ "گھر پر شاید بیگم صاحبہ کے نخروں سے اتنی فرصت نہ ملتی ہو گی کہ مطالعہ کر سکے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"مگر یار! صورت شکل سے تو بھگت سورداس لگتا ہے۔" شاہد نے کہا۔ "میں نے تو اسے آج تک ہنستے بولتے نہیں دیکھا۔"

"کسی ٹریجڈی کا شکار معلوم ہوتا ہے۔" زاہد نے رائے زنی کی۔

"غلط بالکل غلط ..... ایسے گم صم قسم کے افراد اندر سے وہ نہیں ہوتے جو باہر سے معلوم ہوتے ہیں۔"

"کچھوے کی نسل کا کوئی جانور لگتا ہے۔" سلیم بولا۔

اور لڑکوں کے اس جھنڈ میں بے ہنگم قہقہے گونج اٹھے۔ فرزانہ' دردانہ اور برجیس کے ساتھ قریب ہی بنچ پر بیٹھی اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ لڑکوں کا گروہ ندیم پر طرح طرح کی پھبتیاں کس رہا تھا لیکن وہ چپ چاپ بیٹھا کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔

شاید اس نے لڑکوں کی آوازیں نہیں سنی تھیں۔

یہ بھی ممکن تھا کہ وہ جان بوجھ کر انہیں نظرانداز کر رہا ہو۔

"یار یہ تو بہت ڈھیٹ معلوم ہوتا ہے۔" محمود نے شاہد کو ٹھونگا مارتے ہوئے کہا۔ "ایسا گم صم بیٹھا ہے جیسے بہرہ ہو۔"

"کیا خیال ہے کوئی ایکٹی ویٹی کیوں نہ کی جائے؟" ریاض نے کہا۔

"مثلاً....." زاہد نے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ اسے بھی اپنے گروہ میں شامل کر لیا جائے۔ اچھی خاصی تفریح ہاتھ آ جائے گی۔"

"نہیں' انتہائی بور قسم کا آدمی ہے۔"

"ڈیوٹ ہے ..... ڈیوٹ۔"

"اوور ہالنگ کے بغیر اس کا سدھرنا مشکل ہے۔"

"پھر کیوں نہ اسے کسی گیراج میں سروسنگ کے لئے دے دیا جائے۔"

"سوچ لو ایسا نہ ہو کہ پیسے بھی مفت میں ضائع جائیں۔"

"بہت گہرے ہیں یہ حضرت داغ۔" شکیل نے کہا۔ "لڑکیوں کو تحفہ دینے کے معاملے میں بہت زیادہ ذہین ہیں۔"

"اچھا.....!" دو تین لڑکے شکیل کی طرف پلٹ پڑے۔ "تمہیں کیسے معلوم ہو

گیا۔"

"بس ہو گیا معلوم۔"

"یار کچھ ہمیں بھی تو معلوم ہو کہ قصہ کیا ہے؟"

"ابھی نہیں' پھر کسی وقت تفصیل سے بتاؤں گا۔" شکیل نے کنکھیوں سے فرزانہ کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

فرزانہ اندر ہی اندر جھلس کر رہ گئی لیکن دردانہ چپ نہ رہ سکی۔

"سن رہی ہو فرزانہ! تمہارا یہ مٹھو تو اب اچھا خاصا بولنے لگا ہے۔"

"میں آج ہی ابا حضور سے اس کی شکایت کروں گی۔ بہت زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔"

"فائدہ کیا ہو گا' ندیم صاحب کی طرح تم کو بھی تختۂ مشق بننا پڑے گا۔" دردانہ بولی۔

"ہمیں تو اس کے لئے کوئی خوبصورت سا پنجرہ تلاش کرنا پڑے گا۔"

"ایک طریقہ ہے میرے ذہن میں۔" برجیس نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"کیوں نہ میں اسے گھاس ڈالنا شروع کر دوں۔"

"فائن آئیڈیا۔" دردانہ جلدی سے بولی۔ "اگر میں انگیج نہ ہو گئی ہوتی تو کچھ دنوں تک اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر ساتھ ساتھ نچائے پھرتی۔"

"اب بھی کیا فرق پڑتا ہے۔" برجیس مسکرائی۔ "کون سا تم کو اس کے ساتھ رشتہ جوڑنا ہے' کچھ دنوں تک تفریح لینے کے بعد آزاد کر دینا۔"

"نا بابا!" دردانہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔ "اگر کہیں یہ اطلاع میرے ہونے والے سسرال تک پہنچ گئی تو اچھا خاصا چانس مارا جائے گا۔ تم ہی ڈالو کانٹا۔"

فرزانہ' سہیلیوں کی گفتگو سے لطف اندوز نہ ہو سکی۔ وہ بدستور خشمگیں نظروں سے شکیل اور اس کے دوستوں کو دیکھ رہی تھی جو پنجے جھاڑ کر ندیم کے پیچھے پڑ گئے تھے۔

"یار شاہد! اس کے کان پر تو جوں بھی نہیں رینگتی۔" محمود نے سنجیدگی سے کہا۔

"یہ ہمارے مذاق کی گریٹ انسلٹ ہے۔" ریاض نے خفگی کا اظہار کیا۔

"میں اس کے فرشتوں کو بھی متوجہ ہونے پر مجبور کر دوں گا۔" زاہد بولا۔ پھر اس

Uploaded By Nadeem
ندیم

نے ایک کنکر اٹھا کر ندیم کی طرف اچھال دیا۔

ندیم چونکا' اس نے گھوم کر لڑکوں کی طرف دیکھا پھر مسکراتا ہوا اٹھا اور کتابیں سمیٹ کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے کچھ بھی تو نہیں کہا تھا ان کو۔ بس چپ چاپ چلا گیا اور فرزانہ کو ندیم پر بھی غصہ آگیا۔ آخر وہ چپ کیوں ہو گیا۔ کیا اس کے منہ میں زبان نہیں تھی جو وہ ان کو جواب دے سکتا۔ اس کی خاموشی تو دوسرے لڑکوں کی حوصلہ افزائی بھی کر سکتی ہے۔

وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتی رہی۔

"بھگا دیا نا تم نے۔" ریاض نے زاہد سے کہا۔ "اب اس کا ہمارے جال میں پھنسنا مشکل ہے۔"

"فکر مت کرو' میں قبر تک اس کا پیچھا کروں گا۔" زاہد نے جلدی سے کہا۔ "اگر میں نے اسے انسان نہ بنا دیا تب کہنا۔"

"گویا اب تک وہ آپ کو جانور نظر آ رہا تھا۔" سلیم نے پوچھا۔

"اسے تو جانور کہنا بھی جانوروں کی توہین ہے۔" شکیل بول پڑا۔ "میرے خیال میں تو یہ کوئی خطرناک جراثیم ہے جو کالج کی رنگینیوں میں گھن بن کر لگ گیا ہے۔"

فرزانہ اس سے آگے کچھ برداشت نہ کر سکی۔ تیزی سے اٹھی اور کلاس روم کی طرف چلی آئی۔ دردانہ اور برجیس کو بھی شکیل کا ریمارک گراں گزرا تھا اس لئے وہ بھی اٹھ گئیں۔ ندیم چونکہ سینئر طالب علم تھا اس لئے سب ہی اس کی عزت کرتے تھے۔

"ہمیں اب سنجیدگی سے شکیل صاحب کا علاج کرنا ہو گا۔" دردانہ نے کہا۔

"فرزانہ سے پوچھ لو۔ ان کا ماموں زاد بھائی ہے۔ کہیں یہ برا نہ مان جائیں۔" برجیس بولی۔

"برا مانتی ہے میری جوتی۔" فرزانہ تنک کر بولی۔ "خدا کی قسم اگر میرے بس میں ہوتا تو آج ہی اسے کان پکڑ کر گھر سے باہر نکلوا دیتی لیکن امی جان کی وجہ سے خاموش ہوں۔"

"کیا مطلب؟" دردانہ نے پوچھا۔

"مطلب مجھے نہیں معلوم لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ بڑے حرفوں کا بنا ہوا ہے۔

امی جان کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا ہے۔ جیسے منہ میں زبان ہی نہ ہو۔"

"مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا بھی نظر آ رہا ہے۔" برجیس سوچتے ہوئے بولی۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ چچی جان کو شیشے میں اتار لینے کے بعد تمہارا نمبر بھی آ جائے ذرا بچ کر رہنا۔"

"خیر اتنی ہمت تو نہیں ہے اس میں کہ میرے منہ لگے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آدمی انتہائی ڈھیٹ اور بے غیرت قسم کا ہے۔" فرزانہ جلے کٹے لہجے میں بولی۔

"تم اسے اپنے ساتھ کیوں لاتی لے جاتی ہو؟" دردانہ نے پوچھا۔

"یہی تو مجبوری ہے کہ گاڑی ایک ہے۔" فرزانہ بولی۔ "اگر میں نے اسے دھتکار دیا تو امی جان نہ جانے کیا سوچیں گی۔ میں بات بڑھانا نہیں چاہتی۔"

"فکر مت کرو۔" برجیس نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں اسے ڈیوٹ بنانے کا فیصلہ کر چکی ہوں لیکن تم لوگوں کو بھی میرا ساتھ دینا پڑے گا۔"

"میں بالکل تیار ہوں۔" دردانہ نے جلدی سے ہامی بھر لی۔

"بس! ..... اب دیکھتی رہو خاموشی سے تماشہ لیکن خبردار جو تم نے کسی اور کو اس راز سے آگاہ کیا۔ اس طرح اگر شکیل کو معلوم ہو گیا تو وہ کھونٹا تڑا کر بھاگ نکلے گا۔"

"یہ تو تمہاری صلاحیت پر منحصر ہے۔ لگام شروع ہی سے کسی رکھو تاکہ بے قابو نہ ہونے پائے۔"

پھر وہ آپس میں صلاح و مشورہ کرتی ہوئی کلاس روم میں آ گئیں۔ فرزانہ بدستور جھلائی جھلائی سی تھی اس لئے اگلے پیریڈ میں بھی وہ بڑی سنجیدگی سے ندیم ہی کے بارے میں سوچتی رہی۔ نہ جانے کیوں وہ چاہتی تھی کہ ندیم اب اس طرح گم صم اور خاموش رہنا چھوڑ دے۔ وہ بھی کالج کے ہنگاموں میں حصہ لے۔ ہنسے بولے اور تفریح میں حصہ لے۔ لڑکوں کی فقرہ بازی پر مسکرا کر خاموش ہو جانے کے بجائے انہیں ترکی بہ ترکی جواب دے۔ آخر اس میں کمی کس بات ہے۔ وہ ذہین تھا' پڑھائی میں بھی تیز تھا پھر ..... پھر وہ ہر وقت بجھا بجھا کیوں رہتا ہے؟

تمام وقت وہ انہی پریشان خیالات میں الجھی رہی۔ چھٹی ہوئی تو روزمرہ کے معمول کے مطابق اپنی گاڑی میں آ کر شکیل کا انتظار کرنے لگی۔ آج اسے شدید جھلاہٹ ہو رہی تھی مگر پھر بھی وہ شکیل کو ساتھ لے جانے کے لئے مجبور تھی۔ دوسری صورت میں اگر وہ

Uploaded By Nadeem

تنہا گھر چلی جاتی تو شبانہ بیگم اس سے شکیل کے بارے میں استفسار ضرور کرتیں اور پھر بات بڑھ جانے کا اندیشہ تھا۔

وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھی حالات کا جائزہ لیتی رہی پھر اچانک وہ چونکی تھی۔ شکیل اور زاہد قریب آ رہے تھے۔ فرزانہ جیسے جل کر ہی تو رہ گئی۔

زاہد کو شکیل کے ساتھ دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا۔ یہی زاہد تو تھا جس نے آج ندیم پر کنکر اچھالا تھا۔

بیہودہ ..... بدتمیز ..... ایڈیٹ .....

فوری طور پر فرزانہ کے ذہن میں یہی تین الفاظ آ سکے تھے۔ اس نے زاہد کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا پھر نفرت سے منہ پھیر لیا۔

"اچھا ڈیئر! بائی بائی۔" شکیل گاڑی کے نزدیک آ کر بولا۔ "کل ہو گی تفصیلی ملاقات' جب تک کے لئے ٹاٹا!"

"او کے! آئی وش یو گڈلک' چیریو!" زاہد کا جملہ معنی خیز تھا۔

فرزانہ کو ایک لمحے کے لئے ایسا ہی لگا جیسے بیچ بازار میں کسی نے اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مار دیا ہو۔ زاہد کا جملہ اس کے ذہن پر ہتھوڑے کی مانند پڑا تھا۔ اس نے تلملا کر زاہد کو گھورا پھر گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے اسے کالج کے احاطے سے باہر نکال لائی۔

شکیل برابر والی سیٹ پر بیٹھا کنکھیوں سے فرزانہ کے چہرے پر پھیلنے والی جھلاہٹ کو دیکھتا رہا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔

"کیا بات ہے ..... آپ آج کچھ غصہ میں نظر آ رہی ہیں؟"

فرزانہ نے سنی ان سنی کر دی۔

"کیا کسی سے کوئی بات ہو گئی ہے؟" شکیل نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔ فرزانہ نے اس بار بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا میری کوئی حرکت بار خاطر پر گراں گزری ہے؟"

فرزانہ ایک بار پھر طرح دے گئی۔

"اوہ' اب میں سمجھ گیا۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کو غالباً یہ بات بری

لگی ہو گی کہ ہم لوگ ندیم کو کیوں تنگ کرتے ہیں؟"

فرزانہ بڑی مشکلوں سے اپنا غصہ ضبط کر رہی تھی۔

"ایکٹی ویٹی کرنا میرے نزدیک کوئی بری بات نہیں ہے۔"

"میں اسے ایکٹی ویٹی نہیں بلکہ بیہودگی سمجھتی ہوں۔" فرزانہ پھٹ پڑی۔ "شرافت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے مسٹر شکیل!"

"جی! ..... میں سمجھا نہیں۔" شکیل نے سنبھلتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کو اس میں بیہودگی کا کون سا پہلو نظر آ گیا؟"

"ہو سکتا ہے کہ آپ کا ماحول اور آپ کی تہذیب اس بات کی اجازت دیتی ہو کہ ایک سیدھے سادے اور شریف انسان پر کیچڑ اچھالی جائے اور بلاوجہ اسے تنگ کیا جائے لیکن میرے نزدیک یہ انتہائی گھٹیا قسم کی حرکت ہے۔" فرزانہ تیزی سے بولی۔ "میں نہیں سمجھ سکی کہ آخر کسی پر پتھر اچھالنا کہاں کی ایکٹی ویٹی ہے' میں اسے زاہد کی کمینگی سمجھتی ہوں۔"

"زاہد کی وہ حرکت مجھے بھی بری لگی تھی۔" شکیل نے جلدی سے کہا۔ "مگر میں تو دوسروں کی حرکت کا ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔"

"لیکن ایسی گری ہوئی ذہنیت کے لڑکوں سے ملنے جلنے اور ان سے راہ و رسم بڑھانے کے لئے بھی کسی نے آپ کو غالباً مجبور نہیں کیا ہو گا۔" فرزانہ کی جھلاہٹ بڑھتی گئی۔

"اگر آپ کہتی ہیں تو میں ان سے راہ و رسم ختم کر دوں گا۔" شکیل دبی زبان میں بولا۔

"آخر آپ کو میری خوشنودی حاصل کرنے کا اتنا خیال کیوں رہتا ہے؟" فرزانہ تنک کر بولی۔

"اس لئے کہ آپ میں اور دوسروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔" شکیل نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

"مسٹر شکیل! مجھے اس قسم کی باتیں بالکل پسند نہیں ہیں۔"

"پھر ..... آپ ہی بتا دیجئے کہ کس قسم کی باتیں کیا کروں آپ سے؟"

"مجھ سے بات کئے بغیر آپ مر تو نہیں جائیں گے۔" فرزانہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو

Uploaded By Nadeem
ندیم

کر چھلک اٹھا۔ اس نے گاڑی کو سائڈ میں کر کے روک لیا پھر شکیل کو خشمگیں نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ زاہد نے چلتے وقت آپ کو وش یو گڈلک کیوں کہا تھا؟"

"اوہ ..... آپ کو تو خواہ مخواہ شبہ ہو رہا ہے ..... بات دراصل یہ ہے کہ....."

"میں تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھتی لیکن اتنا عرض کر دوں کہ میں خوب جانتی ہوں کہ وہ کس قماش کا لڑکا ہے۔" فرزانہ کا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما اٹھا۔ "وہ انتہائی کمینہ اور گری ہوئی پست ذہنیت کا مالک ہے۔"

"لیکن میری بھی تو سنئے....." شکیل نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن فرزانہ نے اس بار بھی اسے موقع نہیں دیا۔

"فضول کوشش مت کیجئے مسٹر شکیل! میں اپنا وقت برباد کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" فرزانہ تیزی سے بولی۔ "بہتر ہو گا کہ آپ کل سے کالج آنے جانے کے لئے کوئی دوسرا بندوبست کر لیں۔ اگر آپ نے امی جان کا سہارا لینے کی کوشش کی تو پھر ابا حضور کے سامنے میری زبان بھی بند نہیں رہے گی۔ میرا خیال ہے کہ آپ چونکہ ذہین ہیں اس لئے میرا مقصد سمجھ گئے ہوں گے۔ عقلمنداں را اشارہ کافی است۔"

شکیل فرزانہ کے آخری جملوں میں چھپے ہوئے طنز کو سمجھ گیا لیکن اس وقت بھی اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے فرزانہ کے چہرے پر ایک نظر ڈالی پھر دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر گیا۔

فرزانہ نے گاڑی کو پوری رفتار سے گھر کی طرف چھوڑ دیا۔

شبانہ بیگم نے اسے تنہا دیکھ کر شکیل کے بارے میں استفسار کیا مگر وہ بڑی خوبصورتی سے یہ کہہ کر ٹال گئی کہ وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کئے اور کھانے سے فارغ ہو کر اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔

شام کو چائے کی میز پر شکیل سے آمنا سامنا ہوا لیکن وہ خاموش خاموش ہی رہا۔ فرزانہ نے جلدی جلدی چائے سے فراغت پائی پھر اپنے اسٹوڈیو میں آ گئی۔ طبیعت چونکہ ابھی تک مکدر تھی اس لئے آج اس نے ساگر سے دل لگا کر کچھ نہیں سیکھا بس وقت

گزارنے کے لئے کینوس پر الٹے سیدھے خاکے بناتی رہی۔

ساگر کے جانے کے بعد اس نے باپ سے نگہت کے ہاں جانے کی اجازت حاصل کی پھر کپڑے تبدیل کئے اور گاڑی لے کر چلی گئی۔ خیال تھا کہ کچھ دیر تک نگہت کے ساتھ وقت گزارنے سے ذہن پر چھائی ہوئی کسلمندی چھٹ جائے گی۔

شام کی تازہ ہوا کے خوشگوار جھونکوں نے اس کے ذہن پر بہت اچھا اثر ڈالا۔ ذہن پر چھائے ہوئے بوجھل بوجھل سے خیالات چھٹنے لگے۔

گاڑی سبک رفتاری سے چکنی سڑک پر اپنی منزل کی طرف دوڑ رہی تھی لیکن پبلک گارڈن کے قریب سے گزرتے ہوئے فرزانہ کی نظر اچانک ندیم پر پڑ گئی جو سر جھکائے فٹ پاتھ پر تیز تیز قدم اٹھاتا کہیں جا رہا تھا۔

غیر اختیاری طور پر اس نے گاڑی کو ندیم کے قریب لے جا کر روک دیا۔ اپنی اس جسارت پر ایک لمحے کے لئے وہ خود بھی گھبرا سی گئی لیکن پھر اس نے ہمت کر کے ندیم کو آواز بھی دے ڈالی۔

ندیم کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔ اس نے پلٹ کر فرزانہ کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ بس ایک ثانئے کے لئے اس کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ ابھری پھر دوسرے ہی لمحے معدوم ہو گئی۔ نظریں جھکائے وہ فرزانہ کے قریب آ کر رک گیا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"یونہی' ذرا تفریح کی غرض سے نکلا تھا۔" ندیم نے جلدی سے جواب دیا۔

"میں نہیں مان سکتی۔" فرزانہ نے جسارت کر ڈالی۔ "تفریح کرنے والے اتنی تیز رفتاری کا مظاہرہ نہیں کرتے۔"

"جی ..... جی ہاں۔" ندیم بڑے معصوم انداز میں سٹپٹا گیا پھر جلدی سے بولا۔ "مجھے دراصل ایک ضروری کام بھی تھا۔"

"تعجب ہے!" فرزانہ کے نازک ہونٹوں پر جاندار تبسم ابھر آیا۔ "تفریح اور ضروری کام تو دو متضاد چیزیں ہیں۔"

"جی ہاں۔" ندیم نے مختصراً کہا۔

"کہاں تک جائیں گے آپ؟"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"برلاس اسٹریٹ تک۔"

"آیئے' میں چھوڑ دیتی ہوں۔"

"شکریہ!" ندیم نے نظر اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا پھر جلدی سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کو زحمت ہو گی۔"

"اس میں زحمت کی کیا بات' ہاں اگر آپ مناسب نہیں سمجھتے تو دوسری بات ہے۔"

"جی نہیں ..... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر آ جایئے نا! تکلف کس بات کا ہے؟"

ندیم ایک لمحے کے لئے جھجکا پھر خاموشی سے گھوم کر دوسری سمت سے اندر آ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ فرزانہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔

تھوڑی دیر تک دونوں ہی خاموش رہے پھر گفتگو کی ابتدا فرزانہ نے کی۔

"ندیم صاحب! کیا میں آپ کے بارے میں کچھ دریافت کر سکتی ہوں؟"

"میرے بارے میں!" ندیم اس طرح چونکا جیسے اسے فرزانہ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔ "کیا پوچھنا چاہتی ہیں آپ؟"

"یہی کہ آپ ہر وقت گم صم اور خاموش کیوں رہتے ہیں؟" فرزانہ نے بڑی آہستگی سے پوچھا۔

"بہت بڑا سوال پوچھ لیا ہے آپ نے۔" ندیم مضمحل آواز میں بولا۔ "اگر میں اس سوال کے جواب میں پہلو تہی کروں تو آپ ناراض تو نہیں ہوں گی؟"

"ظاہر ہے کہ میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتی۔" فرزانہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ نہ جانے کیوں اسے ندیم کے جواب سے دکھ پہنچا تھا۔

"آپ غالباً برا مان گئیں' مجھے اسی بات کا خدشہ تھا لیکن دراصل میں اتنے مختصر عرصے میں آپ کے سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔" ندیم نے فرزانہ کے چہرے کے تاثرات سے اس کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی دوسروں کو اپنے غم میں شریک کرنا کچھ مناسب نہیں سمجھتا۔"

"غلط خیال ہے آپ کا' کسی کو شریک غم بنا لینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"مجھے آج تک کوئی ایسا غمگسار نہیں ملا۔" ندیم نے حسرت بھری آواز میں جواب

دیا۔

"کبھی تلاش کرنے کی کوشش کی ہے آپ نے؟" فرزانہ بڑی اپنائیت سے بولی۔

"ابھی تک میں اپنی منزل کا تعین ہی نہیں کر سکا۔"

"شاید اسی لئے بھٹکتے رہتے ہیں!"

"مجھے اب اس کی عادت سی پڑ گئی ہے۔" ندیم غمناک لہجے میں بولا۔ "اگر دنیا میں سبھی مسکراہٹوں کو اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کرنے لگیں تو پھر آنسوؤں کو خشک ہونے کے لئے کس کا دامن میسر آئے گا!"

"ندیم صاحب!" فرزانہ تڑپ اٹھی۔ "کیا دکھ ہے آپ کو جو آپ اس قدر محرومیوں کا شکار بن کر رہ گئے ہیں۔"

"محرومیاں میری قسمت بن چکی ہیں فرزانہ صاحبہ! اسی لئے میں دنیا کے ہنگاموں سے دور دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

لیکن ان محرومیوں کی کوئی وجہ بھی ہو گی؟"

"محرومیاں ہمیشہ اسی کا ساتھ دیتی ہیں جس کا دنیا میں کوئی اور نہ ہو۔" ندیم رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کے لہجے میں تڑپ تھی' جلن تھی' درد تھا۔

"کیا مطلب!" فرزانہ چونک اٹھی۔ "کیا آپ کا دنیا میں کوئی نہیں ہے؟"

"جی ہاں!"

"یہ ڈاکٹر رشید الزماں صاحب آپ کے کون ہیں؟"

"میرے محسن۔" ندیم نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "اگر وہ میری بدنصیبی کو سہارا نہ دیتے تو میں تاریکیوں میں بھٹک گیا ہوتا۔"

"اوہ! ..... لیکن آپ کے والدین....."

"وہ دونوں مجھ سے روٹھ گئے ہیں۔ دنیا کے ہنگاموں میں اب کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔ میں تنہا ہوں ..... بالکل تنہا اور....." اور پھر ندیم کی آواز لڑکھڑا گئی۔ اس نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے فرزانہ کو دیکھا۔ ہونٹ کچھ کہنے کے لئے کپکپائے لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ وہ ان آنسوؤں کو پی جانے کی کوشش میں مصروف ہو گیا جو بہہ نکلنے کے لئے اس کی آنکھوں میں مچل رہے تھے۔

Uploaded By Nadeem

فرزانہ بے چین سی ہو کر رہ گئی۔ ندیم کی کیفیت اس کے دل و دماغ پر تیر و نشتر بن کر چبھ رہی تھی۔

"ندیم صاحب!" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"جی!....." ندیم نے جلدی سے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ پھر جیب سے رومال نکال کر اپنے آنسو جذب کرتا ہوا بولا۔ "میں معافی چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے آپ کو صدمہ پہنچا لیکن ..... لیکن آپ نے ہی تو میرے زخموں کو کریدا تھا۔"

"مایوسی گناہ ہے ندیم صاحب!" فرزانہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "انسان کو اتنی جلدی ہمت نہیں ہار دینی چاہئے۔"

"شکریہ! آپ نے مجھے ہمدردی کا مستحق تو سمجھا۔" ندیم سپاٹ لہجے میں بولا۔ "بس ..... گاڑی یہیں روک دیجئے' میں اب یہاں سے پیدل چلا جاؤں گا۔"

"کیا آپ کو واقعی اس وقت کوئی بہت ضروری کام ہے؟"

"جی ہاں' مجھے ٹیوشن پر پہنچنا ہے۔" ندیم کے لہجے میں اداسی تھی۔

"ٹیوشن!..... تو کیا آپ اپنے اخراجات پورے کرنے کے لئے ٹیوشن بھی کرتے ہیں۔" فرزانہ کے دل کو دھچکا سا لگا۔

"اپنے اخراجات نہیں بلکہ ماں کی خواہش کا احترام کرنے کی خاطر میں سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔"

"کیا آپ وضاحت کر سکیں گے اس جملے کی۔"

"آپ کا وقت ضائع ہو گا اور پھر مجھے بھی ٹیوشن پر....."

"آپ آج ٹیوشن پر نہیں جائیں گے۔" فرزانہ نے اسے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"جی!....." ندیم نے نظریں اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا پھر خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

"کیا آپ کو میری بات ناگوار گزری ہے؟" فرزانہ زیر لب مسکراتے ہوئے بولی۔

"جی نہیں۔"

"جی اور جی نہیں کے علاوہ کچھ اور بھی آتا ہے آپ کو؟" فرزانہ بے تکلف ہونے لگی۔ ندیم کے قرب نے آج اسے ایک نئی مسرت کا احساس بخشا تھا۔ ندیم کے کردار سے

وہ پہلے ہی سے متاثر تھی لیکن اب اسے ندیم سے ہمدردی بھی پیدا ہو چلی تھی۔

"ڈرتا ہوں کہ کہیں میری باتیں سن کر آپ اس وقتی ہمدردی سے بھی منہ نہ موڑ لیں۔" ندیم نے سہمے سہمے انداز میں جواب دیا اور فرزانہ کو اس کا یہ معصوم طرز تخاطب بھی بڑا پیارا لگا تھا۔

"ایک بات کہوں اگر آپ اجازت دیں؟"

"آپ جو چاہیں کہہ سکتی ہیں' اس وقت تو آپ کے رحم و کرم پر ہوں۔"

"کیا آپ مجھے اپنی زندگی کے بارے میں تفصیل سے بتانا پسند کریں گے۔"

"آپ اسے ضروری کیوں سمجھتی ہیں؟" ندیم نے پوچھا۔

"میں نے حکم نہیں دیا' درخواست کی ہے۔" فرزانہ بولی۔

اور اس بار ندیم ایک لمحے کے لئے کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ چند ثانیئے کے لئے خاموش رہا پھر اس نے اپنی زندگی کی تلخ کہانی شروع کر دی جو آنسوؤں سے پُر تھی۔ ہر ہر موڑ پر درد تھا' آہیں تھیں' محرومیاں تھیں۔

فرزانہ خاموشی سے سنتی رہی' ندیم کہتا رہا' اس کی آواز میں درد تھا' ماں کی موت کا تذکرہ کرتے وقت ایک بار پھر آنسو تمام بندشیں توڑ کر بہہ نکلے۔ وہ رندھی رندھی آواز میں اپنی داستان غم بیان کرتا رہا۔ آنسو سسکیوں میں تبدیل ہوئے اور پھر سسکیاں ہچکیوں میں ڈھل گئیں۔ وہ روتا رہا' سسکتا رہا' بلکتا رہا۔

خود فرزانہ کی نگاہیں بھی اشکبار ہو گئیں لیکن اس نے ندیم کو چپ رہنے کو نہیں کہا۔ اس کے آنسو پونچھنے کی سعی نہیں کی۔ وہ چاہتی تھی کہ ندیم دل بھر کر رو لے۔ اسے یقین تھا کہ اس طرح اس کے دل پر چھایا ہوا غبار چھٹ جائے گا۔

گاڑی مختلف سڑکوں پر سبک رفتاری سے دوڑتی رہی۔ باہر ہنگامے تھے لیکن گاڑی میں دبی دبی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

دونوں بہت دیر تک خاموش بیٹھے اپنے اپنے خیالوں میں گم رہے اور جب آنسوؤں کا طوفان تھما تو فرزانہ نے کہا۔

"ندیم صاحب! میں نے سنا ہے کہ بادل جب کھل کر برس چکتے ہیں تو موسم پر نکھار آ جاتا ہے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"افسانوی باتیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن افسانے حقیقت پر بھی مبنی ہوتے ہیں۔"

"پرانی باتیں ہیں فرزانہ صاحبہ!" ندیم تلخ آواز میں بولا۔ "آج کل تو لوگ روتے بسورتے انسانوں کا وجود برداشت نہیں کرتے۔"

"یہی شکایت مجھے آپ سے بھی ہے۔"

"جی!"

"اگر آپ خوشیوں کو اپنانے کا پختہ ارادہ کرلیں تو غم کے بادل آپ ہی آپ چھٹ جائیں گے۔"

"میں اس قابل نہیں ہوں کہ اپنے لئے خوشیاں خرید سکوں۔"

"اوہ!....." فرزانہ اس جواب پر مسکرا دی۔ "گویا آپ کے خیال میں خوشیوں کو خریدنے کے لئے بھی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ کو دیر ہو رہی ہو گی۔" ندیم نے ٹالنا چاہا۔

"آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"میں نہیں سمجھ سکا کہ کیا جواب دوں۔"

"ٹالنا چاہتے ہیں' کیوں؟" فرزانہ کے لہجے میں لگاوٹ تھی۔

"یہ کیسے سوچ لیا آپ نے۔" ندیم جلدی سے بولا۔

"پھر وعدہ کیجئے کہ آئندہ سے آپ محرومیوں کی باتیں نہیں کریں گے۔"

"لیکن آپ مجھ سے میری محرومیوں کو کیوں چھین لینا چاہتی ہیں؟"

فرزانہ اس سوال پر سٹپٹا کر رہ گئی۔ اس کے دل کی معصوم دھڑکنوں میں ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ وہ ندیم سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

"میں ہوا کے ان نرم و لطیف جھونکوں کا قائل نہیں ہوں جو آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ بغیر سہارے کے انسان ایک قدم بھی نہیں چل سکتا اور پھر میں تو....."

"آپ میری خاموشی کا غلط مطلب سمجھ بیٹھے ہیں۔" فرزانہ جلدی سے بول پڑی۔ "دراصل میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ ہر وقت گم صم اور خاموش رہنا چھوڑ دیں۔ دوسروں کی باتوں کو سن کر جب آپ کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھرتی ہے تو مجھے دکھ ہوتا ہے۔

آخر دوسروں کو کیا حق ہے کہ وہ آپ کی مجبوریوں کا مذاق اڑائیں۔ کیا آپ ان کو جواب دینے کی ہمت نہیں رکھتے؟ ضروری تو نہیں ہے کہ آپ کے ماضی کی طرح آپ کا مستقبل بھی تاریک ہی ہو! اور پھر حال کو مستقبل کے توہمات سے ملوث کرنا کہاں کی دانشمندی ہے؟"

فرزانہ خیالات کی رو میں کہے چلی گئی۔

"آج ہی جب کالج میں آپ کی شخصیت پر کیچڑ اچھالی جا رہی تھی تو مجھے ذہنی الجھن کا شکار ہونا پڑا۔ اگر میں مشرقی تہذیب میں پروردہ ایک لڑکی ہونے کے بجائے مرد ہوتی تو زاہد کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی۔ کتنی اخلاق سوز حرکت کا مظاہرہ کیا تھا اس نے۔"

ندیم مجسمہ حیرت بنا فرزانہ کی صورت کو ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہا تھا۔ آج سے پہلے کبھی وہ سوچ بھی نہیں سکا تھا کہ اس کے خوابوں کی تعبیر اتنی حسین بھی ہو سکتی ہے اور پھر جب فرزانہ خاموش ہوئی تو ندیم کے بے جان ہونٹوں پر ایک جاندار تبسم ابھر کر اس کے پورے وجود پر چھاتا چلا گیا۔

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں جھوٹی خوشیوں کا سہارا لے کر خود اپنے آپ کو فریب دیتا رہوں۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔ "آج آپ نے زندگی میں پہلی بار میرے زخموں پر مرہم رکھنے کے لئے میرے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی ہے لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ مستقبل میں یہی زخم ناسور کی صورت اختیار کرلیں اور پھر مرہم کے بجائے ان پر نشتر چبھونے والا بھی کوئی نہ ملے۔"

فرزانہ ندیم کا مافی الضمیر نہ سمجھ سکی لیکن پھر بھی اس کے جملوں نے فرزانہ کے دل پر بہت گہرا اثر کیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ندیم کی باتوں کا کیا جواب دے۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟" ندیم نے سرگوشیانہ انداز میں فرزانہ کو مخاطب کیا۔

"کیا؟"

"آپ میرے لبوں پر تبسم کیوں بکھیرنا چاہتی ہیں؟"

"میں ..... میں ..... بس' آپ اسے میری ایک دیرینہ آرزو سمجھ لیجئے۔" فرزانہ غیر اختیاری طور پر کہہ گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کا دل نہ جانے کیوں گنگنا

Uploaded By Nadeem
ندیم

اٹھا۔ حیا کی سرخی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا اور دراز پلکیں بڑی بڑی آنکھوں پر آپ ہی آپ جھکتی چلی گئیں۔

ندیم نے فرزانہ کو دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ اسے اپنی قوت سماعت پر شبہ سا ہو رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے حالات کی اس نئی اور اچانک کروٹ نے اسے گنگ سا کر دیا پھر اس کے ہونٹوں میں لطیف سی جنبش ہوئی۔

"اگر یہ آپ کی خواہش ہے تو میں اس خواہش کے احترام کو اپنے اوپر فرض سمجھوں گا۔"

فرزانہ اس جواب پر کسی شگفتہ پھول کی طرح کھل اٹھی۔ اس کی روح گنگنا اٹھی اور پھر اس روز جب وہ رات کو اپنے بستر پر لیٹی تو ندیم کا تصور اس کے ذہن پر نرم نرم اوس کی طرح بکھرا ہوا تھا۔

وہ ندیم کے بارے میں رات گئے تک نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی۔ ندیم کی باتوں نے آج اسے زندگی کی ایک نئی اور انوکھی لذت سے ہمکنار کیا تھا۔

ایک انجانی مسرت.....

ایک لطیف سا احساس.....

جس سے پہلے وہ ناآشنا تھی.....

اور خیال کے حسین تانے بانے میں الجھ کر نہ جانے کب نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے کر سلا دیا۔

☆======☆======☆

دوسرے دن جب فرزانہ سو کر اٹھی تو اس کے دل و دماغ پر گزشتہ رات کے خمار کا ہلکا ہلکا نشہ طاری تھا۔ تھوڑی دیر تک بستر پر بیٹھی وہ بدلے ہوئے حالات کا جائزہ لیتی رہی۔ پھر مسکراتی ہوئی اٹھی اور دل ہی دل میں کچھ گنگناتی ہوئی غسل خانے میں چلی گئی۔

کپڑے تبدیل کر کے جب وہ ناشتے کی میز پر آئی تو شکیل وہاں پہلے سے موجود تھا۔ شبانہ بیگم اسے بڑے چاؤ سے ناشتہ کرا رہی تھیں۔ صدیق علی خاں ہائی کورٹ کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔

فرزانہ نے شکیل پر ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی پھر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔

اسے خدشہ تھا کہ کہیں عین موقع پر شکیل بھی اس کے ساتھ کالج جانے پر آمادہ نہ ہو جائے۔ شبانہ بیگم کی موجودگی میں وہ اسے کسی طرح بھی نہیں ٹال سکتی تھی۔

خاموشی سے بیٹھی وہ جلدی جلدی ناشتہ کرتی رہی۔

"کیا بات ہے فرزانہ بٹی!" شبانہ بیگم نے بٹی کی سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔ "اس قدر چپ چپ سی کیوں نظر آ رہی ہو؟ خدانخواستہ کہیں دشمنوں کی طبیعت ناساز تو نہیں ہے؟"

"جی نہیں امی جان! گزشتہ رات دیر تک جاگنے سے سستی پیدا ہو گئی ہے' جاتی رہے گی۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"دیر تک جاگنے کی کیا ضرورت تھی۔ ابھی تو کالج کھلا ہے' امتحان میں تو ایک مدت باقی ہے۔" شبانہ بیگم نے کہا۔ "ایسی بھی پڑھائی کس کام کی جو صحت پر اثرانداز ہونے لگے۔"

"آئندہ خیال رکھوں گی امی جان!" فرزانہ نے بات ختم کرنی چاہی پھر اپنے لئے پیالی میں چائے انڈیلنے لگی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ اٹھنا ہی چاہتی تھی کہ شکیل بول پڑا۔

"آپ میرا انتظار نہ کیجئے گا۔ آج میں ذرا دیر سے کالج جاؤں گا۔"

"بہتر ہے۔" فرزانہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"کیوں' تم دیر سے کیوں جاؤ گے؟" شبانہ بیگم نے بھتیجے سے پوچھا۔

"مجھے ایک لڑکے سے ملنا ہے پھوپھی جان! اسی کے ساتھ نکل جاؤں گا۔"

"فرزانہ کے ساتھ ہی ادھر ہوتے ہوئے چلے جاؤ۔ یہ اتنی دیر گاڑی میں بیٹھی رہے گی۔"

"جی ہاں' ممکن ہے مجھے دیر ہو جائے۔"

"تمہاری مرضی' میں نے تو اس غرض سے کہا تھا کہ تمہیں سواری کی دقت پیش نہ آئے۔"

"پیدل چلنے سے صحت پر بڑا خوشگوار اثر پڑتا ہے پھوپھی جان!" شکیل نے فرزانہ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا تو خیال ہے اب روزانہ کالج تک پیدل ہی مارچ کیا

Uploaded By Nadeem

کروں۔ واپسی میں دیکھا جائے گا۔"

"اے ہے لڑکے! تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے؟" شبانہ بیگم نے بڑے لاڈ سے کہا۔ "گھر کی گاڑی ہوتے ہوئے بھلا پیدل چلنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں نے صحت کے اصولوں کی وجہ سے یہ بات کہی تھی۔" شکیل بولا۔ "صبح کی خوشگوار ہوا پھیپھڑوں کے لئے بے حد مفید ہوتی ہے۔"

"شکیل صاحب بڑی دوراندیشی سے کام لے رہے ہیں امی جان!" فرزانہ معنی خیز لہجے میں بولی۔ "آپ انہیں منع کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"تم جانو۔" شبانہ بیگم نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔ "میں تو تمہاری سہولت کے لئے اصرار کر رہی تھی۔ ایسا نہ ہو کہ کل کلاں کو بھائی صاحب کو اس بات کی شکایت کرنے کا موقع مل جائے کہ گاڑی ہوتے ہوئے بھی لڑکے کو تکلیف ہوئی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ' پھوپھی جان!" شکیل نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "آپ کی عنایتوں کا بدلہ تو میں تمام زندگی بھی نہیں اتار سکتا۔"

"اے لو' بھلا میں نے تمہارے ساتھ ایسی کون سی عنایت کر دی جو تمہاری گردن احسانوں کے بوجھ سے اس قدر جھکی جا رہی ہے اور پھر یہ بھی تمہارا اپنا ہی گھر ہے' عنایت اور احسان کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟"

فرزانہ نے ماں کی بات سنی اور مسکراتی ہوئی باہر آئی پھر گاڑی میں بیٹھ کر کالج کے لئے روانہ ہو گئی۔ اسے خوشی تھی کہ شکیل کا مسئلہ بڑی خوبصورتی سے ٹل گیا اور بات آگے نہیں بڑھنے پائی۔

کالج پہنچی تو پہلا پیریڈ شروع ہونے والا تھا۔ معمول کے مطابق وہ اگلی نشستوں پر دردانہ اور برجیس کے درمیان اپنی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے کمرے میں ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک نظر دوڑائی لیکن ندیم موجود نہیں تھا' اس کی سیٹ خالی پڑی تھی۔ فرزانہ کو اس کی کمی کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔ راستے بھر وہ یہ سوچتی ہوئی آئی تھی کہ کالج پہنچ کر ندیم پر گزشتہ روز کی باتوں کا اثر دیکھے گی لیکن ندیم کو غیر حاضر پا کر اس کے ذہن کو جھٹکا لگا۔

ندیم کی غیر حاضری اس کی الجھن میں اضافہ کرنے لگی۔ پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا

تھا۔ ندیم کو وہ گزشتہ دو سال سے دیکھ رہی تھی۔ کالج کی اٹنڈنس کے معاملے میں وہ ہمیشہ وقت کی پابندی کا عادی تھا لیکن آج.........

معاشیات کا پروفیسر قانون تقلیل افادہ پر لیکچر دینے میں مصروف تھا لیکن فرزانہ کا ذہن ندیم میں الجھا ہوا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔

کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ندیم نے اس کی باتوں کا برا منایا ہو اور محض ناراضگی کے اظہار کی وجہ سے وہ غیر حاضر ہو گیا لیکن اس نے ندیم سے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی تھی جو اس کی خفگی کا سبب بن جاتی۔ رخصت ہوتے وقت بھی ندیم نے اسے جن نظروں سے خدا حافظ کہا تھا ان میں فرزانہ کو اظہارِ تشکر کی جھلکیاں نظر آئی تھیں۔ پھر وہ غیر حاضر کیوں ہے؟

فرزانہ سوچتی رہی۔ اس کی نظریں بظاہر پروفیسر کے چہرے پر مرکوز تھیں لیکن خیالات کہیں اور بھٹک رہے تھے اور پھر......... پھر اچانک ندیم کی مانوس آواز سن کر وہ چونک اٹھی۔

خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

"مے آئی کم ان سر!" ندیم کلاس روم کے دروازے پر کھڑا پروفیسر سے اندر آنے کی اجازت مانگ رہا تھا۔

"کم ان۔" پروفیسر نے کہا پھر دوبارہ اپنے لیکچر میں مصروف ہو گیا۔

ندیم خاموشی سے سر جھکائے اندر داخل ہوا پھر اپنی سیٹ پر جا کر بیٹھ گیا لیکن فرزانہ کو آج ندیم میں ایک نمایاں تبدیلی دیکھ کر بے انتہا مسرت ہوئی تھی۔ ندیم کے چہرے پر اس نے آج پہلی بار محرومیوں اور ناکامیوں کے تاریک سائے کے بجائے زندگی کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔ اس نے دو تین بار دوسروں کی نظر بچا کر ندیم کی طرف دیکھا جو بڑی سنجیدگی سے لیکچر سننے میں مصروف تھا۔

پہلا پیریڈ ختم ہوا تو مخالف گروہ کے لڑکوں نے ندیم پر آوازیں کسنی شروع کر دیں۔

"میرا خیال ہے کہ کالج آج کچھ جلدی شروع ہو گیا۔" سلیم نے پہل کی۔

"یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے چلتے پھرتے کلاک ٹاور کی مشینری میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔" شہزاد نے آواز لگائی۔

"ابھی تک پینک میں نظر آ رہا ہے۔" محمود بولا۔

"مت چھیڑو بے چارے کو ورنہ رو پڑے گا۔" زاہد نے منہ بسورتے ہوئے مضحکہ اڑایا۔

"پوچھ کے تو دیکھو' کہاں رہے ہیں رات بھر۔" ریاض نے جملہ کسا۔

"یار! اپنے محلے میں بھی آج کل ایک چوکیدار کی آسامی خالی ہے۔" شاہد نے طنز کیا۔

"اور تم ابھی تک یہاں نظر آ رہے ہو۔" جمال سے چپ نہ رہا گیا۔ "بھیج دی ہوتی درخواست۔"

شاہد خفیف سا ہو رہ گیا۔ جمال کا گروپ چونکہ سینئر طلبا پر مشتمل تھا اس لئے شاہد نے ان سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا۔

فرزانہ کو جمال کے جواب پر دلی مسرت ہوئی پھر اس نے ندیم کو دیکھا جو اپنی سیٹ پر بیٹھا بڑا لاپرواہ سا نظر آ رہا تھا۔ آج اس نے محمود یا شاہد کی پھبتیوں پر نظریں جھکا کر اپنی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔

"اری فرزانہ! آج تمہارا پالتو جانور نظر نہیں آ رہا ہے۔" دردانہ نے فرزانہ سے پوچھا۔

"کیا سچ مچ پٹہ ڈال دیا؟" برجیس بولی۔

"یہ بات نہیں ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔ "آج سے وہ حضرت پیدل کالج تک تشریف لایا کریں گے۔"

"کیوں؟"

"صحت بنانے کا خیال آ گیا ہے۔"

"پھر تو برجیس کی خیر نظر نہیں آتی۔" دردانہ بولی۔

"فکر مت کر میری بنو! میں تم لوگوں کے بہکانے میں آ کر اس کا پیچھا چھوڑ دینے والی نہیں ہوں۔ اب تو یا مقدر یا نصیب والا معاملہ ہے۔" برجیس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ قسمت میں لکھا ہے پورا ہو کر رہے گا۔"

"اری کم بخت! تُو تو سچ مچ اس پر مرمٹنے والی باتیں کر رہی ہے۔" ابھی

"آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔" فرزانہ نے بڑے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی' ہماری بلی اور ہمیں سے میاؤں۔" برجیس اسے آنکھیں دکھاتے ہوئے بولی۔ "ایک تو محض تمہاری خاطر اوکھلی میں سر دینے کو تیار ہو گئی اور اب تم بھی چھکنے لگیں۔"

فرزانہ مسکرا کر رہ گئی۔ پھر پروفیسر کے آ جانے سے گفتگو کا سلسلہ اچانک ختم ہو گیا لیکن تیسرا پیریڈ ختم ہوتے ہی جب وقفے کی چھٹی میں لڑکے اور لڑکیاں لان میں آئیں تو شکیل وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔

شاہد' محمود' ریاض' زاہد اور سلیم شکیل کے گرد جمع ہو گئے اور برجیس نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"ہائے بے چارا' پیدل چلتے چلتے تھک گیا ہو گا۔"

"اگر اتنا ہی خیال ہے تو جا کر پاؤں دبا دو۔" دردانہ بولی۔

"میں تو گلا دبانے کو بھی تیار ہوں لیکن موقع تو ملے ان رقیبوں سے جنہوں نے اُسے گھیر رکھا ہے۔" برجیس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

فرزانہ کی نگاہیں بدستور شکیل کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں جو زاہد کے ساتھ گلے میں ہاتھ ڈالے بیٹھا کچھ راز و نیاز کر رہا تھا۔ فرزانہ کو نہ جانے کیوں شکیل اس وقت بے حد زہر لگا چنانچہ اس نے اپنی توجہ دوسری طرف کر لی۔

"ہائے ایسی بھی بے رخی کیا فرزانہ!" دردانہ جلدی سے بولی۔ "اتنی جلدی آنکھیں پھیر لیں۔ بے مروت کہیں کی۔"

"اچھا ہوا جو میرے راستہ کا کانٹا خود بخود نکل گیا۔" برجیس نے بڑی سنجیدہ اداکاری کا مظاہرہ کیا اور فرزانہ کے علاوہ دردانہ بھی اس جملے پر ہنس پڑی۔

"اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے' اپنے اپنے چوائس کی بات ہے۔" برجیس بدستور سنجیدگی سے بولی۔ "تم دونوں کیوں جل رہی ہو؟"

"دور ہی دور سے باتیں بنا رہی ہو برجیس! کچھ کر کے دکھاؤ جب مانوں گی۔" دردانہ نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"ہاں برجیس!" فرزانہ نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ "مزے کی بات تو جب ہے کہ تم سچ مچ اس کو شیشے میں اتار لو۔"

"فکر مت کرو۔ دو چار دن کے اندر ہی دیکھ لینا۔ اگر یہ میرے آگے پیچھے دم ہلاتا نظر نہ آئے تو نام بدل دینا لیکن شرط یہی ہو گی کہ تم لوگ بھی سنجیدہ ہی رہنا۔"

"وعدہ۔" دردانہ اور فرزانہ ایک زبان ہو کر بولیں۔

اس کے بعد وہ بہت دیر تک شکیل کو بے وقوف بنانے کے لئے مختلف منصوبے بناتی رہیں' دردانہ پیش پیش تھی۔

وقفہ ختم ہوا تھا تو وہ دوبارہ اپنے کلاس روم میں آ گئیں۔ انگریزی کے پروفیسر کے آتے ہی پوری کلاس پر گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ پروفیسر نے ایک سرسری نظر سے کلاس کا جائزہ لیا پھر لیکچر شروع کر دیا۔

ندیم اختر کے برابر اپنی سیٹ پر بیٹھا نوٹس لکھنے میں مصروف تھا' فرزانہ بار بار اسے دیکھنے میں مشغول تھی۔ آج اسے نہ جانے کیا ہو گیا تھا جو اس کی نظریں بار بار ندیم کی جانب بہک رہی تھیں۔ بھولا بھولا معصوم ندیم' جس کے چہرے پر آج بڑی پُرکیف سنجیدگی مسلط تھی۔

لیکچر کے دوران ایک بار ندیم کی نگاہیں بھی اچانک فرزانہ کی سمت اٹھ گئیں۔ فرزانہ اسی کی جانب متوجہ تھی۔ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹکرائیں ندیم نے جلدی سے گھبرا کر اپنی نظریں جھکا لیں اور فرزانہ لجا کر رہ گئی۔ ندیم کی نگاہوں میں جانے کیا تھا کہ وہ اندر ہی اندر سمٹی جا رہی تھی۔ اس کے بعد اس نے چاہا بھی کہ نظر اٹھا کر ندیم کی کیفیت کا بھی اندازہ لگائے لیکن ایک انوکھا سا معصوم جذبہ ہر بار اس کی خواہش کے درمیان حائل ہوتا رہا اور وہ چاہنے کے باوجود بھی اپنے ارادہ کی تکمیل نہ کر سکی۔ اس بات کا خیال بھی دامن گیر تھا کہ اگر دردانہ یا برجیس نے اس کی کیفیت کو بھانپ لیا تو پھر اس کی زندگی دوبھر کر دیں گی چنانچہ اس نے اپنی تمام تر توجہ پروفیسر کی جانب مبذول کر دی۔ جو شیکسپیئر کی زندگی اور اس کے فن پر لیکچر دے رہا تھا۔

لیکن اسی روز جب کالج ٹائم ختم ہوا تو ایک ناخوشگوار واقعہ نے فرزانہ کی طبیعت دوبارہ مکدر کر دی۔

وہ لائبریری کے قریب سے گزر رہی تھی جہاں زاہد اپنی ٹیم کے لڑکوں کے ساتھ ندیم کو گھیرے کھڑا تھا۔ فرزانہ کی رفتار سست پڑ گئی۔

"ندیم صاحب! آج خلاف توقع آپ کو دیر کیسے ہو گئی؟" محمود نے پوچھا۔

"وقت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ریاض نے کہا۔

"میں غلط بیانی کو گناہ سمجھتا ہوں۔" ندیم کی گھمبیر آواز ابھری۔ "آپ کو اس بات کا شبہ کیسے ہو گیا کہ میں کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"ممکن ہے ہمارے راوی نے غلط اطلاع دی ہو۔" شاہد بولا۔

"اس کی شکایت آپ کو اپنے راوی سے کرنی چاہئے تھی۔" ندیم نے بڑی خندہ پیشانی سے کہا۔ پھر وہ آگے بڑھا ہی تھا کہ محمود نے پوچھا۔

"ندیم صاحب! کیا آپ ہمیں وقت بتانے کی زحمت گوارا کریں گے؟"

ندیم کے بڑھتے ہوئے قدم یکلخت رک گئے۔

"میرے پاس گھڑی نہیں ہے مسٹر محمود!"

"لیکن میں نے سنا ہے کہ کسی زمانے میں آپ کے پاس گھڑی ہوا کرتی تھی۔" زاہد نے آگے بڑھتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

"جی ہاں لیکن اب نہیں ہے۔"

"گویا ہمارے راوی کا بیان غلط نہیں تھا۔" شاہد جلدی سے بول پڑا۔

"میں سمجھا نہیں۔" ندیم نے پوچھا۔

"سمجھنا یا نہ سمجھنا آپ کے اختیار کی بات ہے مسٹر ندیم لیکن ہم تو یہی سنتے آئے ہیں کہ مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند کبھی زیب نہیں دیتا۔" زاہد کا لہجہ تضحیک آمیز ہو گیا۔

"میں اس قسم کی بے تکلفی کا عادی نہیں ہوں۔" ندیم کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو گیا۔ "ویسے بھی دوسروں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کرنا میں معیوب سمجھتا ہوں۔"

"جانے دو یار! ہمیں کیا۔" شاہد نے جلدی سے کہا۔ "کباڑی کی دکان پر سب کا

Uploaded By Nadeem

یکساں حق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کل مجھے بھی اپنی گھڑی بیچنی پڑ جائے۔"

"ٹھیک ہے' مگر گھڑی فروخت کر کے آخر سینٹ خریدنے کی کیا تک تھی؟" زاہد نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "دس بارہ روپیوں سے تو کوئی چھوٹا موٹا سستا سا تاج محل بھی خریدا جا سکتا تھا۔"

"تم لوگ بیہودہ بھی ہو یہ مجھے نہیں معلوم تھا۔" ندیم غصے سے کانپ اٹھا پھر وہ تیزی سے گھوما اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا گیٹ کی طرف چلا گیا۔

فرزانہ ٹھٹک کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو کر رہ گیا۔ گھڑی اور سینٹ کا معاملہ ایسا نہیں تھا جو وہ نہ سمجھ سکتی۔ اسے زاہد کی کمینگی پر بڑی شدت سے غصہ آ رہا تھا۔ آخر اسے ندیم کی غربت اور اس کے پُرخلوص جذبے کا مذاق اڑانے کی کیا ضرورت تھی' کیا حق تھا اسے دوسروں کے جذبات سے کھیلنے کا۔

ایک بار تو اس کے جی میں آئی کہ زاہد کو آڑے ہاتھوں لے بیٹھے لیکن پھر کسی خیال کے تحت وہ ہونٹ چباتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"مرچ ہے' مرچ۔" اس کے کانوں سے شاہد کی آواز ٹکرائی۔

"ناگن کی طرح بل کھا کر چلتی ہے۔" سلیم کا جملہ اس کے ذہن پر ہتھوڑا بن کر پڑا۔

"ہائے' کاش مجھی کو ڈس لیتی۔" محمود کی ہائے نے اس کے ذہن میں چنگاریاں بھر دیں۔

"پڑوسی کا زیادہ حق ہوتا ہے۔ ہم بھلا کس شمار و قطار میں ہیں۔" ریاض کے جملے نے چنگاریوں کو ہوا دے کر بھڑکا دیا۔

"آہستہ بولو یار! کہیں پلٹ کر ڈنک نہ مار دے۔" زاہد کی آواز ابھری اور.....

فرزانہ سچ مچ پلٹ پڑی۔ اس کا چہرہ خون کی تمازت سے دہک اٹھا۔ وہ تیر کی طرح زاہد کے قریب آ کر رکی۔ نفرت بھری نگاہوں سے اسے گھورا پھر اس کا زناٹے دار طمانچہ زاہد کے گال پر پڑا۔

محمود اور ریاض جلدی سے کھسک لئے۔ سلیم اور شاہد کو جیسے سانپ سونگھ گیا اور زاہد' وہ ہکا بکا کھڑا فرزانہ کو گھور رہا تھا۔

"دوبارہ مجھے تختہ مشق بنانے کی جرأت مت کرنا" وہ غصے سے کانپتے ہوئے بولی۔ "میں ندیم نہیں جو تم لوگوں کی رکیک فقرے بازی کو سن کر ٹال جاؤں۔ میں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی عادی ہوں۔ مجھے ان لڑکیوں میں شمار کرنے کی حماقت آئندہ کبھی مت کرنا جو تم لوگوں جیسے مہذب قسم کے لفنگوں سے مرعوب ہو جاتی ہیں۔"

فرزانہ دل کا بخار اتار کر تیزی سے پلٹی پھر سلیم اور شاہد پر حقارت بھری نظر ڈالتی ہوئی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

ماحول جو کچھ دیر پیشتر جاندار قہقہوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا یکلخت سوگوار بن کر رہ گیا۔

فرزانہ نے گاڑی میں بیٹھ کر اس کا انجن اسٹارٹ کیا پھر تیزی سے اسے گھما کر کالج کے احاطے سے باہر نکل گئی۔

زاہد چپ چاپ کھڑا اپنا گال سہلاتا رہا۔

☆======☆======☆

By Nadeem Uploaded

اگلے روز اتوار تھا۔

فرزانہ دن بھر زیادہ تر اپنے کمرے میں رہی۔ اس کا ذہن ابھی تک کالج میں پیش آنے والے واقعات کے سلسلے میں الجھ رہا تھا۔ اسی کالج میں اس نے دو سال گزارے تھے لیکن آج تک کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا جس پر اس کو صدمہ ہوتا۔ آج تک اسے کالج کے ماحول میں کبھی گھٹن کا احساس نہیں ہوا تھا۔ اس نے خود کو ہمیشہ آزاد محسوس کیا تھا لیکن گزشتہ روز جو کچھ پیش آیا تھا اس نے فرزانہ کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔

حالات نے ایک کروٹ بدلی تھی۔

اگر زاہد نے اس معاملے کو ہوا دینے کی کوشش کی تو کالج میں وہ لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان موضوع بن کر رہ جائے گی۔ پھر یہ بھی عین ممکن تھا کہ وہ باتیں گھر کی چہاردیواری تک پہنچ جاتیں اور.....

اور اس سے آگے اور کچھ بھی نہ سوچ سکی۔ اس کا ذہن ندیم کے بارے میں الجھنے لگا۔ لڑکوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سے وہ اسی نتیجے پر پہنچی تھی کہ ندیم نے محض اسے تحفہ دینے کی خاطر اپنی گھڑی کو فروخت کر دیا ہو گا۔

لیکن کیوں.....!

آخر اسے گھڑی بیچنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر وہ تحفہ نہ بھی دیتا جب بھی فرزانہ کی نگاہوں میں اسے وہی مقام حاصل رہتا جو روزِ اول سے قائم ہو چکا تھا اور اگر اس نے گھڑی فروخت کر کے بھری محفل میں اپنی عزت قائم کرنے کی کوشش کی تھی تو پھر زاہد وغیرہ کو ان باتوں کا علم کیسے ہو گیا۔

کیا خود ندیم نے انہیں آگاہ کیا ہو گا؟

کیا وہ اس حد تک اخلاقی پستی کا مظاہرہ کر سکتا ہے؟

کیا ندیم سے ان باتوں کی توقع کی جا سکتی تھی؟

نہیں..... فرزانہ کے دل نے کہا۔ ندیم اتنی گری ہوئی حرکت کا مرتکب کبھی نہیں ہو سکتا۔ زاہد کے جملوں پر اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ ندیم جو دوسروں کی بڑی سے بڑی بات سن کر ہنس کر ٹال دینے کا عادی تھا' آج یکلخت بھڑک اٹھا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا تھا اور پھر اسے فرزانہ کی موجودگی کے احساس نے شرمسار بھی کر دیا۔ زاہد کی ایک بات نے اسے اچانک کتنا بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ جھلاہٹ میں اسے بیہودہ بھی کہہ بیٹھا اور پھر خاموشی سے وہاں سے چلا گیا۔ اس نے تنہا ہونے کے باوجود چار لڑکوں کو منہ توڑ جواب دیا تھا۔

اگر گھڑی کا راز اسی کی زبانی دوسروں کو معلوم ہوا ہوتا تو اتنی جرأت کا مظاہرہ کبھی نہ کرتا۔ فرزانہ نے سوچا اور پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ندیم سے مل کر ان حالات کو معلوم کرنے کی کوشش ضرور کرے گی۔ اس نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ اگر زاہد نے اسے کالج میں بدنام کرنے کی کوشش کی تو وہ خاموش رہنے کے بجائے ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرے گی۔ محض دو چار لڑکوں کی وجہ سے وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز نہیں بنے گی۔

خواہ حالات کچھ بھی کیوں نہ ہوں.....!

شام تک وہ اپنے کمرے میں پڑی اسی قسم کے خیالات کے درمیان الجھتی رہی پھر شام کی چائے پینے کے بعد اس نے ماں سے تفریح کی غرض سے باہر جانے کی اجازت طلب کی اور باہر آ گئی۔ ڈرائیور کو اس نے پہلے ہی گاڑی نکالنے کی ہدایت کر دی تھی۔

روش عبور کرتے وقت اس کی نگاہیں شکیل پر پڑیں جو لان پر بیٹھا کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھا۔ فرزانہ کو دیکھ کر وہ تیزی سے اٹھا۔ فرزانہ نے اسے نظرانداز کر دینا چاہا لیکن وہ تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔

"سنئے....."

"جی' فرمایئے۔" فرزانہ کسی خیال کے تحت رک گئی۔ وہ شکیل سے گفتگو کر کے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ زاہد والے حادثے کا اس پر کیا اثر پڑا ہے۔

"مجھے ان حالات کا علم ہو چکا ہے جن سے آپ کو کل کالج میں دوچار ہونا پڑا تھا۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"اوہ....." فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔ "آپ کیا فرمانا چاہتے ہیں اس سلسلے میں۔"

"زاہد وغیرہ نے واقعی بیہودگی کا مظاہرہ کیا تھا۔"

"اس کی سزا ان کو مل چکی ہے۔"

"صرف اتنی سزا ناکافی ہے۔ میں اس سے باز پرس ضرور کروں گا۔"

"کس سلسلے میں؟" فرزانہ نے ایک شان بے نیازی سے دریافت کیا۔

"میں اس سے معلوم کروں گا کہ اسے اس حد تک بڑھ جانے کی ہمت کیونکر ہوئی۔" شکیل سنجیدہ ہو گیا۔

"فائدہ؟"

"دوبارہ اسے اتنی جرأت نہ ہو سکے گی۔"

"اب وہ بھی مجھ سے الجھنے کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"پھر بھی اسے مزید تنبیہہ کر دینا ضروری ہے۔"

"میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی۔"

"آپ اسے مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔"

"جاننا بھی نہیں چاہتی۔" فرزانہ نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ اگر اس نے کبھی دوبارہ اپنی کینہ پروری کا مظاہرہ کیا تو میں زیادہ سختی سے پیش آؤں گی۔"

"آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ ویسے میں ہمیشہ آپ ہی کی طرفداری کروں گا۔"

"میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔" فرزانہ خشک لہجے میں بولی۔

"میرے بارے میں کیا رائے قائم کی آپ نے؟"

شکیل نے تھوڑے توقف کے بعد قدرے دبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"میں نہیں سمجھی کہ اس سوال سے آپ کا کیا مقصد ہے؟"

فرزانہ اسے سرتاپا گھورتے ہوئے بولی۔

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ مجھ پر اس بات کا شبہہ کر رہی ہوں کہ زاہد وغیرہ کو میری شہ حاصل تھی۔"

"اگر ایسا بھی ہے تو بھی مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہو گی۔"

"آپ کو میرے بارے میں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے۔" شکیل نے کہا۔ "میں زاہد وغیرہ کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ضرور ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ کی عزت اور آپ کے مرتبے کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھا ہے۔"

"یہ آپ کا اخلاقی فرض ہے۔ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔"

"جہاں تک ندیم کا مسئلہ ہے....."

"میں غیر ضروری باتیں پسند نہیں کرتی مسٹر شکیل!" فرزانہ کا چہرہ یکلخت تمتما اٹھا۔ "ندیم کے بارے میں آپ لوگوں کا جو بھی خیال ہو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اس کے ساتھ آپ لوگوں کا رویہ انتہائی گھٹیا اور اخلاق سوز رہا ہے۔"

"جی!" شکیل فرزانہ کے اس جملے پر چونکے بغیر نہ رہ سکا۔

"مجھے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا۔" فرزانہ تنک کر بولی پھر آگے بڑھ گئی۔

شکیل کی گفتگو نے فرزانہ کے ذہن کو مزید پریشان کر دیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح یہ خبر شکیل کو ملی ہے اس طرح دوسروں کو بھی مل سکتی ہے۔ بڑی دیر تک وہ انہی خیالات میں محو رہی۔

اس کی آسمانی رنگ کی کار آج بھی انہی راستوں پر جا رہی تھی جس پر ایک روز پہلے اس کی ملاقات ندیم سے ہوئی تھی۔ وہ ندیم سے مل کر اس سے بہت ساری باتیں کرنے کی متمنی تھی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر ندیم نے اپنی گھڑی بیچ کر اسے تحفہ دینا کیوں ضروری سمجھا تھا اور یہ بھی کہ ان حالات کا علم زاہد اور اس کے ساتھیوں کو کس طرح ہو گیا۔

انہی خیالات میں غرق وہ بہت دور تک چلی گئی لیکن آج ندیم اسے نظر نہیں آیا پھر اسے یاد آ گیا کہ آج اتوار ہے۔ اس نے سوچا کیوں نہ وہ دردانہ' برجیس یا نگہت میں سے کسی کے ہاں چلی جائے لیکن پھر اس نے یہ ارادہ بھی ترک کر دیا اور گاڑی کا رخ ساحلی تفریح گاہ کی طرف موڑ دیا۔

اس سے پیشتر بھی وہ متعدد بار تفریح کی غرض سے ان اطراف میں آ چکی تھی۔ اتوار ہونے کی وجہ سے آج وہاں لوگوں کا ہجوم زیادہ تھا۔ اس لئے فرزانہ نے گاڑی پر بیٹھے بیٹھے ساحل کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی پختہ سڑک کا ایک طویل چکر لیا پھر گاڑی کا رخ واپس موڑ دیا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

ساحل کی موجوں سے ٹکرا کر اٹھنے والی نرم اور تازہ ہواؤں نے اس کے پراگندہ ذہن پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔

گاڑی خراماں خراماں چکنی اور بل کھاتی ہوئی سڑک پر چلتی رہی۔ ہوا کے نم جھونکے اس کے بالوں سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے گزر رہے تھے۔ دائیں بائیں اونچے اور سبزے سے ڈھکے ہوئے ٹیلوں پر انسانوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ جمع تھے۔ چھوٹے چھوٹے اور پیارے پیارے سے بچے اِدھر اُدھر کھیلتے پھر رہے تھے اور فرزانہ ماحول کی رنگینیوں میں گم ہو کر رہ گئی لیکن جب وہ ساحلی علاقے کے آخری موڑ سے گزری تو اس کی نظر اچانک ایک ٹیلے پر پڑی جو نسبتاً کم آدمیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ویران ویران سا نظر آ رہا تھا۔ اسی ٹیلے پر ایک اونچی جگہ پر اسے ایک جانا پہچانا چہرہ نظر آیا ..... یہ ندیم تھا۔

فرزانہ کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ اس نے گاڑی کو آگے بڑھا کر ایک سمت روکا پھر نیچے اتر کر ندیم کی طرف بڑھنے لگی۔

دبے قدموں چلتی ہوئی وہ ندیم کی پشت پر جا کر خاموشی سے کھڑی ہو گئی۔ جو چپ چاپ بیٹھا دور سمندر کی لہروں کو آپس میں گڈمڈ ہوتے دیکھ رہا تھا۔ گم صم' خاموش اور اداس۔

فرزانہ کو اس کی یہ اداسی نہ جانے کیوں بڑی ناگوار گزری۔ ماحول کی دلچسپیوں نے تو خود اس کے ذہن کی کثافتوں کو دور کر دیا تھا پھر آخر ندیم اداس اداس سا کیوں تھا' کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح وہ خاموش بیٹھا نہ جانے کن خیالات میں گم تھا۔

فرزانہ کچھ دیر تک چپ چاپ اس کی پشت پر کھڑی اسے دیکھتی رہی پھر یکلخت اس کی نگاہ ندیم کے قریب زمین پڑی جہاں انگلیوں سے فرزانہ کے خوبصورت حروف کو لکھ کر کاٹ دیا گیا تھا۔ فرزانہ نے ایک لمحے کے لئے کچھ سوچا۔ اس کی آنکھوں میں تجسس جاگ اٹھا اور پھر کسی خیال کے تحت وہ مسکرا دی۔ اس کے چہرے پر پھوٹنے والی قوس قزح قابل دید تھی۔ ندیم کی اس معصوم حرکت پر اس کا دل گنگنا اٹھا۔ اس نے فرزانہ کا نام لکھ کر مٹانے کی ناکام کوشش کی تھی لیکن حروف اب بھی اپنی جگہ قائم تھے۔

ندیم بدستور اپنے خیالات میں محو چپ چاپ بیٹھا سمندر کی لہروں میں نہ جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فرزانہ نے کچھ سوچا دل ہی دل میں مسکرائی پھر ندیم سے

چند گز دور بیٹھ گئی۔ وہ ندیم کو مخاطب کر کے اس کی اضطراری کیفیت میں مخل نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وہ ندیم کے اچانک متحیر ہو جانے کا تماشہ دیکھنے کی متمنی تھی۔

کافی دیر تک ندیم ماحول کی سحر انگیزیوں سے بے نیاز اپنے آپ میں گم رہا پھر وہ کسی گم کردہ منزل کی تلاش میں بھٹکنے والے مسافر کی طرح آہستہ سے اٹھا۔ بڑی حسرت بھری نظروں سے اس نے آخری بار زمین کے اس ٹکڑے کو دیکھا جہاں فرزانہ کے نام کے حروف نظر آ رہے تھے۔ کسی ذہنی پریشانی کے تحت اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے پھر اس نے آہستہ آہستہ گردن اٹھائی اور فلک کو ایسے انداز میں دیکھا جیسے قدرت سے اپنی محرومیوں کا گلہ کر رہا ہو۔ اس کے بعد وہ بڑی آہستگی اور تھکے تھکے انداز میں پلٹا۔ نظریں جھکائے' اداس' خاموش اور گم صم وہ فرزانہ کے قریب سے گزر گیا۔

فرزانہ اس کی ایک ایک حرکت سے لطف اندوز ہو رہی تھی لیکن جب ندیم اس پر توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گیا تو اس کے دل میں ایک خلش سی پیدا ہوئی۔ وہ ندیم کے اچانک متحیر ہو جانے کا تماشہ دیکھنا چاہتی تھی لیکن ایسا نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ تیزی سے اٹھی اور ندیم کے قریب آتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"کہاں کھو کر رہ گئے ہیں آپ؟"

ندیم فرزانہ کی مترنم آواز سن کر اس طرح چونکا جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے سہم کر جاگ اٹھا ہو۔ اس نے فرزانہ کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر ایک پھیکے سے ہیجان خیز تبسم نے اس کے مرجھائے ہوئے خشک ہونٹوں پر تڑپ کر دم توڑ دیا۔

"آپ! ..... آپ کب آئیں یہاں؟" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا۔

"بہت دیر سے یہیں موجود ہوں۔" فرزانہ دل آویز انداز میں مسکرا کر بولی۔ "آپ کو خیالات کی حسین وادیوں میں گم دیکھا تو بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔"

"مگر آپ نے مجھے کہاں سے دیکھ لیا؟"

"بس ..... دیکھ لیجئے' آپ کو ڈھونڈ ہی نکالا۔"

"میں ابھی آپ ہی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" ندیم نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا پھر جلدی سے جملے کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔"

Uploaded By Nadeem

"اگر بات ضروری ہوتی تو آپ مجھے فون بھی کر سکتے تھے۔"

"اس کی جسارت نہیں ہو سکی۔"

"یہ آپ اتنے بزدل کب سے ہو گئے؟"

فرزانہ نے ندیم کے چہرے پر چھائی ہوئی مردنی کو گھورتے ہوئے تیزی سے سوال کیا۔

"حالات نے مجھے کم ہمت بنا دیا ہے۔" ندیم نے مدھم آواز میں کہا۔

"آپ شاید مجھ سے کوئی ضروری بات کہنے والے تھے؟"

"جی ہاں!"

"پھر کہہ ڈالئے نا!"

"ڈرتا ہوں کہیں آپ غلط نہ سمجھ بیٹھیں۔"

"میں بار بار فیصلہ بدلنے کی عادی نہیں ہوں۔" فرزانہ نے نرم لہجے میں کہا۔ پھر آپ ہی آپ شرما گئی اور جلدی سے بات کا رخ بدلتے ہوئے بولی۔ "کیا کھڑے ہی کھڑے گفتگو کرنے کا ارادہ ہے۔ آیئے کچھ دیر یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔"

ندیم نے نظر اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا پھر خاموشی سے آگے بڑھ کر ایک خاموش اور پُرسکون مقام پر بیٹھ گیا۔ فرزانہ بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"اب فرمایئے' وہ ضروری بات کیا تھی؟"

"کل جو کچھ ہوا میں اس کے لئے شرمندہ ہوں۔" ندیم نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ مجھے معاف کر دیں گی؟"

"کس قصور کی معافی مانگ رہے ہیں آپ؟"

"یہی کہ آپ کو میری وجہ سے پریشان ہونا پڑا۔"

"اگر میں آپ کو معاف نہ کروں تو!" فرزانہ نے شوخی سے ندیم کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تو اسے میں اپنی بدنصیبی سمجھوں گا۔" ندیم دور خلاؤں میں جھانکتا ہوا بولا۔

"ندیم صاحب!"

"جی!"

"ایک بات پوچھ سکتی ہوں؟"

"کیا؟"

"آپ نے اپنی گھڑی کیوں فروخت کر دی تھی؟"

"جی!"

ندیم سٹپٹا گیا۔

"کیا مجھے تحفہ دینا اتنا ہی ضروری تھا؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "مبارکباد کے دو الفاظ ہی میرے لئے بہت کافی تھے۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ کچھ سوچتا رہا۔

"آپ نے میری بات کا کچھ جواب نہیں دیا۔"

"یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا جواب دوں۔"

"جو آپ کا دل کہتا ہو۔"

"اگر آپ میری جسارت پر ناراض نہ ہوں تو یہ عرض کروں کہ وہ گھڑی میرے لئے آپ کے تحفے سے زیادہ قیمتی نہیں تھی۔"

"زاہد وغیرہ کو ان حالات کا علم کیسے ہو گیا؟" فرزانہ نے پوچھا۔ لہجے میں اپنائیت تھی۔

"جس دکان پر میں نے وہ گھڑی بیچی تھی وہ محمود کے ماموں کی ہے' پہلے مجھے اس کا علم نہیں تھا۔"

"میں نے زاہد کو اس کی بیہودگی کی سزا کل ہی دے دی تھی اس لئے اب اسے دوبارہ بکواس کی ہمت نہیں ہو گی۔" فرزانہ بولی پھر ندیم کے اصرار پر اس نے پوری تفصیل سنا دی۔

"مجھے افسوس ہے کہ یہ سب کچھ میری ہی وجہ سے ہوا۔"

"بھول جایئے ان باتوں کو۔" فرزانہ نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔ "یہ بتایئے کہ آپ یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے تھے؟"

"یونہی! وقت گزارنے کی خاطر چلا آیا تھا۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ آج پھر آپ کو کسی کو بدنام کرنے کی سوجھی تھی۔" فرزانہ

Uploaded By Nadeem
ندیم

نے شوخی سے کہا۔

"جی! میں سمجھا نہیں۔" ندیم نے حیرت سے پوچھا۔

"جہاں آپ پہلے بیٹھے تھے وہاں میرے بجائے کوئی اور بھی آ سکتا تھا۔" فرزانہ بناوٹی سنجیدگی سے بولی۔ "انسان کو سوچ سمجھ کر ہی کوئی قدم اٹھانا چاہئے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھ سکا!" ندیم نے تعجب سے کہا۔

"آپ کو آخر میرا نام لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر کالج کا کوئی لڑکا دیکھ لیتا تو کیا ہوتا؟"

"مم ..... میں معافی چاہتا ہوں لیکن اس وقت....."

"آپ کے ذہن میں کوئی دوسرا نام نہیں آ سکا تھا۔ کیوں؟" فرزانہ نے جلدی سے جملہ مکمل کر دیا۔

"مجھ سے واقعی حماقت ہو گئی۔" ندیم نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔ فرزانہ کے ان اچانک جملوں نے اسے سٹپٹا دیا تھا۔

"کس بات کی حماقت کا احساس ہو رہا ہے آپ کو؟" فرزانہ نے ندیم کی موجودہ کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھا۔ "میرا نام لکھنے کی ..... یا ..... اسے لکھ کر کاٹ دینے کی؟"

ندیم خاموشی سے سر جھکائے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

"یہ بھی عنایت ہے آپ کی کہ آپ نے اسے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوشش نہیں کی۔" فرزانہ دبے لہجے میں بولی۔ نہ جانے کیوں اس وقت اسے ندیم کو چھیڑنے میں مزا آ رہا تھا۔

"میں نادم ہوں اپنی اس حرکت پر۔" ندیم نے ندامت کا اظہار کرنا چاہا۔

"اگر انسان ہر جرم پر محض ندامت کا اظہار کر کے چھوٹ جایا کرے تو پھر دنیا میں جرائم کی رفتار بہت تیزی سے بڑھنے لگے گی۔" فرزانہ بولی۔

"آپ اگر میری اس حرکت کو ناقابل تلافی سمجھتی ہیں تو جو چاہے سزا دے لیں۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

"ایک معقول سزا ہے میرے ذہن میں۔" فرزانہ کے ہونٹوں پر شرارت رقصاں

تھی۔

"بلا تکلف کہہ ڈالئے۔" ندیم سنجیدگی سے بولا۔

"سوچ لیجئے اچھی طرح' کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ کو پچھتانا پڑے۔"

"میں پچھتانے کا عادی ہو چکا ہوں' اس لئے۔"

"ندیم صاحب! کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا ناگوار گزر رہا ہے؟" فرزانہ چڑ سی گئی۔

"یہ کیسے خیال کیا آپ نے؟" ندیم نے گھبرا کر پوچھا۔

"پھر آپ یہ بار بار محرومیوں' ناکامیوں اور پچھتاووں کی داستان لے کر کیوں بیٹھ جاتے ہیں۔"

ندیم نے فرزانہ کو دیکھا پھر گردن جھکا لی۔

"وعدہ کیجئے کہ آئندہ آپ میرے سامنے اس قسم کی باتوں سے سختی سے پرہیز کریں گے۔" فرزانہ کو ندیم کے اعتراف شکست کے اس حسین انداز پر پیار آ گیا۔

"کوشش کروں گا۔"

"جی نہیں' وعدہ کیجئے۔" فرزانہ نے تحکمانہ انداز تخاطب اختیار کر ڈالا۔ "آپ نے ابھی کہا تھا کہ ہر قسم کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہیں۔ اتنی جلدی بھول گئے۔"

"یہ سزا بہت کم ہو گی میرے لئے۔"

"فی الحال یہی کافی ہے' دوبارہ اگر کوئی جرم سرزد ہوا آپ سے یا وعدے کی خلاف ورزی ہوئی تو کوئی سخت سزا بھی تجویز کر دی جائے گی۔"

"میں اس کے لئے بھی منتظر رہوں گا۔" ندیم دبی زبان میں بولا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ راہِ راست پر تو آ گئے۔"

"فرزانہ صاحبہ!"

"فرز۔ کے ساتھ صاحبہ کچھ اچھا نہیں لگتا آپ کے منہ سے۔"

فرزانہ غیر اختیاری طور پر کہہ گئی لیکن پھر خود ہی شرما کر پھولوں سے لدی ہوئی کسی نرم شاخ کی طرح لچک گئی۔

ندیم نے اسے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ فرزانہ کے شرمانے کا وہ انداز اسے بہت بھلا لگا تھا۔ کتنی معصوم لگ رہی تھی وہ اس وقت سمٹی سمٹائی سی۔

Uploaded By Nadeem

"فرزانہ!" ندیم نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔

"جی!"

"کیا میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔"

"انسان اگر چاہے تو خواب بھی حقیقت بن سکتے ہیں۔" فرزانہ نے انگلی سے زمین پر آڑی ترچھی لکیریں کھینچتے ہوئے جواب دیا۔

"یقین نہیں آتا۔"

"کس بات کا؟"

"یہی کہ قسمت اتنی جلدی مجھ پر مہربان بھی ہو سکتی ہے۔" ندیم نے فرزانہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑی آہستگی سے کہا۔

"کیوں! اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔" فرزانہ بدستور نظریں جھکائے جھکائے بولی۔

"میرا ماضی....."

"اسے بھول جائیے۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "انسان کو مستقبل سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔"

"ایک غلطی کی تلافی کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"اگر اجازت ہو تو جرأت کروں؟"

ندیم نے خوشی سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"کیا اب بھی آپ کو اجازت کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟"

ندیم نے فرزانہ کو نظر بھر کر دیکھا پھر زمین پر فرزانہ کا نام لکھنے لگا۔

فرزانہ نے کنکھیوں سے ندیم کی اس حرکت کو دیکھا اور پھر خوشی سے اس کا دل جھوم گیا۔ ایک انجانی سی مسرت اس کے پورے وجود پر چھاتی چلی گئی۔

"اسے مٹانے کا ارادہ کب تک ہے؟" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"اب ایسی غلطی نہیں کروں گا۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو پھر اپنی محرومیوں کا خیال آ جائے۔"

"میں اس خیال کو بھی اپنی زندگی کا سہارا سمجھ کر گلے لگا لوں گا۔" ندیم نے کپکپائی آواز میں جواب دیا۔ "محبت کا سہارا بہت بڑی چیز ہوتی ہے۔"

"اچھا!"

"جی ہاں۔"

"کس نے دیا ہے آپ کو یہ سہارا؟" فرزانہ نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"میں اسے ایک کرن ہی کہوں گا جو میری تاریک زندگی میں اجالا بن کر پھوٹی ہے۔"

"لیکن کرن کا وجود دیرپا نہیں ہوتا۔"

"میں اس کرن کو لازوال بنا لوں گا۔"

"اوہ! اتنا اعتماد ہے آپ کو۔"

"پہلے نہیں تھا لیکن اب ہو گیا ہے۔"

"اتنی جلدی۔"

"ہاں' قدرت کو شاید اب میرے جذبے پر رحم آ گیا ہے۔" ندیم نے جرأت کرتے ہوئے کہا۔ "دو سال سے جو حسین خواب دیکھ رہا تھا آج اس کی تعبیر میرے سامنے ہے۔"

"بڑے پرانے مجرم نکلے آپ تو۔" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے خوشی سے کہا۔

"کوئی اور سزا دے لیجئے۔" ندیم بڑے بھولے لہجے میں بولا۔ "آپ ہی کا مجرم ہوں۔"

"آیئے اب چلتے ہیں۔" فرزانہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دیر ہو رہی ہے۔"

ندیم چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔ دونوں خاموشی سے آ کر گاڑی میں بیٹھ گئے۔

فرزانہ نے گاڑی اسٹارٹ کر کے اسے جانے پہچانے راستوں پر چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر تک دونوں خاموش بیٹھے اپنے اپنے خیالات میں گم رہے پھر ندیم نے اسے مخاطب کیا۔

"فرزانہ!"

"جی!"

"دوبارہ قسمت مجھ پر کب مہربان ہو گی۔"

"جب آپ سچے دل سے قسمت کو آواز دیں گے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"کیا میری آواز منزل تک پہنچ جائے گی؟"

"اس کا احساس تو آپ کو آواز دینے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔"

"مجھے ڈر سا محسوس ہوتا ہے۔" ندیم نے کہا۔

"اب کس بات کا خطرہ محسوس کر رہے ہیں آپ؟"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا کے ہنگاموں میں میری آواز دب کر رہ جائے۔"

"آواز میں اثر ہونا شرط ہے۔" فرزانہ نے دبی زبان میں کہا۔ "ہنگامے خود بخود ختم ہو جائیں گے۔"

"سچ....." ندیم خوشی سے جھوم اٹھا۔

اور فرزانہ ندیم کو خوش دیکھ کر پھولی نہیں سما رہی تھی۔

"یہ یکایک آپ کو مجھ غریب پر ترس کیسے آ گیا؟" ندیم خوشی سے سرشار ہوتے ہوئے بولا۔

"کس خوش فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں آپ؟" فرزانہ نے شرارت آمیز سنجیدگی سے کہا۔

"یہی کہ میں آج تک خواہ مخواہ اپنی قسمت پر شاکی تھا۔"

"اب کیا دولت مل گئی ہے آپ کو جو اچانک شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔"

"میں اسے دولت نہیں بلکہ خزانہ کہوں گا۔"

"شاعری اچھی خاصی کر لیتے ہیں آپ۔" فرزانہ مسکرا دی۔

"عنوان جب سامنے ہو تو کس کمبخت کا دل شاعری کو نہ چاہے گا۔"

ندیم ترنگ میں آ گیا۔ "اور عنوان بھی اتنا حسین کہ اس پر دیوان کے دیوان تحریر کئے جا سکتے ہیں۔"

"میں تو آج تک آپ کو بہت کم گو سمجھتی تھی۔"

"کسی نے زبان پر تالے ڈال رکھے تھے۔"

"اور اب کیا ہوا؟"

"اب....." ندیم وارفتگی شوق میں دیوانہ وار فرزانہ کو گھورتے ہوئے بولا۔ "اب میرے جلاد کو مجھ پر رحم آ گیا ہے۔"

"بچ کر رہئے گا' جلاد کا دل موم نہیں' پتھر ہوتا ہے۔"

"یہی تو چونکا دینے والی بات ہے کہ پتھر اچانک موم کیسے ہو گیا؟"

گھر چونکہ نزدیک آ گیا تھا اس لئے فرزانہ نے گاڑی ایک طرف روکی پھر ندیم کو دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں سے ہمارے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔"

"غلط کہہ رہی ہیں آپ۔" ندیم جلدی سے بولا۔ "ہمارے راستے ایک ہی ہیں بس ایک دیوار حائل ہے درمیان میں۔ منزل پا لینے کے لئے مجھے صرف ایک ہی قدم بڑھانا ہو گا۔"

"اوہ! آپ نے ابھی سے اپنی منزل کا تعین بھی کر لیا۔"

"منزل کا تعین تو دو سال پہلے کر چکا ہوں۔ یہ کہئے کہ آج میں نے منزل کا سراغ پا لیا ہے۔"

"سراب کو منزل سمجھنے والے اکثر دھوکہ بھی کھا جاتے ہیں۔"

فرزانہ نے ندیم کو چھیڑنے کی خاطر ہی یہ سب جملہ کہا تھا لیکن ندیم یکلخت اداس ہو گیا۔ فرزانہ کے جملے نے جیسے اچانک اس کی مسرتوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ ایک ہی جھٹکے میں اسے وہ تمام حسین محلات منہدم ہوتے ہوئے محسوس ہوئے جو اس نے امید و بیم کی کشمکش میں تیار کئے تھے۔

چند لمحے وہ ویران ویران نگاہوں سے فرزانہ کو گھورتا رہا پھر نہ جانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے ہاتھ بڑھا کر فرزانہ کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور جذباتی آواز میں بولا۔

"میں آپ سے صرف ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ ابھی تک اس نے ندیم کے چہرے کے اس اچانک تغیر کو نہیں دیکھا تھا دیکھ لیتی تو شاید اپنے مذاق کو طول نہ دیتی۔

"کہیں تقدیر میرے ساتھ بھیانک مذاق تو نہیں کر رہی ہے۔"

"یہ سوال آپ کو کاتبِ تقدیر سے پوچھنا چاہئے۔" فرزانہ نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"مگر اس وقت میری قسمت کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"میں عالم الغیب نہیں ہوں جو لوگوں کے مستقبل کے بارے میں پیشینگوئیاں کروں۔"

"اگر یہ بات تھی تو پھر سہارا دینے کی کیا ضرورت تھی؟" ندیم نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تاریکی میں ہی بھٹکنے دیا ہوتا' روشنی کی ایک معمولی سی کرن کی بھی کیا ضرورت تھی؟"

فرزانہ نے ندیم کے لہجے کی جلن محسوس کی تو گھبرا گئی۔ اس نے پلٹ کر ندیم کو دیکھا جو مجسم سوال بنا اس کی سمت حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ فرزانہ کو ایک لحظے کے لئے اپنے مذاق پر غصہ آیا۔ پھر ندیم کی معصومیت پر اس کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔ کتنے پاکیزہ دل کا مالک تھا وہ' تصنع اور بناوٹ سے مبرا' ایک سیدھا سادا سا نوجوان۔

"ارے! ..... یہ اچانک آپ کو کیا ہو گیا؟" فرزانہ نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ دیر پہلے تک تو آپ خوب چہک رہے تھے۔"

"سراب کا پیچھا کرنے والوں کی زندگی دھوپ چھاؤں ہی تو ہوتی ہے۔" ندیم درد بھرے مغموم لہجے میں بولا۔ "آپ کو میرے تغیر پر تعجب نہیں ہونا چاہئے۔"

"وہ محض مذاق تھا ندیم صاحب!" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "اگر آپ کو میرے جملے سے صدمہ پہنچا ہے تو میں....."

"بس ..... میں یہی جاننا چاہتا تھا۔" ندیم نے جلدی سے فرزانہ کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "خدارا اس سے آگے کچھ نہ کہئے گا۔"

"آپ ہر معاملے میں بہت جلد بازی سے کام لیتے ہیں۔" فرزانہ بڑے معصوم انداز میں بولی۔ "یہ بری بات ہے۔"

"آئندہ احتیاط سے کام لوں گا۔" ندیم مسکرایا۔

"اچھا اب باقی کچھ آئندہ کے لئے بھی رکھ چھوڑیئے۔" فرزانہ اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "خاصی دیر ہو چکی ہے۔"

ندیم نے فرزانہ کو والہانہ نظروں سے دیکھا پھر دروازہ کھول کر نیچے آ گیا۔ دروازہ بند

کیا پھر کھڑکی پر کہنیاں ٹیک کر بولا۔

"صرف ایک گزارش اور کرنے کی مہلت چاہتا ہوں۔"

"فرمایئے!" فرزانہ نے اس بار براہ راست ندیم کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔

"کبھی کبھی اسی طرح مجھ پر نوازشوں کی بارش کرتی رہئے گا۔" ندیم نے شوخی سے کہا۔

"سوچوں گی۔" فرزانہ نے شرارت آمیز سنجیدگی سے جواب دیا۔ پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔

وہ رات بھی فرزانہ نے پلکوں کے نیچے گزار دی۔

وہ تمام رات سوچتی رہی۔

ندیم کے بارے میں۔

مستقبل کے بارے میں۔

زندگی کے اس نئے موڑ کے بارے میں جہاں پہنچ کر اسے ایک لذت بخش سکون کا احساس ہوا تھا۔

ایک غیر مانوس مگر جانا پہچانا سا احساس۔

جو اچانک اس کے پورے وجود پر برسات کے نرم نرم لطیف بادلوں کی طرح چھا گیا تھا۔

☆======☆======☆

کہتے ہیں عشق اور مشک کبھی چھپائے نہیں چھپتے۔

فرزانہ اور ندیم کی معصوم محبت جس تیزی سے پروان چڑھ رہی تھی اس نے بہتیروں کے کان کھڑے کر دیئے۔ کالج کے طلبا اور طالبات بھی ندیم کی اچانک تبدیلی محسوس کر رہے تھے۔ چپ چاپ اور خاموش رہنے والا ندیم اب ہر وقت ہشاش بشاش نظر آنے لگا تھا۔

پہلے وہ سب سے الگ تھلگ رہنے کا عادی تھا لیکن اب کالج میں بھی اسے جب موقع ملتا اور کوئی پیریڈ خالی ہوتا تو وہ فرزانہ کے ساتھ کسی کنج تنہائی میں بیٹھا نظر آتا۔ زاہد

Uploaded By Nadeem

اور اس کے گروہ کے لڑکوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور آپس میں چہ میگوئیاں شروع کر دیں لیکن ان میں سے کھل کر سامنے آنے کی ہمت کوئی نہ کر سکا۔ فرزانہ کے گزشتہ سخت رویے نے انہیں محتاط کر دیا تھا۔

لیکن شکیل چپ نہ رہ سکا۔ ندیم اور فرزانہ کا ساتھ اس کی نگاہوں میں کانٹا بن کر کھٹکتا رہا۔ متعدد بار اس نے سوچا کہ فرزانہ کو تنہائی میں سمجھائے لیکن اسے موقع نہ مل سکا۔ آج بھی جب اس نے ہسٹری کے خالی پیریڈ میں ندیم اور فرزانہ کو ایک ساتھ خوش گپیوں میں مصروف دیکھا تو جل بھن کر کباب ہو گیا۔

ایک خالی بنچ پر بیٹھا وہ ان کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ زاہد' سلیم' ریاض اور شاہد نے اسے آ گھیرا۔

"سناؤ ہیرو! کس سوچ میں غرق ہو؟" سلیم نے پہل کی۔

"کچھ نہیں' یونہی وقت گزار رہا تھا۔" شکیل نے بات بنانی چاہی۔

"میں نہیں مان سکتا۔" ریاض نے کہا۔ "کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔"

"مجھے سب معلوم ہے۔" زاہد کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"کیا؟" شاہد نے جلدی سے پوچھا۔

"شکیل کو اس بات کی فکر لاحق ہے کہ اگر چڑیا اڑ گئی تب کیا ہو گا؟"

"کیا مطلب؟" ریاض نے وضاحت چاہی۔

"بھئی ایک بات تو میں بھی تسلیم کروں گا۔" شاہد نے دبی زبان میں کہا۔ "ندیم واقعی چھپا رستم نکلا۔"

"اوہ! ..... تو یہ بات ہے۔" سلیم نے شکیل کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "معاملہ رقابت کا معلوم ہوتا ہے۔"

"فضول باتیں مت کرو۔" شکیل جھلا گیا۔ "ندیم جیسے لونڈے میری برابری کا دعویٰ کبھی نہیں کر سکتے۔"

"بس رہنے دو یارا!" شاہد نے تڑ سے کہا۔ "خالی خولی باتوں سے کچھ نہ ہو گا۔ کوئی تدبیر کرو تب جانیں کہ تم واقعی سورما ہو۔"

"میں اس وقت یہی سوچ رہا تھا۔" شکیل بولا۔

"صرف سوچنے سے کام نہیں چلے گا۔" زاہد نے لوہے کو گرم دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "میرا مشورہ مانو تو کسی دن ندیم سے دو دو ہاتھ کر ہی ڈالو۔"

"لیکن اس میں ندیم کا کیا قصور ہے؟" ریاض بولا۔ "اپنی فرزانہ صاحبہ بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ جب دیکھو ندیم کے ساتھ کولہے سے کولہا ملائے بیٹھی رہتی ہیں۔"

"بڑی تیزی کے ساتھ پر نکالے ہیں۔" شاہد نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"فرزانہ سے زیادہ اس میں ندیم کا قصور ہے۔" زاہد نے تیزی سے کہا۔ "میں نے تو پہلے ہی روز کہا تھا کہ چھپا رستم ہے۔ وہ سنجیدگی اور بردباری تو محض لڑکیوں کو راغب کرنے کے لئے تھی۔"

"پھر! اب کیا ارادہ ہے؟" ریاض نے پوچھا۔

"میں اندھا نہیں ہوں' سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔" شکیل نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن ندیم کو بہرحال میرے مقابلے میں ہتھیار ڈالنے پڑیں گے۔"

"ایک طریقہ ہے میرے ذہن میں۔" زاہد بولا۔

"وہ کیا؟"

"تم اپنی پھوپھی سے کہہ کیوں نہیں دیتے کہ ان کی صاحبزادی آج کل کیا گل کھلا رہی ہے۔" زاہد نے مشورہ دیا۔

"اس طرح سانپ بھی مرجائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی۔"

"مناسب مشورہ ہے۔" شاہد نے تائید کی۔

"لیکن اس سے کیا ہو گا؟" سلیم نے پوچھا۔ "اس طرح تو بات بننے کے بجائے بگڑ جانے کا اندیشہ ہے۔"

"وہ کیسے؟" ریاض نے پوچھا۔

"ارے بھائی بڑی موٹی سی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ فرزانہ کو اس بات کا علم ضرور ہو گا کہ اس پر ماں کی طرف سے نازل ہونے والے عتاب کی جڑ بنیاد کیا ہے۔ اس کا خیال سو فیصدی شکیل کی طرف جائے گا اور پھر اس کی نفرت بھی بڑھ جائے گی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟" زاہد نے شکیل سے پوچھا۔

"پھوپھی جان کو تو خیر میں سنبھال لوں گا لیکن قبلہ بیرسٹر صاحب بیٹی کو بہت زیادہ

Uploaded By Nadeem
ندیم

چاہتے ہیں۔ ان کو سمجھانا مشکل بات ہے۔" شکیل بولا۔ "کوئی اور تدبیر اختیار کرنی ہو گی۔"

"پھر یہی کرو کہ کسی روز ندیم کو آڑے ہاتھوں لے ڈالو۔ پہلے ہی وار میں اگر وہ بھاگ نہ کھڑا ہوا تو میرا ذمہ۔" ریاض بولا۔ "انتہائی ڈرپوک اور بزدل واقع ہوا ہے۔"

"نہیں' یہ طریقہ بھی سودمند نہیں رہے گا۔" شکیل نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "کوئی ایسا مؤثر طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"جو مناسب سمجھو کرو لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ تم خیالی منصوبے بناتے رہو اور وہاں معاملہ زیادہ سنگین ہو جائے۔" زاہد نے چبھتے ہوئے الفاظ میں کہا۔

"ایک اسکیم میری عقل ناقص میں بھی آئی ہے۔" سلیم بولا۔ "اگر کہو تو پیش کروں۔"

"کیا؟"

"تم اپنے والد کو خط لکھ کر ان پر اپنا عندیہ ظاہر کر دو' حالات خود بخود سازگار ہو جائیں گے۔"

"وہ کیسے؟" شاہد نے پوچھا۔

"دھیرج سے کام لو۔ ابھی میں نے پوری اسکیم واضح نہیں کی۔" سلیم نے کہا پھر شکیل کو سمجھاتے ہوئے بولا۔ "پہلے خط میں تم صرف دبی زبان میں اپنے خیال کا اظہار کرو۔ اس کے بعد صاف صاف لکھ دو کہ یہاں کیا کھچڑی پک رہی ہے اور یہ کہ اگر اس معاملہ میں ڈھیل دی گئی تو نتیجہ مخالفت میں برآمد ہو گا۔ خط کا مضمون کچھ اس قسم کا ہونا چاہئے کہ تمہارے والد صاحب پہلی ٹرین سے یہاں آ جائیں اور اس کے بعد ظاہر ہے کہ جو کچھ کھچڑی تمہارے والد اور پھوپھی کے درمیان پکے گی تم اس کے لئے موردِ الزام نہیں ٹھہرائے جا سکتے۔"

"فائن' بہت دور کی کوڑی لائے ہو۔" زاہد نے سلیم کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تسلیمات عرض کرتا ہوں۔" سلیم نے جھک کر سلام کیا۔

"تمہاری کیا رائے ہے؟" شاہد نے شکیل سے پوچھا۔

"ہاں! یہ طریقہ کار زیادہ مؤثر اور مناسب رہے گا۔"

"پھر نیک کام میں دیر کس بات کی ہے؟" ریاض نے کہا۔ "آج ہی لکھ ڈالو اپنے قبلہ بزرگوار کو ایک عدد ایسا خط جو ان کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔"

شکیل نے دوستوں کے مشورے پر اسی وقت کاغذ اور قلم سنبھال کر خط کا مضمون بنانا شروع کر دیا۔ زاہد دل ہی دل میں اپنی فتح پر مسکرا رہا تھا۔ فرزانہ کے لگائے ہوئے تھپڑ نے اس کو انتقامی کارروائی پر مجبور کر دیا تھا اور اب اس کا یہی ایک طریقہ اس کے ذہن میں تھا کہ کسی طرح فرزانہ اور ندیم کے راستے میں حائل ہو جائے۔ شکیل کے بارے میں اسے بخوبی معلوم تھا کہ وہ فرزانہ کو اپنانے کے خواب دیکھ رہا تھا چنانچہ اس وقت وہ شاہد' سلیم اور ریاض کو لے کر اسی غرض سے اس کے پاس آیا تھا کہ اس کے کان بھر سکے اور اسے اپنے مقصد میں ناکامی نہیں ہوئی۔ سلیم کے مشورے نے اس کی شکل حل کر دی۔

عین اسی وقت جب شکیل اپنے والد کو خط لکھنے میں مصروف تھا دوسری جانب ندیم فرزانہ کو سمجھا رہا تھا۔

"ہمارا اس طرح کھلے عام ملنا دوسروں کے لئے اعتراض کے مواقع فراہم کر سکتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔" فرزانہ نے تعجب سے پوچھا۔

"دیکھنے والی نگاہیں اور کہنے والی زبان پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔"

"اوہ!" فرزانہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "آپ کو ابھی سے خطرات کا خوف لاحق ہو گیا۔"

"میں نے کوئی غلط بات نہیں کہی۔"

"پھر کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" فرزانہ نے کہا۔ "کیا میں آپ سے ملنا جلنا ترک کر دوں؟"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" ندیم گڑبڑا گیا۔

"پھر کیا تھا آپ کا مطلب۔" فرزانہ نے ندیم کی بوکھلاہٹ ... محظوظ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ ہم کالج کے بجائے کہیں اور بھی مل سکتے ہیں۔"

Uploaded By Nadeem

"کیوں' کالج میں کیا حرج ہے؟"

"ہم دوسروں کے لئے موضوع بحث بن جائیں گے۔"

"ویسے بھی پست ذہنیت کے لڑکوں نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔" فرزانہ یکلخت سنجیدگی سے بولی۔

"انہیں مزید زبان کھولنے کا موقع کیوں فراہم کیا جائے۔"

"کرنے دیجئے ان لوگوں کو بکواس۔ مجھے اس کی مطلق پرواہ نہیں ہے۔"

"مجھے دوسروں سے زیادہ اپنوں سے ڈر لگتا ہے۔" ندیم نے سر جھکا کر دبی زبان میں کہا۔

"کیا مقصد؟" فرزانہ ندیم کا مافی الضمیر نہیں سمجھ سکی۔

"میرا اشارہ شکیل کی طرف ہے لیکن دیکھئے آپ برا مت مانیئے گا۔" ندیم نے سنجیدگی سے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اکثریوں محسوس کیا ہے جیسے ہمارا میل جول انہیں پسند نہیں ہے۔"

"نہ ہو' فرق کیا پڑتا ہے؟"

"شکیل آپ کا قریبی عزیزدار ہے۔"

"ہوا کرے لیکن یہ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ اس رشتے کے اعتبار سے مجھ پر حق جتانے کی کوشش بھی کرے۔" فرزانہ نے تنک کر کہا۔

"طوفان کبھی کہہ کر سر نہیں ابھارا کرتے۔"

"گویا آپ طوفانوں سے ٹکرانے کی ہمت نہیں رکھتے۔"

"غلط مت سمجھو فرزانہ۔" ندیم تڑپ کر بولا۔ "میں آپ کی وجہ سے فکرمند ہوں۔"

"میری وجہ سے' وہ بھلا کیوں؟"

"اس لئے کہ آپ ایک مشرقی عورت ہیں۔" ندیم نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ آپ کو حالات کا مقابلہ کرنے میں دشواری پیش آئے۔"

"اس خیال کو دل سے نکال دیجئے۔" فرزانہ ایک عزم مصمم کے ساتھ بولی۔ "میں عورت ضرور ہوں لیکن نیلام گھر میں رکھی ہوئی چینی کی گڑیا نہیں ہوں جو چپ چاپ نیلام

ہو جاتی ہے۔"

"والدین کا احترام مانع ہو جائے گا۔"

"میں والدین کی نافرمانی کو کفر سمجھتی ہوں لیکن مجھے ان کی ذات پر بھروسہ ہے۔"

"دریا کے تیز بہاؤ نے اگر اپنا رخ موڑ دیا تب کیا ہو گا۔"

"میں مقابلہ کی ہمت رکھتی ہوں۔"

"شکیل کی دوستی ان افراد سے بھی ہے جو ناکامی سے تلملا کر اوچھے ہتھیار بھی استعمال کر سکتے ہیں۔"

"خیال ہے آپ کا' شکیل میرے راستے کی دیوار نہیں بن سکتا اور اگر کبھی ایسا ہوا تو میں اس دیوار کو توڑ ڈالوں گی۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرزانہ کو ایک نظر دیکھا پھر گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔

فرزانہ بڑی سنجیدگی سے ندیم کو دیکھتی رہی۔ اس نے ندیم کے احساسات کی گہرائیوں کو سمجھا اور پھر دل ہی دل میں مسکرا دی۔ چند ثانیئے تک اسے پیار بھری نظروں سے گھورتی رہی پھر قدرے بے تکلف انداز میں بولی۔

"ندیم! ایک بات پوچھوں؟"

"جی!" ندیم کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔

"اگر واقعی تمہارے خدشات درست ثابت ہوئے تو کیا ہو گا؟"

"میں اپنی بے بسی پر آنسو بہا کر خاموش ہو جاؤں گا۔" ندیم اداس لہجے میں بولا۔

"مجھے حالات کے بھنور میں تنہا چھوڑ دو گے؟" فرزانہ نے جذباتی انداز میں پوچھا۔ ندیم کے جواب نے اسے بے چین کر دیا۔ شاید اسے کسی اور جواب کی امید تھی۔

"ساتھ نہیں دو گے میرا۔"

"ڈر لگتا ہے۔" ندیم نے مغموم آواز میں کہا۔

"طوفان سے' کیوں؟"

"نہیں' اپنے حالات سے۔"

"حالات بدلے بھی جا سکتے ہیں۔" فرزانہ بولی۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"میں اس سلسلے میں کوتاہی نہیں کروں گا۔"

"پھر یہ اداسی کس لئے ہے؟"

"مجبوریوں کا احساس جب حد سے تجاوز کر جائے تو اداسی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔"

"مرد ہو کر ہمت ہارنے والی باتیں کر رہے ہو۔"

"میں نے ایک متوقع اندیشے کا اظہار کیا تھا۔" ندیم نے تیزی سے کہا۔ "ہمت نہیں ہاری ہے۔"

"جھوٹ' ابھی تم نے کہا تھا کہ اگر طوفانوں نے سر اٹھایا تو تم مجھے تنہا چھوڑ دو گے۔"

"اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہوں۔"

"ندیم!"

"ہوں۔"

"اگر تمہارے اندر حالات سے ٹکرا جانے کی ہمت نہیں تھی تو اتنا آگے بڑھنے کی جسارت کیوں کی تھی؟"

"تمہاری حوصلہ افزائی کے سہارے۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔

"وہ تمہیں آئندہ بھی حاصل رہے گا۔" فرزانہ نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"فرزانہ!"

"جی!"

"اگر مجھے تمہارا سہارا حاصل رہا تو میں بڑے سے بڑے طوفان سے ٹکرا جاؤں گا لیکن....."

"لیکن کیا؟"

"میں بزرگوں کے سامنے زبان کھولنے سے گھبراتا ہوں۔"

"اپنا حق مانگنا کوئی معیوب بات نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے' مگر شکیل....."

"جہنم میں گیا شکیل۔" فرزانہ تلملا گئی۔ "وہ اتنی جسارت کبھی نہیں کر سکتا۔"

"اچھا تو ایک وعدہ کرو۔"

"کیا؟"

"تم ہمیشہ میرا ساتھ دو گی' میری ہمت بڑھاتی رہو گی' تمہاری خاطر میں سب کچھ کر گزروں گا۔" ندیم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "خواہ اس کا انجام کچھ بھی کیوں نا ہو؟"

"منظور ہے' میں ساتھ دینے کا وعدہ کرتی ہوں۔"

"سچ!"

"ہاں۔" فرزانہ نے جھکی جھکی نظروں سے کہا۔

"وعدے سے منحرف تو نہیں ہو جاؤ گی۔"

"میں ندیم نہیں' فرزانہ ہوں۔" فرزانہ نے شوخی سے کہا اور ندیم اس برجستہ جملے سے خفیف سا ہو کر رہ گیا۔

پھر قریب سے کھنکتے ہوئے قہقہے ابھرے اور ندیم اور فرزانہ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئے۔ برجیس نگہت اور دردانہ کے ساتھ ہنستی بولتی انہی کی سمت آ رہی تھی۔

ندیم اور فرزانہ نے جلدی جلدی اپنی کتابیں کھول لیں۔

"بہت خوب۔" دردانہ نے فرزانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم یہاں چھپی بیٹھی ہو اور ہم تمام کالج میں تمہیں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں۔"

"آؤ بیٹھو۔" فرزانہ بولی۔

"نہ بابا!" برجیس نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہاری پڑھائی میں مخل نہیں ہونا چاہتے۔"

فرزانہ ہنس کر چپ ہو گئی۔

"امتحان کی تیاریاں ہو رہی ہیں' کیوں؟" دردانہ نے پوچھا۔

"ہاں' تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" فرزانہ بولی۔ چپ رہنے کی صورت میں اسے خدشہ تھا کہ وہ سب ہی پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جائیں گی۔

"نہیں! بھلا مجھے کیا اعتراض ہونے لگا۔" دردانہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ "اللہ تمہیں کامیاب کرے' آمین!"

"ندیم صاحب بھی بہت گہرے مطالعہ میں مشغول نظر آ رہے ہیں۔" برجیس نے

Uploaded By Nadeem
ندیم

ندیم کو مخاطب کیا اور ندیم جلدی سے کتاب بند کر کے مسکراتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"لیجئے صاحب! اگر آپ کو میرے مطالعہ پر اعتراض ہے تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ آپ فرصت میں مطالعہ کرنے کے عادی ہیں؟" دردانہ نے ندیم کو چھیڑا۔

"کوئی بری بات تو نہیں ہے۔" ندیم نے کنکھیوں سے فرزانہ کو دیکھ کر دردانہ کو جواب دیا۔

"بالکل نہیں' بڑے شوق سے مطالعہ کرتے رہئے لیکن سنا ہے اس بار امتحان سخت ہو گا۔"

"کسی نے بہکا دیا ہے تجھے۔" فرزانہ بھی اٹھتے ہوئے بولی۔ "کامیابی اور ناکامی خدا کے ہاتھ ہے۔ کوشش ہمارا فرض ہے۔ ابھی سے نتیجے کی فکر کر کے جان گھلانے سے کیا فائدہ؟"

"ندیم صاحب کی کامیابی تو یقینی ہے۔" نگہت نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔ "محنت بھی تو دل لگا کر کرتے ہیں۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو تم۔" برجیس پھٹ سے بول پڑی۔ "جب تک دل نہ لگایا جائے اس وقت تک نہ تو محنت ہو سکتی ہے اور نہ کامیابی کا یقین ہو سکتا ہے۔"

فرزانہ چونکہ برجیس کے قریب کھڑی تھی اس لئے اسے موقع مل گیا۔ ندیم کی نظر بچا کر اس نے اس زور کی چٹکی بھری کہ برجیس تلملا کر رہ گئی۔ دردانہ نے چونکہ یہ حرکت دیکھ لی تھی اس لئے وہ بھلا کیسے خاموش رہ سکتی تھی۔

"ابھی سے یہ عالم ہے تو بعد میں کیا ہو گا؟"

جواب میں فرزانہ نے دردانہ کو بھی اس انداز میں گھور کر دیکھا جیسے وہ اس سے بھی انتقام لینے کا ارادہ رکھتی ہو۔ اس بار بھی دردانہ چپ نہ رہی۔

"مطمئن رہو' مجھ سے تم کو کوئی کھٹکا نہیں ہونا چاہئے' ویسے بھی مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہے"

ندیم سب کچھ سمجھنے کے باوجود انجان سا بنا کھڑا رہا۔

"ندیم صاحب!" نگہت نے کہا۔ "کبھی مجھے بھی وقت نکال کر پڑھا دیا کیجئے۔"

"بڑے شوق سے تیار ہوں۔" ندیم نے معصومیت سے جواب دیا۔

"کیوں فرزانہ!" برجیس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں تو کوئی اعتراض نہ ہو گا؟"

"مجھے بھلا کیوں اعتراض ہونے لگا؟" فرزانہ نے چیں بچیں ہوتے ہوئے جواب دیا۔

ندیم نے برجیس کو کنکھیوں سے دیکھا پھر بڑے دل آویز انداز میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"اب بتاؤ میری بنو! کہاں تک پہنچی ہو؟" دردانہ نے ندیم کے جاتے ہی فرزانہ سے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" فرزانہ نے تجاہل عارفانہ سے کام لینا چاہا۔

"کون سا سبق پڑھ رہی تھیں ندیم سے۔"

"اللہ سمجھے گا تم سے۔" فرزانہ نے گلنار ہوتے ہوئے کہا۔

"اللہ تو پہلے ہی دن سے سمجھ رہا ہے لیکن ہمیں بہت بعد میں اطلاع ہوئی۔" برجیس ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولی۔ "خیر! کفر تو ٹوٹا کسی طرح۔"

"فرزانہ کو تو خیر میں بہت عرصہ سے سمجھ رہی ہوں لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ آخر پتھر میں جونک کیسے لگ گئی۔" دردانہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"محبت کی تپش تو لوہے کو بھی پگھلا کر موم کر دیتی ہے۔ وہ غریب تو....." برجیس اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ فرزانہ نے ایک بار پھر بڑی زور سے چٹکی بھری تھی۔

"ارے بابا! یہ غصہ مجھ پر کیوں اتارا جا رہا ہے۔" برجیس اپنی کمر سہلاتی ہوئی بولی۔ "میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"

"اللہ رحم کرے اس بے چارے کے حال پر۔" دردانہ نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے سرد آہ بھری۔ "بے چارا تمام زندگی جسم ہی سہلاتا رہے گا۔"

"بات کیا ہے آخر! کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔" نگہت نے حیرت سے دردانہ اور برجیس کا منہ تکتے ہوئے کہا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"اتنی جلدی کیا پڑی ہے تمہیں سمجھنے کی۔" برجیس بولی۔ "جب تمہارا وقت آئے گا تو تم بھی سب کچھ سمجھنے لگو گی۔"

"آئی سی۔" نگہت فرزانہ کو دیکھتی ہوئی بولی۔ "دال میں کچھ کالا معلوم ہوتا ہے۔"

"اچھا جی' اب تم بھی بالغوں جیسی باتیں کرنے لگیں۔" فرزانہ نے نگہت کو گھورا۔

"تخم تاثیر سنگت کا اثر اسی کو کہتے ہیں۔" دردانہ نے پھر فرزانہ پر فقرہ چست کیا۔

"اور اثر بھی ایسا کہ نہ کبھی سنا نہ دیکھا۔" برجیس بولی۔ "ایک میں بھی تو ہوں' شکیل سے باقاعدہ محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہوں لیکن کسی کو کان و کان خبر نہیں ہوئی۔"

"بھئی تم ٹھہریں تجربہ کار' بھلا میں تمہارا مقابلہ کہاں کر سکتی ہوں۔" فرزانہ نے برجستہ جواب دیا اور اس جواب پر سب ہی ہنس پڑیں۔

پھر چونکہ دوسرے پیریڈ کا گھنٹہ بج گیا تھا اس لئے وہ ہنستی بولتی کلاس روم کی طرف چلی گئیں۔

☆======☆======☆

اس شام اسے ساگر کے نہ آنے کا بڑی شدت سے احساس ہوا تھا۔

ساگر کی غیر حاضری کوئی خاص تشویش طلب بات نہیں تھی وہ اکثر ایک دو روز کے لئے غائب ہو جاتا تھا۔ روزمرہ آنے کے لئے پابند نہیں تھا لیکن آج۔

آج جب فرزانہ کالج سے ہنسی خوشی گھر پہنچی تو ماں نے دیکھتے ہی برا سا منہ بنا کر کہا تھا کہ ساگر کی طبیعت خراب ہے اور وہ دو ایک روز تک نہ آ سکے گا۔

"اطلاع دینے کون آیا تھا امی جان!" فرزانہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اے' میں کوئی پہچانتی ہوں اس کو کہ وہ کون تھا؟" شبانہ بیگم نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ "ہو گا تمہارے ساگر صاحب کا شاگرد کوئی ..... میں نے تو جب سے اس کی صورت دیکھی ہے کئی بار ابکائی آ چکی ہے ..... اے نوج کوئی ایسا صورت حرام ہو۔"

فرزانہ ماں کے جملوں پر مسکرا دی لیکن پھر اچانک وہ سنجیدہ ہو کر ماں کو دیکھنے لگی۔ اس کے ذہن میں اچانک ساگر کی صورت ابھر آئی تھی۔ ساگر بھی تو بد ہیت تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ خود ہی اپنی بیماری کی اطلاع کرنے چلا آیا ہو۔ پتہ نہیں ماں نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہو۔ پہلے کبھی انہوں نے ساگر کو نہیں دیکھا تھا۔ ممکن ہے اس کا کوئی

ملازم سمجھ کر سخت سست کہہ دیا ہو۔ اس خیال نے فرزانہ کو بے چین سا کر دیا۔

"ساگر انکل کی بیماری کی اطلاع کب ملی تھی۔" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"دوپہر کو آیا تھا وہ بھوت۔"

"بھوت!" فرزانہ چونکی۔ "کیا آپ نے اسے دیکھا تھا؟"

"اے مجھے کیا خبر تھی کہ وہ ملک الموت صفت وہاں برآمدے میں چھپا کھڑا ہو گا۔ اگر مجھے علم ہوتا تو کبھی ادھر کا رخ نہ کرتی۔ میں تو ملازم کو آواز دینے ادھر چلی گئی تھی۔ دیکھا تو وہ بھتنا وہاں کھڑا تھا۔" شبانہ بیگم نے سچ مچ جھرجھری لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے دیکھ کر تمہارے بارے میں پوچھنے لگا اور پھر مجھے ایسی نگاہوں سے گھورنے لگا جیسے کچا چبا ڈالنا چاہتا ہو۔ خوف کے مارے میں جلدی سے اندر چلی آئی۔"

"کیا کہا تھا اس نے؟"

"میری سمجھ میں اس کی پوری بات ہی کب آئی تھی' بس اتنا ہی سمجھ میں آیا کہ ساگر صاحب بیمار ہیں شاید دو چار روز تک غیر حاضر رہیں گے۔" شبانہ بیگم بڑے ٹھسے سے بولیں۔ "میرا بس چلے تو ایسے تمام صورت حراموں کو پکڑوا کر بیچ سمندر میں غرق کرا دوں۔"

"کیسی صورت شکل تھی اس کی امی حضور!" فرزانہ نے جلدی سے پوچھا۔

"اے لڑکی تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا' میں کوئی اس کی صورت دیکھنے کے لئے وہاں رکی تھی۔"

"پھر بھی' کچھ تو دیکھا ہو گا آپ نے؟" فرزانہ نے اصرار کیا۔

"کڑھائی میں ابلا ہوا لگ رہا تھا۔" شبانہ بیگم نے حقارت بھرے انداز میں کہا۔ "چہرے پر شاید سیاہ چکتے بھی موجود تھے۔ بال جھلسے جھلسے سے تھے اور آنکھیں' اف میرے خدا' پہلی نظر میں تو یہی سمجھی تھی کہ قبر سے کوئی مردہ نکل بھاگا ہو۔ ویسے لباس برا نہیں تھا لیکن تم کو اس کے بارے میں اتنی چھان بین کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟"

"اف امی جان!" فرزانہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ "آپ نے تو غضب کر دیا۔"

"کیا؟" شبانہ بیگم نے بیٹی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

Uploaded By Nadeem ندیم

"وہ ساگر انکل خود ہی تھے امی جان!"

"کیا وہی تم کو روز مصوری سکھانے آتا ہے؟" شبانہ بیگم نے حیرت سے بیٹی کے چہرے کو دیکھا۔

"ہاں امی جان! آپ نے کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کہہ دی تھی؟"

"جہنم میں گئی بات' پہلے تو تم یہ بتاؤ کہ کہیں تم مجھ سے مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟"

"مذاق نہیں امی جان! یہ حقیقت ہے کہ وہی ساگر انکل ہیں۔" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے جواب دیا۔

"اے مجھے تو وہ شکل سے جرائم پیشہ لگ رہا تھا۔ شاید کسی نے تیزاب پھینکا ہو گا اس کے چہرے پر۔" شبانہ بیگم کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھر آئے۔ "اگر سوتے میں بھی خیال آگیا تو چیخ مار کر جاگ اٹھوں گی۔"

"آپ نے انکل سے بیٹھنے کو بھی نہیں پوچھا۔"

"دماغ چل گیا ہے تمہارا' اے میں کوئی جانتی تھی کہ وہی تمہارے ساگر صاحب ہوں گے' مجھے تو اب تمہاری عقل پر بھی حیرت ہو رہی ہے کہ تم اس کو برداشت کیسے کرتی ہو؟"

"آپ نے انہیں کبھی قریب سے نہیں دیکھا امی جان! انکل کا چہرہ جتنا بھیانک ہے ان کا دل اتنا ہی خوبصورت ہے۔ بڑے عظیم فنکار ہیں۔"

"خاک۔" شبانہ بیگم تنک کر بولیں۔ "جو خود بدصورت ہو وہ بھلا خوبصورت تصویریں کہاں بنا سکتا ہے۔ اگر میں پہلے روز اسے دیکھ لیتی تو اس کا سایہ بھی تم پر نہ پڑنے دیتی۔"

"آپ کیسی بات کر رہی ہیں امی جان! کیا بدصورت لوگ اچھے کردار کے مالک نہیں ہوتے۔" فرزانہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ نہ جانے کیوں اسے ماں کے منہ سے ساگر کی شان میں نکلے ہوئے جملے بھی سخت ناگوار گزرے تھے۔ ماں کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اس سے الجھ پڑتی لیکن ماں کے رتبے کے احساس نے اسے مجبور کر دیا تھا۔

"بس رہنے دو اپنی قابلیت۔" شبانہ بیگم چڑ گئیں۔ "آنے دو اپنے ابو کو میں ان سے پوچھوں گی کہ آخر انہیں کیا سوجھی تھی کہ ایسے آڑے ترچھے چہرے والے فنکار کو پکڑ

لائے۔ ہونہہ' بڑی آئیں مجھے درس اخلاق دینے والی۔"

شبانہ بیگم نے فرزانہ کو غصیلی نظروں سے گھورا پھر منہ ہی منہ میں بدبداتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

فرزانہ بل کھا کر رہ گئی۔ ماں کے کہے ہوئے جملے اس کے ذہن میں بری طرح چبھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک وہ اپنی جگہ کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر سیدھی اپنے اسٹوڈیو میں آ گئی جب یہاں بھی دل نہ لگا تو بیرونی لان پر آ کر چہل قدمی شروع کر دی۔

کسی انجانے جذبے نے اسے صورت سیماب مضطرب کر رکھا تھا۔ "بی بی جی! بیگم صاحبہ چائے پر آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" ایک ملازمہ نے اس کے قریب آ کر بڑے مؤدب لہجے میں کہا۔

فرزانہ نے چونک کر ملازمہ کو دیکھا پھر سخت لہجے میں بولی۔

"مجھے چائے کی خواہش نہیں ہو رہی ہے۔ امی جان سے کہہ دو کہ وہ شکیل کے ساتھ ناشتہ کر لیں' جاؤ۔"

ملازمہ کے لئے فرزانہ کا طرز تخاطب پریشان کن تھا۔ اس سے پہلے اس نے کبھی فرزانہ کو اس انداز میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا تھا' چنانچہ ایک لمحہ کے لئے اس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس نے عجیب عجیب نظروں سے فرزانہ کو دیکھا پھر سر جھکا کر جانے کے لئے پلٹی ہی تھی کہ فرزانہ نے اسے آواز دے کر دوبارہ روک لیا۔

"جی بی بی جی!"

"میں باہر جا رہی ہوں' اگر امی جان یا ابا حضور پوچھیں تو کہہ دینا ساگر انکل کی عیادت کو گئی ہوں۔" فرزانہ نے تیزی سے کہا پھر قدم بڑھاتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کی دراز سے اس نے ساگر کا کارڈ نکالا اور پھر باہر آ گئی۔ گیراج سے گاڑی نکالی اور ساگر کی عیادت کے لئے روانہ ہو گئی۔

تمام راستے اس کا ذہن ساگر میں الجھا رہا۔ آج پہلا اتفاق تھا جب وہ ماں سے براہ راست اجازت طلب کئے بغیر ہی گھر سے نکل آئی تھی۔ ساگر کی بیماری کی اطلاع نے اسے یکلخت بے چین کر دیا تھا پھر ماں کے الفاظ بھی اسے گراں گزرے تھے۔

انہی خیالات میں غرق وہ اپنی منزل مقصود تک پہنچ گئی۔ احتیاطاً اس نے ساگر کے

Uploaded By Nadeem ندیم

ایڈریس کارڈ پر دوبارہ نظر ڈالی پھر مطمئن سی ہو کر نیچے آ گئی۔

عمارت عظیم الشان تھی لیکن ساگر کے فلیٹ میں قدم رکھتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ کمرے کی بے سروسامانی دیکھ کر اسے دکھ سا ہوا تھا۔ ہر شے بے ترتیب نظر آ رہی تھی۔ ہر چیز پر ویرانی برس رہی تھی۔

کمرے میں موجود تمام چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ مصوری کے اعلیٰ شاہکار گرد آلود حالت میں اِدھر اُدھر پڑے ہوئے تھے۔ بستر پر شاید مہینوں سے توجہ نہیں دی تھی۔ پہننے کے کپڑے بھی بدسلیقہ طور پر بکھرے ہوئے تھے۔

فرزانہ کو اس ابتری پر بڑی روحانی تکلیف محسوس ہوئی' وہ سوچنے لگی۔

کیا اس عظیم فنکار کا دنیا میں کوئی اور نہیں ہے؟

کوئی ایسا مونس ..... جو اس بے سروسامانی کی حالت میں اس کا ساتھ دے سکتا۔

کوئی غم خوار ..... جو اس کی ویرانیوں کو دور کرنے کی کوشش کرتا۔

کیا کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو سلیقے سے اس کا کمرہ ٹھیک کر دیتا۔

اس کا بستر بدل دیتا۔

اس کی پریشانیوں کا احساس کر سکتا۔

اس کے فن کے عظیم شہ پاروں سے گرد اور دھول کو علیحدہ کرتا۔

فرزانہ مورت بنی کھڑی سوچتی رہی پھر اچانک اسے ساگر کا خیال آیا اور وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں ساگر ایک گرد آلود سی کرسی پر آنکھ بند کئے نڈھال سا پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر کربناک سنجیدگی کے گہرے نقوش بہت واضح طور پر بکھرے ہوئے تھے۔ سامنے رکھی ہوئی میلی سی میز پر رکھا ہوا ایش ٹرے سگریٹ کے ادھ جلے ٹکڑوں سے بھر چکا تھا۔

ماحول پر کثیف دھواں پھیلا ہوا تھا جو غالباً ساگر کے وجود کو بھی اپنے اندر مدغم کر لینے کے لئے اردگرد منڈلا رہا تھا۔

فرزانہ ساگر کی اس کسمپرسی پر تڑپ اٹھی۔ دبے قدموں چلتی ہوئی اس کے قریب گئی پھر بڑی آہستگی سے ساگر کو آواز دی۔

"کون.....؟" ساگر نے آنکھیں کھول کر ویران ویران اور اداس نگاہوں سے

فرزانہ کو دیکھا پھر نہ جانے کیوں اس کی نگاہیں آپ ہی آپ بھر آئیں۔

"انکل! آپ کی طبیعت اب کیسی ہے۔" فرزانہ نے عقید تمندانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"ٹھیک ہوں' بیٹھ جاؤ بیٹی۔" ساگر نے مغموم لہجے میں کہا۔

فرزانہ آگے بڑھ کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی لیکن اس کی نظریں بدستور ساگر کے چہرے پر پھیلی ہوئی ویرانیوں کے پیچھے کچھ تلاش کرنے کی سعی لاحاصل میں مصروف تھیں۔

"مجھے امی جان نے بتایا تھا کہ آپ بیمار ہیں۔" فرزانہ تھوڑے توقف کے بعد بولی۔

"یہ بیماری میرے لئے کوئی نئی چیز نہیں ہے۔" ساگر غمناک لہجے میں چھت کو گھورتا ہوا بولا۔ "میری بیماری کا کوئی علاج نہیں لیکن ..... میں اپنی بیماری پر کبھی پریشان بھی نہیں ہوا ..... مجھے اپنے دکھ درد بہت عزیز ہیں ..... میں اپنے زخموں پر مرہم رکھنے کی خواہش کبھی نہیں کرتا لیکن کبھی کبھی جب ان زخموں کو ٹھیس لگتی ہے تو میں تڑپ اٹھتا ہوں ..... زخم جب تازہ ہو جاتے ہیں تو تکلیف کا احساس ضرور ہوتا ہے اور پھر....."

اور پھر ساگر یکایک چونک کر خاموش ہو گیا۔ اس نے فرزانہ کو دیکھا اور ایک سرد سی آہ اس کے بے جان ہونٹوں سے خارج ہو کر دھویں کے بل کھاتے ہوئے مرغولوں میں گم ہو گئی۔

فرزانہ بڑی توجہ سے اسے دیکھتی رہی۔ ساگر کی اچانک خاموشی سے اس نے ایسا ہی محسوس کیا تھا جیسے اسے یکلخت کمرے میں فرزانہ کی موجودگی کے خیال نے بولنے سے روک دیا ہو۔ جیسے اس سے پہلے وہ فرزانہ سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

"تم آج پہلی بار آئی ہو بیٹی!" ساگر کے ہونٹوں پر ایک اداس سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "بتاؤ' میں کیا خاطر کروں تمہاری؟"

"میں آپ کی خیریت دریافت کرنے آئی تھی انکل!" فرزانہ بولی۔ "خدا کا شکر ہے کہ آپ مجھے صحت مند نظر آ رہے ہیں لیکن ..... آپ نے امی سے یہ بھی کہا تھا کہ دو چار روز تک آپ نہ آ سکیں گے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

ساگر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرزانہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔

"پلیز انکل! مجھے بتایئے کہ آپ کو کیا تکلیف ہے؟" فرزانہ نے بے چینی سے پوچھا۔ "آپ اس قدر چپ چپ اور اداس کیوں رہتے ہیں اور آپ نے اچھے خاصے فلیٹ کو یوں اجاڑ اجاڑ سا کیوں بنا رکھا ہے؟"

"ڈور کا سرا جب گم ہو جائے تو وہ الجھ جایا کرتی ہے۔" ساگر نے کپکپاتی آواز میں کہا پھر کسی فوری خیال کے تحت اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔

"انکل! کیا آپ مجھ کو بھی غیر سمجھتے ہیں؟" فرزانہ نے گلہ کیا۔

"یہ اندازہ کیسے لگا لیا تم نے؟"

"پھر آپ بتاتے کیوں نہیں کہ آخر آپ کو کون سا صدمہ لاحق ہے؟" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔ "آپ نے مجھ سے وعدہ بھی کیا تھا کہ مجھے اپنی اداسی کی وجہ بتائیں گے۔"

"میں اب بھی اپنے وعدے پر قائم ہوں لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا۔"

"پھر کب آئے گا وہ وقت؟" فرزانہ نے روٹھے ہوئے لہجے میں کہا اور ساگر کے چہرے پر شفقت آمیز مسکراہٹ پھیل کر گہری ہوتی چلی۔

"وہ وقت زیادہ دور نہیں ہے بیٹی!"

"آپ ہمیشہ مجھے یہی کہہ کر ٹال کیوں دیتے ہیں؟"

"ٹھہرو' میں تمہارے لئے نیچے سے کچھ لاتا ہوں۔" ساگر اٹھنے لگا۔ پھر فرزانہ کے منع کرنے کے باوجود وہ فلیٹ سے باہر چلا گیا۔

فرزانہ نے اٹھ کر بکھری ہوئی چیزوں کو سلیقے سے جمانا شروع کر دیا۔ دس منٹ کے اندر اندر اس نے نہ صرف تمام گرد آلود چیزوں کو صاف کر دیا بلکہ فرش بھی جھاڑ ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی ٹرنک سے اجلی چادر نکال کر بستر بھی قرینے سے بچھا دیا اور یہ سب کچھ کرتے وقت اسے ایک انجانا سا سکون مل رہا تھا۔

ایسا سکون جو مانوس ہونے کے باوجود غیر مانوس تھا۔

ساگر جب واپس لوٹا تو کمرے کو دیکھ کر دنگ رہ گیا پھر فرزانہ کو پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"تم نے اتنی تکلیف کیوں کی فرزانہ بیٹی!"

"جب آپ مجھے بیٹی کہتے ہیں تو پھر یہ سوال بے بنیاد سا ہو کر رہ جاتا ہے۔"

فرزانہ کے جواب نے ساگر کو لاجواب کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد بیرا چائے کی ٹرے لئے اندر داخل ہوا جس کے ساتھ بہت سارے لوازمات بھی تھے۔ فرزانہ ساگر کے لئے چائے بنانے لگی۔

"انکل!" چائے بنا کر اس نے ایک پیالی ساگر کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اب بتایئے آپ نے امی سے یہ کیوں کہا تھا کہ دو چار روز آپ نہیں آئیں گے؟"

"یونہی۔" ساگر چائے کا گھونٹ لیتا ہوا سپاٹ لہجے میں بولا۔ "ادھر کچھ دنوں سے بھی میں بہتر محسوس نہیں کر رہا ہوں۔"

"اچھا تو پھر میں یہیں آ جایا کروں گی۔" فرزانہ لاڈ سے بولی۔ "آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"

"تمہارے یہاں آنے سے مجھے دلی مسرت حاصل ہو گی۔" ساگر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن شاید تمہاری امی کو یہ بات ناگوار گزرے۔"

"آپ نے پہلے سے یہ اندازہ کیسے لگا لیا۔"

"کچھ نہیں' یونہی ایک خیال کا اظہار کر رہا ہوں۔" اس بار ساگر کی آواز میں درد تھا۔

"کیا امی جان نے آپ سے کچھ کہا تھا؟"

"نہیں' انہوں نے مجھے محض ایک نظر دیکھا تھا اور پھر..... پھر منہ پھیر کر اندر چلی گئی تھیں ..... شاید انہیں میری مکروہ صورت دیکھ کر....."

"انکل!" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "امی کو اس بات کا خیال نہیں تھا کہ آپ ساگر صاحب ہیں ورنہ شاید ان کا رویہ مختلف ہوتا۔ پھر بھی اگر آپ کو امی جان کی کسی بات سے کوئی دکھ پہنچا ہے تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔"

"دکھ سکھ کا احساس کبھی ہوا کرتا تھا۔" ساگر نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اب میں ان باتوں کا عادی ہو چکا ہوں۔"

"تو پھر کل سے میں آ جایا کروں گی۔" فرزانہ نے جلدی سے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"تم بہت ذہین اور سمجھدار بچی ہو۔" ساگر نے فرزانہ کو شفقت بھری نگاہوں سے

Uploaded By Nadeem ندیم

دیکھا پھر چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔

فرزانہ ایک گھنٹے تک ساگر کے فلیٹ پر رہی پھر واپس لوٹ آئی۔ گھر میں داخل ہوئی تو راہداری میں ہی شکیل سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ وہ گزر جانا چاہتی تھی لیکن شکیل نے اسے مخاطب کیا اور وہ رک گئی۔

"سنا ہے آپ کے ساگر انکل کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔"

"جی ہاں' غلط نہیں سنا ہے آپ نے۔" فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔

"پھوپھی جان کو بغیر اجازت طلب کئے آپ کے چلے جانے پر بے حد ملال ہوا تھا۔"

"کیا امی جان نے آپ کو ہدایت کی تھی کہ اس بات کا احساس مجھے دلایا جائے۔"

فرزانہ کی کشادہ پیشانی پر ناگوار شکنیں ابھر آئیں۔

"جی نہیں' انہوں نے ایسی کوئی ہدایت نہیں کی مجھے۔ میں اپنے طور پر کہہ رہا تھا۔"

"شکریہ اس نیک مشورے کا۔"

"آ ..... آپ مجھے شاید کچھ برہم معلوم ہوتی ہیں؟" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔

"میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کروں گی۔"

"لیکن میرا قصور کیا ہے؟"

"میں اس کی تشریح بھی مناسب نہیں سمجھتی۔"

"اگر ناگوار خاطر نہ گزرے تو ایک بات اور عرض کرنا چاہوں گا۔"

"فرمایئے!" فرزانہ نے شانوں پر بل کھائے بالوں کی لٹ کو پشت پر جھٹکتے ہوئے پوچھا۔

"دیکھئے فرزانہ صاحبہ! آپ اپنے معاملات میں خودمختار ہیں لیکن پھر بھی کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں انسان کو دوسروں کی نظروں سے دیکھنا اور پرکھنا پڑتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں آپ کا مفہوم۔" فرزانہ کی تیوری پر بل پڑ گئے۔

"دراصل میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا اور ندیم کا میل جول آج کل کالج کے لڑکوں میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جا رہا ہے ..... اس لئے....."

"مسٹر شکیل!" فرزانہ کا چہرہ خون کی حدت سے تمتما اٹھا۔ "اول تو میں اپنے

معاملات میں دوسروں کی مداخلت پسند نہیں کرتی۔ اس کے علاوہ آپ جن لڑکوں کی بات کر رہے ہیں وہ غالباً پست ذہنیت کے مالک ہوں گے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔"

پھر قبل اس کے کہ شکیل کوئی صفائی پیش کرتا فرزانہ اسے قہر آلود نگاہوں سے گھورتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔

☆======☆======☆

Uploaded By Nadeem
ندیم

اگلے روز فرزانہ نے کالج سے واپس آ کر منہ ہاتھ دھویا۔ کپڑے تبدیل کئے اور پھر ماں سے ساگر کے ہاں جانے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے ان کے کمرے میں آ گئی جہاں صدیق علی خاں بھی موجود تھے۔

"امی جان! میں ساگر انکل کے ہاں جا رہی ہوں۔" اس نے والدین کو سلام کرنے کے بعد دبی زبان میں کہا۔

"کل بھی تو گئی تھیں تم۔" شبانہ بیگم نے ساگر کا نام سن کر ناک بھوں چڑھاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں! ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔ "میں ان سے کہہ آئی تھی کہ دو چار روز تک ادھر ہی چلی آیا کروں گی۔"

"اے کیا روز روز عیادت کے لئے جانا ضروری ہے؟"

"یہ بات نہیں ہے امی جان! میں وہاں جا کر کچھ سیکھ بھی لیا کروں گی اور اسی بہانے مزاج پُرسی بھی ہو جائے گی۔"

"اپنے باپ سے لو اجازت جنہوں نے تم کو لاڈ پیار میں برباد کر رکھا ہے۔" شبانہ بیگم نے صدیق علی خاں کی طرف شکایتی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے تو ایک آنکھ نہیں بھایا تمہارا ساگر! صورت دیکھ کر ہی جی متلانے لگتا ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہو بیگم!" صدیق علی خاں نے بیوی کو مخاطب کیا۔ "وہ تو ایک عظیم مصور ہے۔"

"ہو گا' پھر مجھے کیا..... لیکن آخر یہ شوق کب تک جاری رہے گا اور پھر اب تو امتحانات بھی نزدیک آ رہے ہیں۔"

"آپ امتحان کی فکر بالکل نہ کریں امی جان!" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "میں اس بار

بھی آپ کو بڑے وثوق کے ساتھ اپنی کامیابی کا یقین دلاتی ہوں۔"

"زیادہ گھمنڈ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ بی اے کا امتحان کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔ خدانخواستہ اگر کوئی الٹی سیدھی بات ہو گئی تو سر پکڑ کر روتی پھرو گی۔"

"یہ کیسی بری فال منہ سے نکال رہی ہو؟" صدیق علی خاں نے بیگم سے کہا۔ "خدا نہ کرے کہ میری بیٹی فیل ہو۔"

"میں کب فیل ہونے کی بددعا دے رہی ہوں لیکن پڑھائی پھر بھی دوسرے تمام مشاغل سے افضل ہونی چاہئے اور پھر وہ ساگر.....!"

"تم اس غریب کے پیچھے کیوں پڑ گئی ہو' صورت اور سیرت کا یکساں ہونا ضروری نہیں ہوتا۔"

"اے بس رہنے دو' جیسے میں نے دنیا میں کچھ دیکھا ہی نہیں۔"

"میرے لئے کیا حکم ہے ابا حضور!" فرزانہ نے باپ سے پوچھا۔

"چلی جاؤ لیکن ذرا جلدی واپس آ جانا۔"

جی! بہت بہتر۔"

"اور ہاں' ساگر کو میری طرف سے بھی پوچھ لینا۔"

"بہت بہتر۔" فرزانہ نے مختصراً کہا پھر ماں کو کنکھیوں سے دیکھتی ہوئی واپس چلی گئی۔ گاڑی پہلے ہی سے باہر موجود تھی چنانچہ وہ اس میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔ ابھی کچھ دور گئی تھی کہ اس کی نظر ندیم پر پڑی جو بائیں جانب فٹ پاتھ پر قدم اٹھائے جا رہا تھا۔ فرزانہ نے گاڑی اس کے قریب لے جا کر روکی تو ندیم' مسکراتا ہوا گاڑی کے پاس آ گیا۔

"لفٹ ملے گی؟" اس نے شوخ نگاہوں سے فرزانہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہیں؟" فرزانہ اس کی بات اڑاتے ہوئے بولی۔

"ٹیوشن پر۔"

"تشریف لائیے۔"

"تھینک یو۔" ندیم نے کہا پھر دوسری طرف سے اندر آ کر بیٹھ گیا۔

"آج آپ کالج میں کچھ اکھڑی اکھڑی نظر آ رہی تھیں۔" ندیم نے سرسری گفتگو کے بعد پوچھا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"جی ہاں' میرا پارہ کل رات ہی سے گرم تھا۔"

"خیریت!" ندیم نے حیرت سے پوچھا۔

"شکیل صاحب نے کل مجھے ایک نیک مشورہ دینے کی کوشش کی تھی۔"

"وہ کیا؟"

"یہی کہ میں آپ سے زیادہ میل جول نہ بڑھاؤں۔" فرزانہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اوہ' مجھے اسی بات کا خدشہ تھا۔" ندیم یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے اسے کیا جواب دیا تھا؟"

"مجھے معلوم ہے کہ آپ نے کیا جواب دیا ہو گا؟"

"کیا؟"

"آپ نے اسے اس مداخلت پر جھڑک دیا ہو گا لیکن یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"میں اپنے اچھے برے میں تمیز کی صلاحیت رکھتی ہوں۔"

"پھر بھی وہ ہمارے راستے میں حائل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا۔"

"کرنے دیجئے کوشش' میری صحت اثر انداز نہیں ہو گی۔"

"کیا آپ نے زیادہ سخت الفاظ استعمال کئے تھے۔"

"جی نہیں' میں نے صرف اپنی برہمی کا اظہار کیا تھا لیکن اگر اس نے دوبارہ جسارت کی تو میں اسے بخشوں گی بھی نہیں۔" فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔

ندیم بدستور سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کیا سوچنے لگے آپ؟"

"کچھ نہیں۔"

"ٹھیک ہے' آئندہ میں آپ کو اس قسم کی باتیں نہیں بتاؤں گی۔"

"یقین کیجئے' میں اس وقت شکیل کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔" ندیم نے جلدی سے صفائی پیش کر دی۔

"پھر کیا سوچ رہے تھے؟"

"آپ کے بارے میں۔"

"میرے بارے میں!" فرزانہ نے ندیم کو غور سے دیکھا پھر شوخی پر اتر آئی۔ "یہ حق آپ کو کب سے حاصل ہو گیا کہ آپ میرے بارے میں سوچیں۔"

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں فرزانہ!" ندیم بولا۔ "کاش! میرے حالات سازگار ہوتے تو میں بھی آپ کی کچھ مدد کر سکتا۔"

"کس قسم کی مدد کرنا چاہتے ہیں؟" فرزانہ مسکرائی۔

"آپ تنہا میرے لئے سب کا مقابلہ کر رہی ہیں اور میں ایک خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھ کر چپ ہو جاتا ہوں۔"

"ایک مشورہ دوں آپ کو۔" فرزانہ کے ہونٹوں پر بڑا دل آویز تبسم رقص کر رہا تھا۔

"فرمایئے' میں ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہوں۔"

"بوریت کی باتیں دوپہر میں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔ شام کا وقت صرف تفریح کے لئے ہوتا ہے۔"

"آئندہ اس کا خیال رکھوں گا۔" ندیم نے خفت مٹانے کے لئے مسکرانے کی کوشش کی پھر اچانک اس کی نظر سامنے پڑی اور وہ اچانک چونک پڑا۔ "یہ آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ اپنے آپ میں تو آئے؟"

"جی ہاں' مجھے راستے کی تبدیلی کا دھیان ہی نہیں رہا۔"

"گویا آپ کو یہ راستہ پسند نہیں ہے جس پر ہم چل رہے ہیں۔" فرزانہ نے بڑے لطیف انداز میں ایک ذو معنی بات کہی۔

"گاڑی آپ کے ہاتھ میں ہے جس راستے پر چاہیں موڑ دیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔" ندیم نے فرزانہ کے رخساروں پر پھوٹتی ہوئی شفق کو دیکھ کر محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑی انکساری کی بات کر رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ فتح ہمیشہ انکساری کی ہوتی ہے۔" ندیم معنی خیز انداز میں بولا۔

"آج میں آپ کو ٹیوشن پر نہیں جانے دوں گی۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"جو حکم حاکم!" ندیم نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ' سعادتمندی بھی آ گئی آپ کو۔"

"منزل تک پہنچنے کے لئے انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"اور اگر منزل خود ہی منہ پھیر لے تو!" فرزانہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ مسافر کی قسمت پر منحصر ہے۔"

"بہت تیز ہوتے جا رہے ہیں آپ۔"

"سرکار کی نوازشوں کا ردعمل ہے' ورنہ بھلا کس قطار شمار میں ہوں۔"

"آج آپ نظر ضرور اتروا لیجئے گا۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "بڑی سوجھ بوجھ کی گفتگو کر رہے ہیں۔"

"اگر آپ ہی اس سلسلہ میں بھی تھوڑی سی زحمت گوارا کر لیں تو احسان مند رہوں گا۔" ندیم نے تیزی سے جواب دیا۔ "میرا مقصد ہے کہ جب میرا کوئی دوسرا نہیں ہے تو پھر نظر کون اتارے گا؟"

فرزانہ اس جملے پر شرما کر رہ گئی پھر اس نے جلدی سے گفتگو کا رخ بدل دیا۔

"میں آج آپ کو ساگر انکل سے ملواؤں گی۔"

"یہ نام میں ایک دو بار پہلے بھی آپ کی زبانی سن چکا ہوں۔"

"میں ان سے مصوری کا درس لے رہی ہوں۔ بڑے خلیق اور شفیق طبیعت کے مالک ہیں۔"

"کیا آپ کو مصوری سے بہت زیادہ شوق ہے۔"

"جی ہاں' جنون کی حد تک۔"

"تعجب ہے!" ندیم نے الفاظ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں' اس میں تعجب کی کیا ہے؟" فرزانہ نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"جو خود شاہکار ہو وہ بھلا مصور کیسے بن سکتا ہے۔"

فرزانہ نے ندیم کو دیکھا پھر شرما کر چپ ہو گئی۔

"میں اس جسارت میں حق بجانب ہوں اس لئے تلافی نہیں کروں گا۔" ندیم مسکرایا۔

"باتیں بنانا خوب آتی ہیں آپ کو۔"

"یہ بھی کسی قدرت کے شاہکار کی بندہ نوازیاں ہیں۔"

"بندہ نوازیوں سے منہ موڑا بھی جا سکتا ہے۔" فرزانہ نے شرارت شوخی کے ملے جلے تاثرات کے درمیان کہا۔

"یہ انصافی ہو گی میرے ساتھ۔"

"انصاف کرنا عادل کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ مجرم کو بولنے کا حق نہیں ہوتا۔"

"لیکن وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ تو ضرور سکتا ہے۔"

"بشرطیکہ دلیل معقول ہو۔"

"لیکن عدل کرنے والا اگر خود ہی کسی غریب کو جرم پر اکسائے تب کیا کہیں گی آپ؟"

"ہو سکتا ہے کہ وہ اس غریب کو آزما رہا ہو۔"

"آزمائش کی مدت زیادہ طویل تو نہ ہو گی۔" ندیم نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"یہ حالات پر منحصر ہے۔" فرزانہ نے بڑی دلنواز سنجیدگی سے جواب دیا۔

"فرزانہ!" ندیم نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا پھر نہ جانے کس معصوم سے جذبے کے تحت اس نے اپنا سر اس کے شانوں پر رکھ دیا۔

"ہوش میں آیئے مسٹر! یہ شارع عام ہے۔"

"کیا کچھ دیر کے لئے بے ہوش رہنے کی اجازت نہیں ملے گی؟"

"بہت بڑھتے جا رہے ہیں آپ۔" فرزانہ نے دبی زبان میں کہا اور ندیم جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"فرزانہ!"

"جی!"

"اگر تم نے کبھی مجھ سے منہ موڑ لیا تو میں زندہ نہ رہ سکوں گا۔" ندیم جذباتی انداز میں بولا۔

"یہ خیال کیسے پیدا ہو گیا آپ کو؟"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"ہو سکتا ہے کہ قدرت میری مفلسی کے ساتھ محض ایک مذاق کر رہی ہو۔"

"کچھ دیر پہلے تو آپ قدرت کی نوازشوں کے گن گا رہے تھے۔" فرزانہ ہنس پڑی۔

"کیا یہ نوازشیں ہمیشہ یونہی برقرار رہیں گی؟"

"مایوسی گناہ ہے' میرے نزدیک۔"

ندیم نے نظر بھر کر فرزانہ کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات کا مطالعہ کیا پھر کچھ کہنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ فرزانہ نے گاڑی ساگر کی رہائش گاہ کے سامنے روک دی۔

"آیئے!" فرزانہ نے انجن بند کرتے ہوئے کہا۔

ندیم خاموشی سے دروازہ کھول کر نیچے آ گیا۔

"انکل کے سامنے بہکی بہکی باتوں سے پرہیز کیجئے گا۔" فرزانہ نے مسکراتی ہوئی حیا بار نظروں سے ندیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں ان کا بے حد احترام کرتی ہوں۔"

"کوشش کروں گا کہ جب تک وہاں رہوں آپ کے چہرے پر نظر نہ پڑنے پائے ورنہ پھر بہکنا میرے بس کی بات نہ رہے گی۔"

فرزانہ نے مسکراتی نظروں سے ندیم کو دیکھا پھر عمارت کے زینوں سے اوپر چڑھنے لگی۔

ساگر اپنے کمرے میں ہی موجود تھا۔ فرزانہ اور ندیم نے اسے سلام کیا پھر فرزانہ ساگر کے قریب بیٹھ گئی اور ندیم نے دوسری کرسی سنبھال لی۔

"یہ کون ہے بیٹی!" ساگر نے ندیم کو بڑی سنجیدگی سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پڑوسی اور کلاس میٹ مسٹر ندیم ہیں۔" فرزانہ نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "انہیں بھی آپ سے ملنے کا بے حد اشتیاق تھا۔"

"خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" ساگر نے ندیم کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے سوال کیا۔ "تمہارے والد کا نام کیا ہے؟"

"جی ..... میرے والد کا نام اقبال احمد ہے لیکن ..... وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"تم اقبال کے نورِ نظر ہو!" ساگر نے حیرت سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر اداسی کے تاثرات کچھ اور گہرے ہو گئے۔ آنکھوں کی ویرانیاں بڑھ گئیں۔ ان میں تجسس کی جھلکیاں

بھی نظر آ رہی تھیں۔

فرزانہ ساگر کی اس کیفیت کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"جی ہاں۔" ندیم نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔

"کتنا عرصہ گزر گیا تمہارے والد کے انتقال کو؟"

"بیس سال سے زیادہ ہو گئے۔"

"بیس سال.....!" ساگر نے بڑے مغموم لہجے میں کہا۔ اس کی نمناک نظریں بدستور ندیم کے چہرے پر مرکوز تھیں اور ندیم گردن جھکائے چپ چاپ بیٹھا تھا۔

"انکل! کیا آپ ندیم صاحب کے والد سے واقف ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"ہاں' خوب اچھی طرح ..... بہت عرصہ ایک ساتھ بھی گزار چکا ہوں۔" ساگر نے جواب دیا لیکن اس کے لہجہ میں درد تھا' تڑپ کا احساس تھا' کسک تھی۔

ماحول پر کچھ دیر تک موت کی سی خاموشی طاری رہی پھر ساگر کی آواز ہی اس خموشی کا فسوں توڑتی ہوئی ابھری۔

"تم کہاں رہتے ہو؟"

"ڈاکٹر رشید الزماں کے ساتھ۔" ندیم نے کہا۔

"کیا یہاں تمہارا کوئی دوسرا عزیز یا رشتہ دار نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔" ندیم رندھی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں بدنصیب اس دنیا میں بالکل تنہا رہ گیا ہوں۔"

"ایسی باتیں مت کرو بیٹے!" ساگر نے جلدی سے کہا۔ "انسان اگر ہمت کرے تو اپنی قسمت کو بھی بدل سکتا ہے اور پھر تم جس باپ کی اولاد ہو وہ تو بہت عظیم اور ہمت والا انسان تھا۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اس نے کبھی حالات اور حادثات کے سامنے سر جھکانا نہیں سیکھا تھا۔ ہمیشہ سینہ سپر ہو کر مشکلات سے ٹکرانا اس کے خمیر میں شامل تھا۔ تمہیں اپنے مرحوم باپ کی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہئے۔"

ندیم نے ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے ساگر کو دیکھا پھر رومال نکال کر اپنے آنسو خشک کرنے لگا۔

شاید مرحوم باپ کے تذکرے نے اس کے دل کے زخموں کو ٹھیس دے کر پھر ہرا کر

Uploaded By Nadeem
ندیم

دیا تھا۔ فرزانہ نے ندیم کے چہرے پر بے بسی کی جھلکیاں دیکھیں تو اس کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

"اقبال کا قریبی دوست ہونے کی حیثیت سے مجھے بھی تم پر کچھ حق حاصل ہے۔ اس لئے مجھے غیر مت سمجھو۔" ساگر نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "کیا تم مجھے اپنے کچھ حالات بتانا پسند کرو گے؟"

ندیم نے تشکرانہ انداز میں ساگر کو دیکھا پھر اپنی زندگی کی مختصر روداد دہرانے لگا۔ ساگر بڑی توجہ سے سنتا رہا۔ فرزانہ کو اس بات کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ ندیم آج بھی اس کے سامنے اپنی پریشانیوں کی داستان سنا رہا ہے۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتی رہی۔

"تم اگر پسند کرو تو میرے پاس آ جاؤ۔" ندیم کے خاموش ہونے کے بعد ساگر نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی' مجھے اپنا بزرگ ہی سمجھو۔"

"انکل! میں آپ کی اس ہمدردی کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں؟" ندیم نے کہا۔

"میں آپ کے اس احسان کو کبھی نہ بھولوں گا۔"

"احسان نہیں بیٹے! میں اپنا فرض پورا کروں گا۔"

خاصی دیر تک ساگر اور ندیم گفتگو کرتے رہے پھر جب فرزانہ نے اجازت طلب کی تو ساگر اس طرح چونکا تھا جیسے اسے ابھی تک فرزانہ کی موجودگی کا احساس نہیں تھا۔

"آئندہ میں ندیم صاحب کو یہاں کبھی نہ لاؤں گی۔ ورنہ آپ پھر مجھے فراموش کر دیں گے۔" فرزانہ بڑی معصومیت سے بولی اور ساگر اس معصوم طرز تخاطب پر بے اختیار ہنس پڑا۔

آج فرزانہ نے پہلی بار اسے ہنستے دیکھا تھا۔

ایسی ہنسی۔

جس میں زندگی تھی۔

غموں کی آمیزش سے مبرا ..... زندگی سے بھرپور ہنسی ..... اور فرزانہ اس ہنسی پر کھل اٹھی تھی۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ ساگر ہمیشہ اسی انداز میں ہنستا رہے'

مسکراتا رہے۔

ساگر انہیں گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا پھر چلتے وقت اس نے ندیم سے کہا تھا۔

"کیا میں امید رکھوں کہ تم مجھ سے برابر ملتے رہو گے؟"

"میں اسے اب اپنا فرض سمجھوں گا انکل!" ندیم سعادتمندی سے بولا۔

"مجھے دلی مسرت ہو گی۔" ساگر کی آنکھیں مسکرا اٹھیں۔

"میرے لئے کیا حکم ہے انکل!" فرزانہ نے معصومیت سے پوچھا۔

"تم ..... تم میری بہت اچھی بیٹی ہو۔" ساگر کے لہجے میں خوشی جھلک رہی تھی۔ "میں نے تم کو بیٹی کہا ہے اس لئے تمہارا حق بہت زیادہ ہے۔"

"تھینک یو انکل!" فرزانہ کے رخسار سرخ گلاب کی طرح دمک اٹھے پھر اس نے ندیم کی طرف دیکھا جیسے اسے چڑانے کے لئے کہنا چاہتی ہو۔ "دیکھا' انکل کی محبت میں بھی میرا حصہ زیادہ ہے۔"

پھر فرزانہ کی گاڑی سبک رفتاری سے ساگر کو پیچھے چھوڑتی ہوئی آگے نکل گئی اور ساگر' وہ بہت دیر تک اپنی جگہ کھڑا گاڑی کو تکتا رہا۔

اس کی آنکھیں بدستور کسی جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔

اس کا دل آج ہنس رہا تھا۔

آج اس کے چہرے پر اداسیوں کی جگہ مسرت و شادانی جگمگا رہی تھی۔

جانے کیوں.....!

☆======☆======☆

وقت تیز رفتاری سے اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔

ندیم اور فرزانہ دو جسم اور ایک قالب بن کر رہ گئے تھے۔ ان کی معصوم محبت پروان چڑھتی رہی۔ فرصت کے اوقات میں وہ ایک دوسرے سے ملتے۔ میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ خیالات کی روش پر محبت کے حسین تاج محل تعمیر کرتے۔ آپس میں عہد و پیمان کرتے۔ مستقبل کے بارے میں منصوبے باندھتے اور پھر ہنستے مسکراتے جدا ہو جاتے۔

دونوں محبت کی راہ پر گامزن تھے۔ دونوں کے نظریات ایک تھے۔ خیالات ایک تھے۔ منزل ایک تھی۔ وہ محبت کے پاک اور معصوم جذبے سے سرشار اپنی منزل کی طرف رواں

Uploaded By Nadeem
ندیم

دواں تھے۔ انہیں کسی رہزن کا خطرہ نہیں تھا۔ کسی کا خوف نہیں تھا۔ مخالفت کی فکر سے بے نیاز اپنی دھن میں مست تھے۔

شکیل نے اس عرصے میں متعدد بار فرزانہ کو دبے الفاظ میں کالج میں ہونے والی چہ میگوئیوں کا احساس دلایا لیکن ہر بار منہ توڑ جواب پا کر خاموش ہو گیا۔ اس نے مختلف حربے آزمائے' مختلف پہلوؤں سے فرزانہ کو اپنی جانب راغب کرنا چاہا لیکن اسے مایوسی ہوئی۔

فرزانہ اس کے لئے ایک چٹان بن کر رہ گئی تھی۔

جس کی تسخیر اسے مشکل نظر آ رہی تھی۔

مشکل بھی اور ناممکن تھی۔

لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری' حوصلوں کا دامن نہیں چھوڑا۔

فرزانہ نے شکیل کو اہمیت نہیں دی' پہلے اس کا خیال تھا کہ ممکن ہے والدین ندیم کے حالات جاننے کے بعد اسے قبول کرنے سے کترانے کی کوشش کریں۔ ایک موہوم سا خطرہ تھا جو اکثر اس کے دل میں کھٹک اٹھتا لیکن اب یہ خطرہ بھی ٹل گیا تھا۔

ساگر کی کوششوں سے ندیم کو ایک مقامی فرم میں بڑی اچھی پارٹ ٹائم ملازمت مل گئی تھی۔ دن بھر وہ کالج میں مصروف رہتا اور پھر شام کو پانچ سے نو بجے تک آفس میں مصروفیات میں الجھا رہتا۔ تنخواہ پانچ ہزار روپے طے ہوئی تھی لیکن ندیم کی محنت' ایمانداری اور لگن کو دیکھ کر ایک مہینے کے اندر اس میں ڈیڑھ ہزار کا اضافہ کر دیا گیا پھر فرم کی طرف سے اسے ایک خوبصورت سا بنگلہ بھی مل گیا اور ندیم رشید الزماں سے اجازت لے کر اس میں منتقل ہو گیا۔ رشید الزماں نے اس بات کی مخالفت کرنی چاہی لیکن بیوی نے انہیں روک دیا اور وہ بے چارے خاموش ہو گئے۔

ندیم اپنے حالات سے مطمئن تھا' کالج اور دفتر سے جو وقت ملتا وہ اسے اپنی پڑھائی میں صرف کرتا یا پھر فرزانہ کے ساتھ گزارتا۔ فرزانہ کو اب اپنی کامیابی کا یقین تھا' اسے بھروسہ تھا کہ اب اس کے والدین اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

قدرت ان کے معصوم خیالات پر مسکرا رہی تھی۔

ندیم کو جس روز پہلی تنخواہ ملی اس روز وہ بہت خوش تھا' دوسرے دن جب وہ فرزانہ

Uploaded By Nadeem

ندیم

سے ملا تو اس نے ایک لفافہ اسے دیتے ہوئے کہا تھا۔

"میرا اس دنیا میں تمہارے سوا اپنا کوئی نہیں ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ تم میرا دل نہیں توڑو گی۔"

"کیا ہے اس لفافہ میں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"اپنے دست مبارک سے کھول کر خود ہی دیکھ لو۔"

اور پھر جب فرزانہ نے لفافہ کھولا تو اس میں نئے نئے اور ہرے ہرے نوٹ چمک رہے تھے۔ فرزانہ نے ندیم کو محبت سے سرشار نظروں سے دیکھا پھر نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل گنگنا اٹھا۔ ندیم نے کتنی اپنائیت سے اپنی تمام پونجی اس کے حوالے کر دی تھی۔ کتنے خلوص کے ساتھ اظہار مدعا کیا تھا۔ کتنی خوشیاں دمک اٹھی تھیں اس کے چہرے پر جب فرزانہ نے لفافہ لے کر کھولا تھا۔ نوٹوں کو دیکھا تھا اور لفافے کو اپنے ہی ہاتھوں میں رہنے دیا تھا۔

وہ خیالات کے سمندر میں غرق ہو کر رہ گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو فری!" ندیم نے جب اس کے ہاتھ کو تھام کر دبایا تو وہ چونک اٹھی' خیالات کا شیرزاہ بکھر گیا' خواب کا طلسم ٹوٹ گیا۔

"جی.....!"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری خواہشات کو ٹھکرایا نہیں۔"

"لیکن آپ نے تو پوری تنخواہ مجھے دے دی۔ خود کچھ بھی نہیں رکھا اپنے پاس۔"

"میرے پاس جو دولت موجود ہے وہی بہت کافی ہے۔"

"کیسی دولت' کہاں سے ملی۔" فرزانہ نے سادگی سے پوچھا۔

"پیار کی دولت' جو مجھے میری فری نے عطا کی ہے۔" ندیم نے شوخی سے کہا۔

فرزانہ شرما کر اور لجا کر رہ گئی۔

"غلط تو نہیں کہا میں نے؟" ندیم نے پوچھا۔ آج وہ بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔

فرزانہ بھی مسرور تھی۔ کیوں نہ ہوتی جب کہ ندیم بھی خوش تھا اور ندیم کی خوشی کو اس نے ہمیشہ اپنی خوشی سمجھا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش کھڑے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر فرزانہ بولی۔

"ندیم! میرا ایک مشورہ مانو گے؟"

"مشورہ نہیں' ہاں اگر تم کوئی حکم دو تو ضرور مان لوں گا۔"

"مذاق نہیں۔"

"میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں فری!" ندیم بدستور والہانہ نظروں سے گھورتا ہوا بولا۔

"تم ساگر انکل کو بھول رہے ہو۔"

"ناممکن' میں تمام زندگی ان کی عنایتوں کے بوجھ تلے دبا رہوں گا۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "انہوں نے مجھ پر جو احسان کیا ہے اس نے میری منزل آسان کر دی ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تم یہ لفافہ انکل کو دے دو۔"

"اوہ.....!" ندیم سوچنے لگا۔

"ہاں ندیم! ان کا بھی شاید اس دنیا میں کوئی نہیں ہے' تمہارے اس اقدام سے انہیں یقیناً روحانی مسرت حاصل ہو گی اور پھر وہ تم کو بھی تو اپنی اولاد ہی سمجھتے ہیں۔"

"فری!" ندیم نے فرزانہ کی غزالی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پیار سے کہا۔ "مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے لیکن اس سلسلہ میں بھی میں تم کو ہی مورد الزام ٹھہراؤں گا۔"

"جی!.....وہ کس جرم کی پاداش میں؟"

"اس لئے کہ جب تم میرے سامنے ہوتی ہو تو مجھے اور کچھ نہیں سوجھتا۔"

"لیکن آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ساگر انکل ہی کی نوازشوں نے ہماری راہیں ہموار کرنے کی سبیل نکالی ہے۔"

"میں اس بات سے انکار نہیں کروں گا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے اپنی غلطی کا اعتراف تو کیا۔" فرزانہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اب جلدی سے اس کا تدارک بھی کر ڈالئے۔"

"ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"تم میرے ساتھ چل کر اپنے لئے کوئی خوبصورت سا قیمتی تحفہ خرید لو۔"

"امانت میں خیانت نہیں کرنی چاہئے۔" فرزانہ نے بڑی خوبصورتی سے ٹالتے ہوئے کہا۔ "دوسری تنخواہ پر آپ اپنی مرضی سے جو تحفہ بھی مجھے دیں گے میں قبول کر لوں گی۔"

اور ندیم نے تھوڑے اصرار کے بعد فرزانہ کی تجویز کو منظور کر لیا پھر وہ دونوں ساگر کی رہائش گاہ پر گئے تھے۔ ساگر نے دونوں کو ساتھ دیکھا تو ایک عجیب سی ملکوتی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی لیکن.....

جب ندیم نے جیب سے تنخواہ کا لفافہ نکال کر جھجکتے ہوئے اسے ساگر کے حوالے کیا تو ساگر کی آنکھیں بھر آئیں۔ چند ثانئے تک وہ ندیم کو کھوئی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں ہو گیا۔ بہت دیر تک وہ ندیم کو سینے سے لگائے روتا رہا پھر جب آنسوؤں کا طوفان کم ہوا تو اس نے ندیم سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"کاش! آج اقبال زندہ ہوتا تو اسے کتنی بے پایاں محبت نصیب ہوتی۔"

"آپ بھی میرے لئے ڈیڈی سے کم مشفق نہیں ہیں انکل!" ندیم رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

فرزانہ چپ چاپ کھڑی فطرت کے اس عجیب نظام پر مسکرا رہی تھی۔

ساگر نے لفافہ تھوڑی دیر تک اپنے ہاتھوں میں رہنے دیا پھر اسے ندیم کی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ندیم میاں! میرے لئے تمہاری سعادتمندی اور محبت ہی بہت بڑی دولت ہے' تم اسے اپنے ہی پاس رکھو' تمہاری ضروریات کے کام آئے گا۔"

"لیکن میری ضروریات ہی کیا ہیں انکل!" ندیم نے کہا۔

"پھر بھی..... یہ میرا حکم ہے کہ تم ان پیسوں سے اپنے اخراجات پورے کرو۔" ساگر نے اس بار کچھ ایسے تحکمانہ مگر پیار بھرے لہجے میں کہا کہ ندیم انکار نہ کر سکا۔

"تم کھڑی کیوں ہو بیٹی! بیٹھ جاؤ۔" ساگر نے فرزانہ سے مخاطب ہو کر کہا اور فرزانہ مسکراتی ہوئی ساگر کے برابر بیٹھ گئی۔

بہت دیر تک وہ اِدھر اُدھر کی بات کرتے رہے۔ اسی دوران میں ساگر نے نیچے جا کر

Uploaded By Nadeem
ندیم

ان کے لئے چائے منگوالی جس کے ساتھ بہت ساری دوسری چیزیں بھی تھیں۔ ندیم اور فرزانہ اس کے بار بار کے اصرار پر کھانے میں مصروف ہو گئے اور ساگر ان دونوں کو شفیق نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر فرزانہ نے چائے بنا کر پہلے ساگر کو دی اور اس کے بعد ایک پیالی ندیم کی جانب بڑھا دی۔

"انکل!" اچانک ندیم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک درخواست کرنی چاہتا ہوں آپ سے؟"

"کیا؟"

"ایسے نہیں' پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ اس رد نہیں کریں گے۔"

"پتہ تو چلے ندیم میاں کہ آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"نہیں' پہلے وعدہ کیجئے پھر بتاؤں گا۔" ندیم نے بچوں جیسے انداز میں ضد کی۔

ساگر ایک لمحے کے لئے سوچتا رہا۔ اس عرصے میں وہ برابر ندیم کے چہرے سے اس کے تاثرات کو پڑھنے میں مشغول رہا پھر بولا۔

"اچھا بھئی' میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری درخواست کو ٹالوں گا نہیں۔"

"بعد میں ٹال تو نہیں جائیں گے آپ!"

"بات کا پتہ بھی تو چلے کچھ۔"

"آپ اس فلیٹ کو چھوڑ کر میرے ساتھ آ جایئے۔" ندیم نے کہا۔ "اتنے بڑے بنگلے میں تنہا میرا دل نہیں لگتا۔ آپ کے آ جانے سے یہ احساس ختم ہو جائے گا۔"

ندیم کی اس انوکھی خواہش پر فرزانہ کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ ندیم نے بڑی دوراندیشی سے کام لیا تھا۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ ندیم کی تنہائی ختم ہو جاتی بلکہ ساگر کی اداسیاں بھی خوشیوں میں تبدیل ہو سکتی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ تم مجھے اسی فلیٹ میں رہنے دو ندیم میاں!" ساگر نے تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "میں تنہائیوں کو بہت عرصے سے اپنائے ہوئے ہوں اگر یہ مجھ سے جدا ہو گئیں تو میں اپنے راستے سے بھٹک جاؤں گا۔"

"اب میں کچھ نہیں سنوں گا۔" ندیم بولا۔ "آپ وعدہ کر چکے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ..... لیکن....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں انکل!" فرزانہ بول پڑی۔ "میں بھی ندیم صاحب کے خیال سے متفق ہوں اور پھر آپ زبان بھی دے چکے ہیں۔"

"گویا تم بھی یہی چاہتی ہو کہ میں برسوں سے اپنائے ہوئے راستوں کو چھوڑ دوں۔" ساگر نے الجھے ہوئے انداز میں فرزانہ سے پوچھا۔

"میں آپ کو مجبور تو نہیں کر سکتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ انسان وہی ہے جو دوسروں کے لئے اپنی خوشیوں کو قربان کر دے اور آپ کو تو میں نے ہمیشہ ایک عظیم انسان سمجھا ہے۔"

"فرزانہ بیٹی! تم نے مجھے ایک نئے امتحان سے دوچار کر دیا ہے۔"

"آپ اگر نہیں چاہتے تو میں ضد نہیں کروں گا۔" ندیم مغموم لہجے میں بولا۔ "آپ کی محبت کو پا کر میں ڈیڈی کی کمی کو بھول گیا تھا لیکن اب اگر آپ بھی میرے اوپر محبت سے اپنا ہاتھ نہیں رکھنا چاہتے تو....."

"ندیم میاں!" ساگر تقریباً بلک اٹھا۔ "خدا کے لئے اس انداز میں مت سوچو' تم نہیں جانتے کہ اقبال مجھے کتنا عزیز تھا۔ ہم صرف دوست نہیں تھے بلکہ ایک دوسرے کے مونس و غم خوار بھی تھے۔ تم میرے اسی مرحوم دوست کی نشانی ہو۔ تمہارے لئے اگر کبھی میری زندگی بھی کام آئے تو میں اس سے بھی کوتاہی نہیں کروں گا۔"

"پھر آپ مان جایئے انکل!" فرزانہ نے لوہے کو گرم ہوتا دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "جب ندیم صاحب بذات خود اپنے لئے آپ کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں تو پھر آپ کو کیا انکار ہے؟"

"اچھا....." ساگر نے ہامی بھر لی اور دوسرے ہی دن ندیم مع ساز و سامان کے ساگر کو اپنے بنگلے میں لے گیا۔ فرزانہ کو ندیم کے اس اقدام پر بے انتہا مسرت ہوئی۔ ساگر سے ملنے کے بہانے اب وہ ندیم کے بنگلے پر بھی اکثر چلی جایا کرتی۔ ویسے اسے اس بات کا احساس بھی متعدد بار ہو چکا تھا کہ ساگر نے اب اس کے گھر آنے میں کمی کر دی تھی۔ کبھی وہ اپنی بیماری اور کبھی کسی دوسری مصروفیت کی آڑ لے کر فرزانہ کو ٹال جاتا۔ مگر فرزانہ نے اس سلسلے میں کبھی اسے ٹٹولنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے تئیں اسی نتیجے پر پہنچی تھی کہ ممکن ہے اس کی ماں نے ساگر کو پہلی بار دیکھ کر جھلاہٹ میں کوئی ایسی بات

Uploaded By Nadeem

کہہ دی ہو گی جو اس کو ناگوار گزری ہے۔ اس نے ساگر سے اپنے ہاں آنے کے لئے زیادہ اصرار بھی مناسب نہیں سمجھا اس لئے کہ ساگر کے بہانے اب اسے ندیم سے ملنے جلنے میں بھی آسانی ہو گئی تھی۔

وقت تیزی سے گزرتا رہا۔

امتحانات ختم ہوئے تو کالج میں بڑے دنوں کی چھٹیاں ہو گئیں لیکن فرزانہ کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ برابر ساگر اور ندیم سے ملتی رہی۔ کبھی کبھار وہ دردانہ' برجیس اور نگہت کے ہاں ملنے چلی جاتی اور کبھی وہ فرزانہ کے ہاں آ جاتیں۔ اس دوران میں برجیس اور شکیل کی ملاقاتیں بھی کم ہو گئی تھیں لیکن اب بھی کبھی کبھی برجیس شکیل کو بے وقوف بنانے کے لئے فرضی محبت کے نامے لکھ دیا کرتی تھی جس کا جواب اسے ہمیشہ طویل صورت میں ملتا اور سب سہیلیاں یکجا ہو کر شکیل کے خط کو مزے لے لے کر پڑھتیں اور اس کی حماقت پر خوب خوب قہقہے لگاتیں۔

فرزانہ کا خیال تھا کہ بڑے دنوں کی چھٹیاں ہوتے ہی شکیل مہینے ڈیڑھ مہینے کے لئے باپ کے پاس واپس چلا جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کے برعکس جب ایک روز وہ برجیس وغیرہ سے مل کر واپس لوٹی تو اسے ملازمہ سے معلوم ہوا کہ شکیل کے والد خود ہی بیٹے سے ملنے کے لئے آ گئے ہیں۔ شام کو اس نے چائے کی میز پر پہلی بار ماموں کی شکل دیکھی۔ نہ جانے کیوں شکیل کے والد کو دیکھ کر اسے کسی انجانے خطرے کا احساس ہوا لیکن اس نے ظاہرداری کے لئے ان سے بہت گھل مل کر باتیں کیں۔ اپنے رویے سے اس نے اس بات کا اظہار بھی نہیں ہونے دیا کہ شکیل اور اس کے درمیان کوئی رنجش ہے۔ ویسے وہ زیادہ تر یہی کوشش کرتی کہ الگ تھلگ رہے۔ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے اسٹوڈیو میں زیادہ وقت گزارنا شروع کر دیا۔

مرزا عقیل کے آ جانے سے گھر کی گہما گہمی میں جہاں اضافہ ہوا وہاں شبانہ بیگم کی مصروفیات بھی بڑھ گئیں۔ برسہا برس کے بعد بھائی سے ملی تھیں اس لئے ہمہ وقت ان کی دلجوئی میں مصروف رہتیں۔ بس نہیں چلتا تھا ورنہ شاید وہ اپنی جان نکال کر بھائی کے قدموں میں رکھ دیتیں۔

صدیق علی خاں کو ہائی کورٹ کی مصروفیتوں سے اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ شبانہ

بیگم کی خوشنودی کی خاطر آئے دن ہونے والی ضیافتوں میں حصہ لے سکتے لیکن مرزا عقیل کے آنے سے انہیں ایک بات کی آسانی ضرور ہو گئی تھی' انہیں شطرنج کھیلنے کا ازحد شوق تھا چنانچہ رات کے کھانے کے بعد وہ مرزا عقیل کو لے کر ڈرائنگ روم میں جم جاتے اور پھر رات گئے تک ان دونوں کے درمیان شہ اور مات کا چکر چلتا رہتا۔ کھیل جتنی دیر جاری رہتا شبانہ بیگم بھی بھائی کے پاس موجود رہتیں اور چائے بنا بنا کر پلواتی رہتیں۔ فرزانہ بھی کبھی کبھی کچھ دیر کے لئے باپ کے پاس جا کر بیٹھ رہتی مبادا گھر والوں پر اس کے الگ تھلگ رہنے کا راز کھل جاتا۔ شکیل بھی اکثر اپنے باپ ہی کے ساتھ وہاں موجود رہتا لیکن فرزانہ ایسے موقعوں پر وہاں زیادہ وقت نہیں گزارتی۔ تھوڑی دیر بیٹھتی' باپ اور ماموں سے دو چار باتیں کرتی اور پھر نیند کا بہانہ کر کے اٹھ جاتی لیکن جب سے مرزا عقیل آئے تھے وہ ایک بات کو خاص طور پر محسوس کر رہی تھی۔

اس نے شکیل کے اندر ایک خاص تبدیلی نوٹ کی تھی۔ پہلے جب وہ فرزانہ کے سامنے آتا تو بجھا بجھا سا رہتا لیکن اب وہ اسے دیکھ کر بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا دیتا اور نہ جانے کیوں فرزانہ کو اس کی یہ مسکراہٹ بے حد زہر لگتی۔ وہ جھلا کر رہ جاتی اور پھر سوچنے لگتی کہ آخر شکیل کی مسکراہٹ کا مفہوم کیا ہو سکتا ہے۔

اکثر اسے مستقبل میں پیش آنے والے خطرات کا احساس ہوتا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ فکرمند ہو جاتی۔ حالات کا جائزہ لیتی۔ گزرے ہوئے واقعات پر غور کرتی اور پھر وہم کو جھٹک کر ذہن سے نکال پھینکتی۔ اسے اپنی اور ندیم کی محبت پر اعتماد تھا۔

لیکن یہ اعتماد زیادہ دنوں تک برقرار نہ رہ سکا۔ اس کی خوش فہمیاں اس کے اعتماد کا ساتھ نہ دے سکیں۔ اسے اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ خیالات کی روش پر بنائے گئے حسین محلات زمین بوس ہوتے نظر آئے۔ ناکامی کے احساس کے پہلے ہی جھٹکے نے اس کے پورے وجود کو لرزہ براندام کر ڈالا۔

ہوا یوں کہ ایک رات جب پانی پینے کی غرض سے اپنے کمرے سے باہر نکلی اور شبانہ بیگم کی خوابگاہ کے قریب سے گزری تو اسے مرزا عقیل اور شبانہ بیگم کی گفتگو کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جس پر وہ دھیان دینے کی ضرورت محسوس کرتی لیکن جب اسے اپنا نام سنائی دیا تو اسے گفتگو سننے کا تجسس ہوا۔

Uploaded By Nadeem

وہ دبے قدموں دروازے کے قریب آئی اور پھر کان لگا کر گفتگو کا ایک ایک لفظ سننے لگی۔

"کیا عمر ہو گی فرزانہ کی؟" مرزا عقیل بہن سے پوچھ رہے تھے۔

"اللہ عمر دراز کرے اس کی' اب کی ستمبر میں انیسویں سال میں لگ جائے گی۔"

"ماشاء اللہ .... بڑی نیک اور سعادتمند لڑکی ہے۔"

"سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بھائی صاحب!"

"فرزانہ کے بارے میں کچھ سوچا بھی تم نے۔" مرزا عقیل نے کہا۔ "میرا مطلب ہے کہ یہی عمر تو ہوتی ہے شادی بیاہ کی۔"

"ابھی تک ہم نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں سوچا۔" شبانہ بیگم بولیں۔ "ایک آدھ بار میں نے دبی زبان میں فرزانہ کے والد سے تذکرہ ضرور کیا تھا لیکن وہ جھلا کر ٹال گئے۔"

"جھلا کر ٹال گئے! .... وہ کیوں؟"

"ان کا خیال فرزانہ کو ایم اے تک پڑھانے کا ہے۔"

"بڑی اچھی بات ہے لیکن زیادہ عمروں کی شادی مناسب نہیں ہوتی۔ رہا تعلیم کا سوال تو وہ شادی کے بعد بھی جاری رکھی جا سکتی ہے۔ ہمارے خاندان میں بھی بے شمار مثالیں ایسی موجود ہیں جہاں میٹرک کے بعد لڑکیاں اپنے گھربار کی ہو گئیں اور اس کے بعد انہوں نے ایف اے اور بی اے بھی کیا۔" مرزا عقیل نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔

"اگر برا نہ مانو تو ایک بات کہوں؟"

"ضرور کہئے بھائی صاحب! بھلا میں اور آپ کی بات کا برا مانوں گی۔"

"شکیل کے بارے میں کیا رائے ہے تمہاری؟"

"ماشاء اللہ' بڑی نیک اور سعید طبیعت کا مالک ہے۔" شبانہ بیگم کچھ نہ سمجھتے ہوئے لاڈ سے بولیں۔ "اب تو آپ شکیل سے ہاتھ دھو رہئے۔ میں تعلیم مکمل ہو جانے کے بعد بھی اسے واپسی کی اجازت نہ دوں گی۔ اگر وہ چلا گیا تو گھر سُونا سُونا لگے گا۔"

"سچ پوچھو تو میں آیا ہی اسی مقصد سے ہوں کہ شکیل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے سپرد کر دوں۔ زندگی کا کیا بھروسہ' جانے کب آنکھ بند ہو جائے۔"

"خدا نخواستہ' آپ ایسی بات کیوں کرتے ہیں بھائی صاحب! اللہ کرے آپ تاقیامت زندہ رہیں اور اولادوں کی خوشیاں دیکھنی نصیب ہوں۔"

"پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔"

"آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر .... مگر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی جب تک کہ فرزانہ کے والد سے مشورہ نہ کر لوں۔"

"کیوں' کیا تمہارے خیال میں صدیق کو کوئی تامل ہو گا؟"

"یہ بات نہیں ہے۔" شبانہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "دراصل وہ اس وقت تک اس مسئلہ کو نہیں اٹھانا چاہتے جب تک فرزانہ بی اے نہ کر لے لیکن معاملہ چونکہ گھر ہی کا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ رضامند بھی ہو جائیں۔"

"اگر صدیق لڑکی کو بی اے تک پڑھانا چاہتے ہیں تو شوق سے پڑھائیں لڑکا اور لڑکی دونوں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہیں گے لیکن میری یہ خواہش ہے کہ امتحان کا نتیجہ آتے ہی نکاح کی رسم ادا کر دی جائے۔ رخصتی دو سال بعد بھی ہو سکتی ہے۔ اس عرصے میں وہ دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ بھی لیں گے۔"

"اتنی جلدی کیسے ممکن ہو سکتا ہے بھائی صاحب! ایک ہی لڑکی ہے! میں تو اپنے دل کے سارے ارمان نکال لوں گی۔ انتظامات کرتے کرتے بھی ایک سال تو لگ ہی جائے گا۔"

"بھئی میں ان باتوں کا قائل نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ جھوٹے دکھاوے کے لئے ہزاروں روپے برباد کر دیئے جائیں اور اگر تم پھر بھی بضد ہو تو نکاح کی رسم سادگی سے ادا کر دو' رخصتی کے وقت دل بھر کر ارمان پورے کر لینا۔ اس طرح میرے کاندھوں سے ایک بوجھ بھی اتر جائے گا۔"

"دیکھئے کسی وقت موقع دیکھ کر تذکرہ کروں گی ان سے۔"

"اگر تم کہو تو میں ہی کسی وقت صدیق سے ذکر چھیڑ دوں۔"

"آپ کی مرضی مگر میرا خیال ہے کہ اگر پہلے میں ان کا عندیہ لے لوں تو زیادہ مناسب رہے گا۔"

"تمہاری مرضی لیکن میں انکار نہیں سنوں گا۔" مرزا عقیل نے سنجیدگی سے کہا۔ "اور اگر ایسا ہوا تو میں سمجھوں گا کہ تم کو شکیل کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب! بھلا میں اور شکیل کا برا چاہوں گی۔ خدا سلامت رکھے اسے لاکھوں میں ایک ہے' میرے لئے بھلا اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا ہے؟"

"ممکن ہے صدیق نے کہیں اور سوچ رکھا ہو۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا..... اگر کوئی لڑکا ان کے دھیان میں ہوتا تو کم از کم مجھ سے ضرور تذکرہ کرتے۔"

"تم جانو لیکن میں پھر کہے دیتا ہوں اگر امتحان کے بعد تم نکاح پر آمادہ نہ ہوئیں تو پھر میں ناراض ہو جاؤں گا۔"

"خدا نہ کرے!..... اتنے عرصے کے بعد تو بچھڑے ہوئے ملے ہیں۔ اب خدا نہ کرے جدائی کی کوئی صورت پیدا ہو۔" شبانہ بیگم نے بھائی کی گفتگو سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ مطمئن رہیں' میں پوری پوری کوشش کروں گی کہ آپ کا دل نہ دکھنے پائے۔"

اور فرزانہ اس سے آگے کچھ نہ سن سکی۔ پیاس کا وہ احساس بھی مٹ گیا جو اسے خوابگاہ سے باہر لایا تھا۔ اس کا پورا وجود لرز اٹھا تھا گفتگو سن کر اسے اپنی آنکھوں کے سامنے اندھیرا پھیلتا ہوا محسوس ہوا۔ قدم بری طرح لڑکھڑا رہے تھے لیکن پھر بھی وہ خود کو سنبھالتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔

☆======☆======☆

فرزانہ جیسے تیسے اپنی خواب گاہ تک پہنچی اور مسہری پر گر کر رونے لگی۔ بہت دیر تک وہ خود پر قابو نہ پا سکی اس کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی۔ غزالی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور دل تھا کہ آنے والے خطرات سے ڈوبا جا رہا تھا۔

سیلِ رواں جب تھما اور دل پر چھایا ہوا غبار ہلکا ہوا تو فرزانہ ماموں اور ماں کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ شبانہ بیگم نے جس انداز میں بچھڑے ہوئے بھائی کو ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اسی سے فرزانہ کا ماتھا ٹھنکا تھا اور اب تو وہ خدشات بھی کھل کر سامنے آ گئے جس کا اظہار ندیم نے دبی زبان میں کیا تھا۔ شکیل کا بدلا ہوا رویہ اور اس کے ہونٹوں پر وقتاً فوقتاً کھیلنے والی مسکراہٹ کا مفہوم بھی اس کی سمجھ میں

آ چکا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

کیا وہ چپ چاپ اپنے مستقبل کو ایک ایسے مرد کے حوالے کر دینے پر تیار ہو جائے جس کو اس نے ایک محبوب کی حیثیت کبھی نہ دی تھی۔

کیا وہ اپنی محبت کی تباہی کو خاموش رہ کر قبول کر لے۔

اپنی زندگی کا فیصلہ دوسروں پر چھوڑ دے۔ ایک ایسا اہم فیصلہ جس کا حق تو قدرت نے براہ راست اسے بخشا تھا لیکن اسی قدرت نے ماں کے احترام کو بھی افضل و اول بتایا تھا۔ پھر کیا وہ آنکھ بند کر کے اندھے کنویں میں چھلانگ لگا دے۔

خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ لے۔

محبت کے اس حسین تاج محل کو ڈھا دے جو اس نے بڑی آرزوؤں اور ارمانوں سے تعمیر کیا تھا۔ ان وعدوں کو فراموش کر دے جو اس نے پاک اور معصوم جذبے کے تحت خدا کو حاضر ناظر جان کر ندیم کے ساتھ کئے تھے۔

کیا وہ بے وفائی کے داغ کو ہنستے کھیلتے برداشت کر لے۔

"نہیں۔" فرزانہ کے ذہن نے جھنجھلا کر کہا۔ "نادان! تیری خاموشی دو زندگیوں کو تباہ کر دے گی۔ ندیم نے تیرا سہارا لے کر مسکرانے کی کوشش کی ہے اگر تُو نے اس سے یہ آخری سہارا بھی چھین لیا تو وہ بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جائے گا۔ خود تیرا ضمیر بھی تجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ برابر ملامت کرتا رہے گا۔ کچوکے لگاتا رہے گا اور کیا تُو ندیم کے بغیر خوش رہ سکے گی؟ کیا یہ تیرے بس کی بات ہے؟"

فرزانہ ان خیالات کے احساس سے تڑپ اٹھی اور پھر اچانک دل کی گہرائیوں سے ایک آواز ابھری۔

"نادان! مت بنو فرزانہ' ہمت سے کام لو۔ تمہیں حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک نئے عزم اور ایک نئے حوصلے کی ضرورت ہے۔ محض آنسو تمہارے کام نہ آ سکیں گے۔ انہیں بچا کر رکھو۔ جب تقدیر تمہاری بربادی پر حرف آخر کی مہر ثبت کر دے انہیں اس وقت استعمال کرنا۔

اور فرزانہ نے دل کا کہا مان لیا۔ اس نے جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ اس نے بڑے ٹھنڈے دماغ سے اس بات کا فیصلہ کیا تھا کہ وہ حالات کے دھاروں کا رخ

Uploaded By Nadeem

موڑنے کے لئے سینہ سپر ہو جائے گی۔ وہ ماں کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی تھی لیکن شکیل کو اس بات کا احساس تو دلا سکتی تھی کہ وہ اس سے شدید نفرت کرتی ہے' وہ شکیل کو یہ بات باور کرا سکتی تھی کہ وہ ندیم سے محبت کرتی ہے۔ محبت ایک پاک جذبے کا نام ہے کوئی گناہ نہیں ہے اور پھر ندیم تو اس کے خیالات کا مرکز بن چکا ہے۔

اور انہی بکھرے بکھرے پریشان خیالات اور موہوم امیدوں کے درمیان نہ جانے کب نیند نے اسے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

دوسری صبح جب وہ بیدار ہوئی تو ذہن پر ہلکا ہلکا بوجھ باقی تھا۔ چہرہ اترا اترا تھا۔ اس نے ضروریات سے فارغ ہو کر گھر والوں کے ساتھ ناشتہ کیا پھر کپڑے تبدیل کئے اور کالج جانے کے لئے روانہ ہو گئی۔ اس کا خیال تھا کہ کالج کے ہنگاموں میں اس کا دل بہل جائے گا لیکن یہ اس کی خوش فہمی تھی۔ کلاس روم میں داخل ہوتے ہی جیسے اس کی نظر ندیم پر پڑی دل دھڑک اٹھا۔ اس کے بچھڑ جانے کا احساس ایک بار پھر اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ وہ بے چین سی ہو گئی۔

ندیم نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اسے خوش آمدید کہا لیکن وہ اس کی مسکراہٹ کا جواب نہ دے سکی۔ کیسے دیتی جب کہ اس کا اپنا دل رو رہا تھا۔ قسمت کے بے رحم ہاتھوں نے تو اس کے دامن میں آنسو بھرنے کی ٹھان لی تھی پھر وہ کس دل سے مسکراتی۔ ندیم کی مسکراتی ہوئی نگاہوں کے جواب میں اس نے گردن جھکا لی اور مضمحل انداز میں قدم اٹھاتی اپنی سیٹ پر آ گئی۔ معاشیات کا پروفیسر قانون تقلیل افادہ پر لیکچر دے رہا تھا لیکن فرزانہ کی سمجھ میں لیکچر کا ایک لفظ بھی نہ آ سکا۔ اپنے خیالات میں کھوئی کھوئی خاموش بیٹھی وہ خالی خالی نظروں سے پروفیسر کو تکتی رہی۔ نظر پروفیسر پر جمی تھی لیکن خیالات کہیں اور پرواز کر رہے تھے۔

دوسری جانب ندیم بھی اپنی جگہ خاموش بیٹھا اندر ہی اندر الجھ رہا تھا۔

فرزانہ اسے آج کچھ بدلی بدلی نظر آئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح آج اس نے ندیم کی مسکراتی ہوئی نظروں کا جواب اپنے مسرت آگیں تبسم سے نہیں دیا تھا۔ اس کے چہرے پر آج وہ شفق کی سرخی بھی اسے نظر نہیں آئی تھی جو اسے تازہ کھلے گلاب کی طرح شگفتہ شگفتہ اور شاداب بنائے رکھتی تھی۔ فرزانہ کا چہرہ اسے اترا اترا نظر آ رہا تھا۔ وہ بجھی بجھی

سی لگ رہی تھی۔

آخر کیوں؟

اس اچانک تبدیلی کی وجہ کیا تھی؟

ندیم سوچتا رہا' متعدد بار اس نے پروفیسر اور لڑکوں کی نظریں بچا کر اسے کنکھیوں سے دیکھا لیکن ہر بار اسے فرزانہ پہلے سے زیادہ مضطرب اور بے چین نظر آئی اور پھر ندیم بھی اس کا سبب جان لینے کے لئے بے چین ہو گیا۔ وہ بڑی بے چینی سے پیریڈ ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا اور اس سے کچھ فاصلہ پر بیٹھا ہوا شکیل ان دونوں کی دلی کیفیت بھانپ کر مسکرا رہا تھا۔

خدا خدا کر کے پہلا پیریڈ ختم ہوا۔ دوسرا پیریڈ خالی تھا اس لئے ندیم کو یقین تھا کہ فرزانہ اس سے مل کر اپنی سوگوار خاموشی کا سبب ضرور بتائے گی لیکن یہ خواہش پوری نہ ہو سکی۔ کلاس ختم ہوتے ہی ندیم تیزی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ چند لمحے بعد فرزانہ بھی نکلی۔ اس وقت بھی وہ مضطرب نظر آ رہی تھی۔ برجیس اور دردانہ کے ساتھ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی ندیم کے قریب سے گزر گئی۔ بس ایک ثانئے کے لئے اس نے نظر اٹھا کر ندیم کو دیکھا پھر جلدی سے نمناک نظریں جھکا لیں۔ ندیم نے اس کی آنکھوں میں مچلنے والے آنسو دیکھے اور وہ تڑپ اٹھا لیکن لڑکوں اور لڑکیوں کی موجودگی میں وہ آگے بڑھ کر فرزانہ کی مزاج پرسی نہ کر سکا۔ خاموش اور گنگ سا کھڑا فرزانہ کو دیکھتا رہا پھر اس کے خیالات کا طلسم اسی وقت ٹوٹا جب شکیل نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا بات ہے ندیم صاحب! آج آپ کچھ بجھے بجھے سے لگ رہے ہیں؟" شکیل کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"جی نہیں' ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" ندیم نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔" شکیل طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آپ جو چاہیں تصور کر لیں لیکن یہاں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو مجھے پردہ داری پر مجبور کر سکے۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آج لفٹ نہیں ملی شاید!" شکیل نے دبی زبان میں کہا پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا

Uploaded By Nadeem
ندیم

اور ندیم نے اس کے الفاظ کو تیر و نشتر کی طرح اپنے ذہن میں چبھتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

دوسری طرف لان میں بنچ پر بیٹھی ہوئی برجیس فرزانہ کو کرید رہی تھی۔

"یہ چاند سا چہرہ آج بے نور کیوں ہے؟"

"کچھ نہیں' یونہی ذرا سر میں درد سا محسوس کر رہی ہوں۔" فرزانہ نے بات بنانی چاہی۔

"سر میں یا دل میں۔" دردانہ نے اسے چھیڑا۔

فرزانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہاتھ میں دبی کتاب کے اوراق پلٹنے لگی۔

"میں سمجھ گئی۔" دردانہ نے جلدی سے کہا۔ "شاید ندیم سے جھڑپ ہوئی ہو گی۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" فرزانہ بولی لیکن اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"پھر کیا بات ہے؟ کچھ پتہ تو چلے۔" برجیس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

فرزانہ سوچ رہی تھی کہ جواب دے یا نہ دے۔

"ارے یہ تجھے چپ سی کیوں لگ رہی ہے۔" دردانہ بولی۔

"رہنے دو دردانہ!" برجیس نے برا ماننے والے انداز میں کہا۔ "جب یہ ہمیں غیر سمجھتی ہے تو خواہ مخواہ اصرار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"نہیں برجیس! ..... نہیں۔" فرزانہ مغموم آواز میں بولی۔ "میں نے آج تک تم لوگوں کو غیر نہیں سمجھا لیکن....."

"پھر ٹھپ ہو گئی۔" برجیس نے اس کے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کچھ آگے بھی تو معلوم ہو کہ آخر قصہ کیا ہے۔"

"کیا شکیل سے پھر کوئی گرما گرمی ہو گئی ہے؟" دردانہ نے سوال کیا۔

"نہیں!"

"پھر معاملہ کیا ہے' کچھ تو منہ سے پھوٹو۔" برجیس جھلا گئی۔

"آج کل شکیل کے والد آئے ہوئے ہیں۔" فرزانہ نے بمشکل تمام اپنا مافی الضمیر ظاہر کرنا چاہا۔

"شکیل کے والد آئے ہیں تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" دردانہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"کل رات ماموں جان اور امی جان کے درمیان کچھ گفتگو ہو رہی تھی۔"

"اوہ! ..... اب میں سمجھی کہ تم کس لئے پریشان ہو۔" برجیس سنجیدگی سے بولی۔ "شکیل اور تمہارا مسئلہ درپیش ہو گا۔ کیوں؟"

"ہاں....." فرزانہ کی آواز رندھ گئی۔

"لیکن آخر چچا جان کو اتنی جلدی کیا پڑ گئی؟" دردانہ بھی اب سنجیدہ ہو گئی۔

"ابا حضور کو ابھی تک ان حالات کا علم نہیں ہے۔" فرزانہ نے جواب دیا۔

"تمہاری امی کا کیا فیصلہ ہے؟" برجیس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"انہوں نے ہامی تو نہیں بھری لیکن بھائی کے اصرار کے سامنے کھل کر انکار بھی نہیں کیا۔"

"جب چچی جان نے ہامی نہیں بھری تو پھر تم کو کس بات کی تشویش ہے؟" دردانہ بولی۔

"تم نہیں سمجھتیں دردانہ! امی جان کسی قیمت پر بھی بھائی کی درخواست کو نہیں ٹال سکتیں۔ آج نہیں تو کل انہیں بھائی کی خواہش کے سامنے سر جھکانا پڑے گا۔"

"ہاں' یہ ہو سکتا ہے۔" دردانہ نے کہا۔ "پھر! تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

"یہی تو افسوس ہے کہ میں خود اپنے بارے میں بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔"

"کیوں نہیں کر سکتیں؟ صاف صاف لفظوں میں چچی جان سے کہہ دو کہ شکیل تم کو پسند نہیں ہے۔ آخر انسان ہو کوئی ایندھن تو نہیں ہو کہ جہاں چاہے اٹھا کر جھونک دیا جائے۔"

"نہیں دردانہ! میں امی جان کے سامنے اس بے شرمی سے زبان نہیں کھول سکتی۔"

"تو پھر ان کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دو۔"

"یہ بھی میرے بس کی بات نہیں ہے۔" فرزانہ افسردہ آواز میں بولی۔

"پھر آخر یہ اونٹ کسی کروٹ بیٹھے گا بھی؟" دردانہ نے تنگ کر پوچھا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔"

"فرزانہ!" اچانک برجیس نے سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے ندیم کو حالات سے باخبر کر دیا؟"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"ابھی تک نہیں۔"

"ٹھیک ہے' تم ندیم کو ابھی کچھ نہ بتانا ورنہ اسے بھی صدمہ ہو گا۔"

"لیکن آخر کب تک۔" دردانہ بولی۔ "کبھی نہ کبھی تو اسے علم ہو ہی جائے گا۔"

"میرا خیال ہے اس کی نوبت نہیں آنے پائے گی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب میں ابھی نہیں بتا سکتی لیکن ہمیں فرزانہ کے لئے کچھ نہ کچھ تو ضرور کرنا ہو گا۔" برجیس نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اگر اس کی شادی شکیل کے ساتھ ہو گئی تو یہ سراسر ظلم ہو گا۔ ندیم کی زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔"

"لیکن تم کیا کر سکتی ہو؟" دردانہ نے برجیس سے پوچھا۔

"ابھی میں نے اس کا فیصلہ نہیں کیا لیکن بہرحال میں خاموش بھی نہیں رہوں گی۔"

"فیصلہ کب کرو گی جب شادی طے ہو جائے گی۔"

"اتنی بے صبری کیوں بن رہی ہو؟" برجیس نے دردانہ کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ "شادی بیاہ کوئی بچوں کا کھیل تو ہے نہیں کہ جب چاہا رچا لیا۔"

فرزانہ گم صم بیٹھی سہیلیوں کی تکرار سنتی رہی۔

"ایک طریقہ میرے ذہن میں بھی آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح کام بن جائے۔"

"وہ کیا؟" برجیس نے پوچھا۔

"کیوں نہ ہم چچا جان سے مل کر صاف صاف کہہ دیں کہ فرزانہ شکیل سے نہیں بلکہ ندیم سے محبت کرتی ہے۔"

"نہیں دردانہ! خدا کے لئے ایسا مت کرنا۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "ابا جان تم لوگوں کی باتوں کو میری جانب سے ایک پیغام سمجھیں گے' ایسی صورت میں' میں خود اپنی نظروں سے گر جاؤں گی۔"

"میں بھی اس بات کا مشورہ نہیں دوں گی۔" برجیس نے فرزانہ کی بات کی تائید کر دی۔ "یہ طریقہ کار بے حد گھٹیا اور عامیانہ ہو گا۔"

"میری سمجھ میں تو اس میں کوئی گھٹیا پن نظر نہیں آتا۔ جب اللہ اور رسول صلی اللہ

علیہ وسلم نے ہمیں زندگی کا ساتھی چننے کے معاملے میں مختار بنایا ہے تو پھر ہم اپنا حق مانگنے میں کیوں پیچھے رہیں۔" دردانہ جذباتی انداز میں بولی۔ "کم از کم اگر فرزانہ کی جگہ میری بات ہوتی تو میں تو کھلے لفظوں میں انکار کر دیتی۔"

"تم نے چونکہ آزاد ماحول میں پرورش پائی ہے اس لئے تمہاری بات اور ہے۔" فرزانہ نے دبی زبان میں کہا۔ "لیکن میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"کیوں ..... کیوں تمہارے منہ میں زبان نہیں ہے یا تم کو اس بات کا حق نہیں ہے جو مجھے حاصل ہے؟"

"ہماری تہذیب اس کی اجازت نہیں دیتی۔"

"پھر ہو جاؤ تہذیب کے نام پر قربان۔" دردانہ نے تنک کر جواب دیا۔ "مفت میں اپنا خون جلانے سے کیا حاصل ہو گا؟"

"بھئی ختم کرو اس بیکار بحث کو۔" برجیس نے بات نپٹاتے ہوئے کہا۔ "جلد بازی میں بات بننے کے بجائے بگڑ جائے گی۔ ہمیں ٹھنڈے دل سے حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔"

دردانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے لال پیلی ہوتی رہی۔ فرزانہ کا ذہن بھی بری طرح الجھ رہا تھا۔ ابھی تک وہ بھی اپنے بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکی تھی۔

"فرزانہ! تمہارے لئے میرا نیک مشورہ یہی ہے کہ تم اس اداسی کو بالائے طاق رکھ کر اسی طرح ندیم سے ملتی رہو جیسے پہلے ملتی تھی۔ اسے فی الحال کچھ بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ رہا یہ مسئلہ کہ تمہاری والدہ اور ان کے بھائی صاحب کے درمیان کچھ کھچڑی پک رہی ہے تو یہ تم میرے اوپر چھوڑ دو۔ تمہیں پریشان ہونے کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں کوئی نہ کوئی سبیل نکال لوں گی۔"

"کیا تم شکیل کو اپنی طرف راغب کر کے فرزانہ کا راستہ صاف کرنے کی کوشش کرو گی۔" دردانہ نے سوال کیا۔

"تم اسے راغب کرنے کی بات کر رہی ہو۔ میں اگر چاہوں تو اسے مرغا بنا کر ککڑوں کوں کی صدا لگانے پر بھی آمادہ کر سکتی ہوں لیکن میں ایسا کوئی اقدام نہیں کروں گی جس

Uploaded By Nadeem

سے میری عزت پر بھی بات بن جائے۔ کوئی اور ہی اسکیم سوچی جائے گی۔"

"ایک آسان سا طریقہ اور بھی ہے۔"

"وہ کیا ہے؟" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"تم اگر والدہن کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی تو شکیل سے براہ راست مل کر اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دو' ہو سکتا ہے کہ تمہاری جانب سے کھرا جواب پا کر وہ خود تمہارے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دے۔"

"ہاں! یہ طریقہ آزمایا جا سکتا ہے۔" برجیس نے کہا۔

فرزانہ کی نگاہوں میں امید کی ایک موہوم سی چمک آ گئی۔ اسے دردانہ کا مشورہ پسند آیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ موقع ملتے ہی شکیل سے صاف صاف بات کرے گی اور اس خیال نے اس کے پریشان ذہن کو تھوڑا بہت سکون بخش دیا۔

اسی روز جب کالج کی چھٹی کے بعد وہ گاڑی میں بیٹھ کر گھر روانہ ہوئی تو شکیل اسے اگلے موڑ پر نظر آ گیا۔ خلاف توقع وہ آج اکیلا بھی تھا اس لئے فرزانہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گاڑی کو شکیل کے قریب لے جا کر روک دیا۔

شکیل کے لئے فرزانہ کی یہ غیر متوقع حرکت بڑی تعجب خیز ثابت ہوئی۔ وہ فرزانہ کو دیکھ کر ایک سیکنڈ کے لئے رکا پھر مسکراتا ہوا قریب آ گیا۔ فرزانہ کو اس کی مسکراہٹ بے حد ناگوار گزری لیکن اس نے ضبط کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا۔ شکیل کو اس پر بھی حیرت ہوئی۔ اس نے فرزانہ کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر چپ چاپ اندر آ کر دروازہ بند کر لیا۔

گاڑی ایک معمولی سے جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ فرزانہ بڑی سنجیدگی سے گاڑی اسٹیئرنگ کر رہی تھی۔ اس کے ذہن میں لاوا پگھل رہا تھا۔ بس اسے ٹھیس پہنچنے کی ضرورت تھی۔ اس کی یہ مشکل بھی شکیل نے حل کر دی۔ تھوڑی دور تک دونوں خاموش رہے پھر شکیل نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔

"اس عنایت کا کیا مطلب سمجھوں؟"

"آپ اس خوش فہمی کو دل سے نکال دیں۔" فرزانہ نے تیزی سے کہا۔ "میں نے گاڑی روک کر آپ پر کوئی عنایت نہیں کرنی چاہی تھی۔"

"پھر اس ذرہ نوازی کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"فرمایئے۔" شکیل نے دزدیدہ نظروں سے فرزانہ کو دیکھتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

"میں یہ عرض کرنا چاہتی ہوں کہ بہتر ہو گا کہ آپ میرے راستے میں آنے کی کوشش ترک کر دیں۔" فرزانہ خشک لہجے میں بولی۔

"میں سمجھا نہیں آپ کا مقصد۔" شکیل نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ حقیقتاً اتنے معصوم صفت واقع ہوئے ہیں کہ میری بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکتے؟" فرزانہ نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر خون کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

"بات اگر صاف صاف ہو جائے تو کیا حرج ہے؟" شکیل بھی یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"کیوں' آپ کو نہیں معلوم کہ ماموں جان یہاں کس مقصد کو لے کر آئے ہیں؟"

"میں نے ابھی تک ڈیڈی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"لیکن آپ کو اس کا علم ضرور ہو گا۔" فرزانہ تلملا گئی۔

"مجھے بہت سی باتوں کا علم ہے۔ آپ کا اشارہ کس بات کی طرف ہے؟" شکیل کا جملہ معنی خیز تھا۔ فرزانہ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ شکیل اسے ٹالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے خود ہی "آمدم برسر مطلب" کا فیصلہ کر لیا۔

"میں اپنی بات کر رہی ہوں مسٹر شکیل!" وہ جھلا کر بولی۔

"میں اب بھی آپ کا مفہوم نہیں سمجھ سکا۔" شکیل نے ایک بار پھر تجاہل عارفانہ سے کام لیا۔

"تو صاف صاف لفظوں میں سن لیجئے کہ میری اور آپ کی راہیں پہلے بھی نہ کبھی ایک تھیں اور نہ آئندہ کبھی ایک ہو سکیں گی۔" فرزانہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔ "مناسب ہو گا اگر آپ خود ہی اپنے لئے کسی اور راستے کا انتخاب کر لیں۔"

"ایک سوال میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔" شکیل نے کہا۔ "کیا آپ اپنے لئے کسی راستے کا انتخاب کر چکی ہیں؟"

"آپ کو یہ سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"حق نہیں ہے یا آپ جواب دینے سے گریز کر رہی ہیں۔"

"تمہیں ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔" فرزانہ کی آواز غصے سے کانپ گئی۔

"کیا آپ کو اپنوں اور پرایوں کا فرق بھی نہیں محسوس ہوتا؟" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔

"میں تم کو فضول گفتگو کی اجازت نہیں دے سکتی۔" فرزانہ آپے سے باہر ہو گئی پھر اس نے گاڑی کو سڑک کے کنارے کر کے ایک جھٹکے سے روکتے ہوئے کہا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکی۔"

"اس وقت آپ جذباتی ہو رہی ہیں اس لئے کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم پھر کسی وقت ٹھنڈے دماغ سے اس موضوع پر گفتگو کریں۔"

"میں اس موضوع پر سوچنا بھی وقت کی بربادی سمجھتی ہوں۔" فرزانہ نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"کیا آپ بزرگوں کے کئے ہوئے فیصلوں کا احترام بھی نہیں کریں گی؟"

"میں ایسا کوئی فیصلہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہو سکتی جو میرے مشورے کے بغیر کیا جائے۔"

"آئی سی۔" شکیل نے کسی قدر جھلاتے ہوئے کہا۔ "گویا آپ اپنا ووٹ کسی اور کے حق میں دینے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔"

"مسٹر شکیل! میں بیہودگی پسند نہیں کرتی۔" فرزانہ کا خون کھول اٹھا۔

جواب میں شکیل نے خشمگیں نگاہوں سے فرزانہ کو گھورا پھر دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اتر گیا۔

"کمینہ۔" فرزانہ نے دروازہ بند کر کے لرزتی ہوئی آواز میں اپنے آپ سے کہا پھر گاڑی کو تیز رفتاری سے آگے بڑھا دیا۔

☆======☆======☆

جب فرزانہ کی گاڑی بھی تیزی سے کالج کے احاطے سے باہر نکل کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو ندیم کی رہی سہی امیدوں نے دم توڑ دیا۔ وہ ہکا بکا کھڑا حالات پر غور کرتا

رہا۔ فرزانہ سے اسے توقع نہیں تھی کہ وہ ملے بغیر چلی جائے گی۔ اسے یقین تھا کہ کالج ختم ہونے کے بعد وہ اس سے ضرور ملے گی۔ اپنی پریشانی کا سبب بتائے گی اور پھر وہ فرزانہ کے غم کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گا۔

تمام دن وہ اسی انتظار میں رہا لیکن چھٹی کے بعد بھی فرزانہ نظر بچا کر نکلتی چلی گئی اور ندیم تڑپ اٹھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ فرزانہ اس بے رخی سے اسے نظرانداز کر دے گی۔ یوں منہ پھیر کر چلی جائے گی جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں۔

"لیکن اس بے رخی کا سبب کیا ہے آخر؟" ندیم نے سوچا۔

کس ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی تھی اسے۔

اپنی دانست میں تو اس نے ایسی کوئی غلطی نہیں کی تھی جس کے لئے فرزانہ کی بے رخی کا تکلب ہو سکتا۔

فرزانہ کی خاطر تو اس نے اپنے آپ کو بدل ڈالا تھا۔

اسی کی خاطر تو اس نے دنیا میں ہنسنا سیکھا تھا۔

اپنے غموں کو بھول کر' دکھ درد کے احساس کو مٹا کر۔

غم اور دکھ درد جنہوں نے برسوں اس کا ساتھ دیا تھا۔

جو اس کی زندگی کا سرمایہ تھے۔

محض فرزانہ کی ہی خاطر تو اس نے اپنے اس عظیم سرمائے سے منہ موڑ لیا تھا۔

فرزانہ نے اسے یقین بھی دلایا تھا کہ وہ اس کی خوشیوں کا سہارا بنے گی۔

اس نے بڑے بڑے دعوے کئے تھے۔

بڑے بڑے عہد و پیمان وفا باندھے تھے۔

مستقبل کے سہانے خواب دکھائے تھے لیکن.....

ابھی یہ خواب پورے بھی نہ ہو سکے تھے کہ اس کی تعبیر سامنے آ گئی۔

فرزانہ کی بے رخی کی صورت میں۔

بے رخی ..... جس نے ندیم کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

بے رخی ..... جس نے اسے گنگ بنا دیا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

بے رخی ..... جس کا اسے کوئی سبب بھی نہیں معلوم تھا۔

"پھر یہ بے رخی کیوں تھی؟" ندیم نے اپنے دل سے پوچھا لیکن کوئی جواب نہ پا کر اداس ہو گیا۔

مضمحل انداز میں قدم اٹھاتا ہوا کالج کے احاطے سے باہر نکلا اور سڑکوں پر بے معنی سی آوارہ گردی شروع کر دی۔ ساڑھے چار بجے تک وہ یونہی اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا پھر دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اداس اداس اور تھکا تھکا سا۔

نو بجے رات تک وہ سر جھکائے اپنے کام میں مصروف رہا۔ ہرچند کہ اس کا دل بار بار فرزانہ کی تبدیلی کی وجہ معلوم کر لینے کے لئے دھڑک اٹھتا لیکن وہ حتی الامکان کوشش کر رہا تھا کہ دوسرے اس کے دل کا راز نہ بھانپ سکیں۔ وہ فائلوں میں گم ہو جانے کی کوشش میں اس قدر کھو سا گیا کہ وقت کا احساس بھی نہ رہا۔

"صاحب! نو بج چکے ہیں کیا آج دیر تک بیٹھنے کا ارادہ ہے؟" چپڑاسی نے اسے وقت کا احساس دلایا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ آفس کا مینجر نہ جانے کب اٹھ کر چلا گیا تھا۔ اس کی اسٹینوگرافر بھی موجود نہیں تھی۔ کمرہ خالی تھا۔

"کچھ کام باقی رہ گیا تھا لیکن خیر..... تم بند کر دو آفس ..... کل کر لوں گا۔"

ندیم نے چپڑاسی سے جھوٹ بولا پھر اٹھ کر آفس سے باہر آ گیا اور گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

بنگلے پر پہنچ کر اس نے ساگر کے کمرے کی بتی جلتی دیکھی۔ شاید وہ ابھی تک جاگ رہا ہے۔ ممکن ہے اپنے کاموں میں مصروف ہو۔ ندیم نے سوچا اور دبے قدموں اس کے کمرے کے سامنے سے گزر گیا۔ اس وقت وہ ساگر کے سامنے آنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ساگر کو اپنے غم کا احساس دلا کر پریشان کرے۔

لیکن اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہی ندیم ٹھٹک کر رک گیا۔ ساگر سامنے ایک آرام کرسی پر بیٹھا کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔ چہرے پر کسلمندی کے گہرے تاثرات موجود تھے۔ آنکھوں کی گرد نظر آنے والے حلقے ندیم کو اس وقت کچھ زیادہ گہرے نظر آ رہے تھے۔

ایک لمحہ کے لئے وہ دروازے پر ہی کسی بت کی طرح جما کھڑا رہا۔ اسے ساگر کو اپنے

کمرے میں دیکھ کر تعجب ہوا تھا۔ بہت دنوں سے ایک ساتھ رہتے رہتے وہ ایک دوسرے کی عادتوں کو سمجھ چکے تھے۔ آج پہلا اتفاق تھا جب ساگر کو اس نے اپنی خوابگاہ میں اس طرح پریشان بیٹھے دیکھا تھا۔

"آخر کیوں؟" ندیم نے سوچا پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اس نے یہی سمجھا تھا کہ شاید آج کی تاریخ میں قدرت کا سارا نظام الٹ پلٹ کر رہ گیا ہے۔ ہر چیز بدل کر رہ گئی ہے۔ ہر شے اپنی حقیقت کے برعکس ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی ہے اور اسی مبہم سے خیال پر وہ خود اپنے آپ پر ہنس دیا تھا۔

"کیا بات ہے انکل!" اس نے ساگر کے قریب جا کر پوچھا۔ "آپ سوئے نہیں ابھی تک؟"

ساگر نے چونک کر ندیم کو دیکھا پھر بجھے بجھے لہجے میں کہا۔

"میں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

"کھانا نہیں کھایا۔" ندیم کو اپنے آپ پر غصہ آ گیا۔ اسے یہ بات مطلق یاد نہیں رہی تھی کہ ساگر اس کے بغیر کبھی رات کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ ایک دو بار پہلے بھی اسے دیر ہو گئی لیکن اس نے معذرت طلب کر لی تھی اور اس کے بعد سے وہ بڑی پابندی سے گھر پہنچنے لگا تھا لیکن آج ..... آج اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ وہ خود بھی تو صرف گھر سے ناشتہ کر کے نکلا تھا اور جب سے اب تک ایک دانہ بھی اس کے حلق کے نیچے نہیں اترا تھا۔

بھوک اور پیاس کا احساس بھی مٹ گیا تھا۔

محبت بھی کتنے عظیم جذبے اور کتنی عظیم طاقت کا نام ہے۔

جسے راس آ گئی اسے قارون کا خزانہ مل گیا۔

جسے راس نہ آئی وہ برباد ہو گیا۔

جیسے مسرت و شادمانی اور رنج و الم سب ہی اس کے تابع ہیں۔

ندیم ایک بار پھر پھیکی ہنسی ہنس دیا۔

"کیا آج کھانا کھانے کا ارادہ نہیں ہے؟" ساگر نے پوچھا اور ندیم خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی روشنی میں آ گیا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ کھانا کھائے لیکن ساگر کے خیال سے وہ انکار بھی نہ کر سکا اور خاموشی سے ملازم کو کھانا لانے کی ہدایت کرنے کے لئے باہر چلا گیا۔ کھانے کے دوران بھی بار بار فرزانہ کا خیالی ہیولہ اس کی نظروں کے سامنے ابھرتا رہا۔ اس نے بمشکل ساگر کا ساتھ دیا پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ کپڑے تبدیل کئے بغیر ہی وہ بستر پر لیٹ گیا۔ نہ جانے کتنی دیر تک وہ فرزانہ کے بدلے ہوئے رویے کے بارے میں سوچتا رہا اس کی بے رخی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس کی بے نیازی کے اسباب تلاش کرتا رہا پھر بجلی بجھانے کے ارادے سے اٹھا لیکن چونک پڑا۔

ساگر خوابگاہ کے دروازے پر کسی مجسمے کی مانند ایستادہ اسے ٹکٹکی باندھے دیکھے رہا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے وہاں موجود تھا۔ ندیم کٹ کر رہ گیا۔

"انکل! ..... آپ....." وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"ندیم میاں! کیا بات ہے تم آج کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟" ساگر نے ندیم کے چہرے کو گھورتے ہوئے کہا پھر تھکے تھکے انداز میں قدم بڑھاتا آگے بڑھا اور مضمحل انداز میں خود کو آرام کرسی پر گرا دیا۔

"دفتر میں کام کی زیادتی تھی انکل اس لئے تھک گیا ہوں۔" ندیم نے جلدی سے بات بنائی۔

"دوپہر کو بھی تم گھر نہیں آئے۔"

"ایک دوست کے ساتھ چلا گیا تھا۔" ندیم نے دوسرا جھوٹ بولا۔

"آج تم نے کپڑے بھی نہیں تبدیل کئے اب تک۔"

"ذرا تھکن اتار رہا تھا۔" ندیم نے مسکرانے کی کوشش کی پھر جلدی جلدی جوتے کے تسمے کھولنے لگا۔

ساگر بہت غور سے اس کی ایک ایک حرکت کا جائزہ لے رہا تھا۔ ندیم نے جوتے اتارے پھر کپڑے تبدیل کرنے کے لئے ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ جب واپس لوٹا تو ساگر نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ندیم میاں! میں سوچ رہا ہوں کہ اب واپس اسی دنیا میں چلا جاؤں جہاں سے تمہاری محبت اور تمہارا اصرار مجھے کھینچ لایا تھا۔"

"انکل! ..... کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے؟" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "اگر میری کسی بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو میں اس کے لئے معافی کا خواستگار ہوں۔"

"یہ بات نہیں ہے' مگر اب میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم مجھے غیر سمجھنے لگے ہو۔"

"آپ میرے محسن ہیں انکل! میں کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔" ندیم بولا۔ "اگر میں آپ کو غیر سمجھتا تو یہاں آنے کے لئے بضد کبھی نہ ہوتا۔"

"پھر..... یہ غیریت کا مظاہرہ کس لئے ہے؟"

"جی! میں سمجھا نہیں۔" ندیم نے حیرت سے بھرے لہجے میں کہا۔

"ڈوبتا ہوا انسان تو تنکے کا سہارا بھی بہت سمجھتا ہے۔ کیا تم مجھ کو تنکے سے بھی زیادہ حقیر سمجھتے ہو؟"

"انکل! ....." ندیم پہلے ہی اداس تھا ساگر کے طرز گفتگو پر تڑپ کر بولا۔ "خدا کے لئے مجھے میرا قصور تو بتا دیجئے۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ تم مجھے یہاں کس لئے لائے تھے؟"

"مجھے ایک بزرگ' ایک شفیق اور ایک ہمدرد کے سہارے کی ضرورت تھی۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "یہ تمام باتیں مجھے آپ کی بلند ہستی میں نظر آئیں اور ..... اور میں آپ کو پا لینے کے بعد ڈیڈی کی کمی کو بھول گیا..... خدا شاہد ہے انکل کہ میں آپ کو اپنا بزرگ سمجھتا ہوں' آپ مجھے کوئی حکم دے کر دیکھئے اگر میں سرتابی کروں تو سمجھ لیجئے گا کہ میرے خون میں کوئی خرابی ضرور موجود ہے۔" ندیم جذباتی رو میں بہنے لگا اور ساگر اسے بدستور گھورتا رہا۔ پھر جب ندیم چپ ہوا تو ساگر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ اس کے چہرے پر بڑی گھمبیر سنجیدگی مسلط تھی۔

"انکل! کیا آپ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتے کہ مجھے میری غلطی کا احساس ہی دلا دیں؟" ندیم ساگر کی خاموشی پر تڑپ اٹھا۔

"کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے کہ تم نے مجھ سے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔" ساگر نے بھاری آواز میں کہا۔ "کیا یہ درست ہے کہ دوپہر کو تم کسی دوست کے ساتھ چلے گئے تھے۔ کیا یہ بھی حقیقت ہے کہ دفتر میں کام کی زیادتی نے تم کو مضمحل کر دیا ہے؟"

Uploaded By Nadeem

ندیم نے چونک کر ساگر کو دیکھا پھر اس کی نظروں کی تاب نہ لا کر سر جھکا لیا۔

"کیا میں تمہاری خاموشی کو اس بات کا اعتراف سمجھوں کہ تم نے مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کی ہے۔"

"انکل!" ندیم نے دبی زبان میں کہا۔ "میں آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔"

"کیوں؟"

"میں اسے بے ادبی سمجھتا ہوں۔"

"ہوں ..... گویا اب تم اپنی سعاتمندی کا مظاہرہ کر کے اپنی زندگی کو برباد کرنے کے درپے ہو۔"

ندیم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے دبی زبان میں ساگر کو صورت حال سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ بھی محض اس لئے کہ اس کے ذہن میں یہی خیال ابھرا تھا کہ ممکن ہے فرزانہ اس کی غیر موجودگی میں وہاں آئی ہو اور اس نے ساگر کو اپنی پریشانی کا سبب بتا دیا ہو۔ ساگر کی گفتگو نے اس کے خیال کی تصدیق کر دی تھی۔

"فرزانہ کو تم کب سے جانتے ہو؟" ساگر نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا۔

"فرسٹ ایئر سے ہم دونوں ایک ساتھ ہی پڑھ رہے ہیں۔" ندیم نے آہستہ سے کہا۔

"اس کے کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میں نے فرزانہ کے کردار کو مریم کے تقدس سے کبھی کم نہیں جانا۔"

"تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو' کیوں؟"

ندیم نے جواب دینے کے بجائے نظر اٹھا کر ساگر کے چہرے کو دیکھا۔ کچھ کہنے کی ہمت کی لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا۔ اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی اور اس نے جلدی سے اپنی نظریں دوبارہ جھکا لیں۔

"کیا تمہیں فرزانہ کی معصوم محبت پر اعتماد نہیں ہے؟"

"میں نے ایسا کبھی تصور بھی نہیں کیا انکل!" ندیم دبی زبان سے بولا۔

"پھر پریشانی کی کیا وجہ ہے؟ مرد ہو کر ہمت ہار رہے ہو۔" ساگر نے ٹھوس لہجے میں

کہا۔ "اس باپ کے نام کو داغدار کرنا چاہتے ہو جس نے طوفانوں کا منہ پھیر کر اپنی منزل تلاش کی تھی۔ جس نے دنیا کے تمام سہاروں کو چھوڑ کر صرف اپنی قوت بازو اور اپنی بلند ہمتی کو سہارا بنایا تھا۔ تم اس باپ کی روح کو شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔"

ندیم چپ چاپ کھڑا سنتا رہا۔ جواب دینے کی ہمت نہ کر سکا۔

"میرے تجربے نے اس راز کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔" ساگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد بولا۔ "محبت کرنا گناہ نہیں ہے بشرطیکہ انسان کا دل صاف ہو۔ اس میں نفسانی خواہشات کا دخل نہ ہو اور مجھے تم دونوں پر مکمل اعتماد ہے۔ میرا یقین مجھے کبھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔"

"انکل!" ندیم نے ہمت کی۔ "کیا فرزانہ یہاں آئی تھی؟"

"ہاں' اور اس نے مجھے اپنا سمجھ کر اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا کر ڈالا۔" ساگر کے لہجے میں اس بار درد کی آمیزش بھی تھی۔ "میں صورت حال سے مایوس نہیں ہوں۔ جذبے اگر صادق اور سچے ہوں تو ناکامی ناممکن بن جاتی ہے۔"

"اسے کیا پریشانی درپیش ہے انکل!" ندیم نے دھڑکتے ہوئے دل اور لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"پریشانی نہیں بلکہ مشکل کہو ندیم میاں! اور مشکل صرف اتنی ہے کہ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے' اس کی رگوں میں ایک شریف باپ کا خون موجود ہے۔ وہ اپنی تہذیب سے بغاوت کی ہمت نہیں کر سکتی۔ منہ میں زبان ہونے کے باوجود اپنا حق نہیں مانگ سکتی۔ مجبوریوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔"

ندیم گم صم کھڑا ساگر کی صورت کو تکتا رہا۔ ساگر کے چہرے پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ اس نے ابھی تک ندیم کو فرزانہ کی پریشانی کی اصل وجہ نہیں بتائی تھی جسے جان لینے کے لئے وہ بری طرح مضطرب تھا۔

ساگر چند ثانئے تک کسی ٹھہرے ہوئے طوفان کی طرح خاموش رہا پھر نرم آواز میں بولا۔ "میں نے فرزانہ کو بھی یہی مشورہ دیا ہے کہ حالات سے مایوس نہ ہو اور تم کو بھی یہی مشورہ دے رہا ہوں کہ آنسو بہانے کی بجائے ہمت سے کام لو۔ تم دونوں مجھے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو اس لئے بھروسہ رکھو۔ اگر میری زندگی بھی تم لوگوں کے کام آئی تو میں

Uploaded By Nadeem
ندیم

دریغ نہیں کروں گا۔"

"انکل! کیا آپ مجھے یہ نہیں بتائیں گے کہ فرزانہ کو اچانک کیا دشواری پیش آ گئی ہے۔" ندیم نے ساگر کی باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔" ساگر نے جلدی سے کہا۔ "یونہی اپنے خیالات کی پیداوار سے بے چین ہو گئی ہے۔"

"انکل! آپ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"مصلحت اسی میں ہے کہ تم ان حالات کو جاننے کے لئے ضد نہ کرو۔" ساگر نے ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھ پر اعتماد رکھو۔"

"میں کسی حد تک سمجھ چکا ہوں۔" ندیم نے مغموم آواز میں کہا۔ "کوئی اور ہمارے راستے میں دیوار بن کر حائل ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"ندیم میاں! کیا تم سچے جذبے سے فرزانہ کو اپنانے کا مصمم ارادہ کر چکے ہو؟" ساگر نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اپنی زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی؟" ندیم نے نظر جھکا کر جواب دیا۔

"تو پھر اپنے آنسوؤں کو پونچھ ڈالو۔" ساگر ایک عزم کے ساتھ بولا۔ "فرزانہ تمہارے سوا کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم دونوں کے راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو کچل دوں گا۔ ہر اس دیوار کو بنیاد سے اکھاڑ پھینکوں گا جو تمہارے راستوں میں حائل ہو گی۔"

"انکل!" ندیم کی آنکھیں شدت جذبات سے چھلک اٹھیں وہ کسی بچے کی طرح ساگر کے سینے سے لپٹ گیا۔

اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو ساگر کے سینے کی گہرائیوں میں جذب ہوتے رہے۔ ساگر نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے سسکتے ہوئے ندیم کو دیکھا پھر بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

نہ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جس نے ساگر کو ندیم سے اس قدر قریب تر کر دیا تھا۔

☆======☆======☆

اگلے روز فرزانہ جب کالج پہنچی تو مطمئن مطمئن سی نظر آ رہی تھی لیکن پھر بھی وہ

شوخی اور شرارت اس کے لب و لہجے سے عیاں نہیں تھی جس نے اسے اپنی ہم جماعت لڑکیوں میں انفرادیت بخشی تھی۔ اطمینان کی وجہ ساگر کے سوا کسی اور کی ذات نہیں تھی۔ گذشتہ روز جب وہ شکیل سے الجھی تھی تو اس کا غصہ عالم شباب پر تھا۔ ایسی حالت میں اس نے گھر جانا دانشمندی کے منافی سمجھا۔ تھوڑی دیر تک سڑکوں پر کار دوڑاتی رہی پھر اس کے ذہن کے پردوں پر ندیم کا معصوم چہرہ ابھر آیا جو زبان خاموش سے اس سے اس کی بے رخی کی وجہ دریافت کر رہا تھا۔ اس بے اعتنائی کا سبب پوچھ رہا تھا جو اس نے کالج میں برتی تھی۔

فرزانہ کو اپنے آپ پر غصہ آ گیا۔ اسے ندیم سے ایسا سلوک نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مانا کہ وہ محض ندیم ہی کی خاطر پریشان تھی لیکن ندیم کو ان باتوں کا علم نہیں تھا۔ وہ فرزانہ کی اس بے رخی اور بے نیازی سے غلط مطلب بھی نکال سکتا تھا اور پھر اس خیال کے تحت اس نے ندیم کے بنگلے پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ وہ ندیم سے ملاقات کر کے اسے حالات سے آگاہ کرنا چاہتی تھی بلکہ تھوڑا وقت بھی باہر گزارنا چاہتی تھی۔

اس نے گاڑی کا رخ موڑ دیا اور اڑتی ہوئی ندیم کے بنگلے پر جا پہنچی لیکن انتظار پیہم کے باوجود ندیم نہیں آیا۔ فرزانہ ساگر کے ساتھ بیٹھی باتیں کرتی رہی لیکن ندیم کی غیر موجودگی نے اسے دل برداشتہ کر دیا تھا اس کا اضطراب بڑھتا چلا گیا اور چہرے کی اس بدلتی ہوئی کیفیت نے ساگر کو بھی نہ جانے کیوں بے چین کر دیا۔ اس نے فرزانہ کی ظاہری کیفیت سے تھوڑا بہت اندازہ لگا لیا تھا کہ اس کی پریشانی کی وجہ کیا ہے۔ پھر اس نے دبی زبان میں فرزانہ سے اس کی وجہ بھی دریافت کی۔ فرزانہ نے اسے ٹالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ ساگر کی محبت بھری مشفقانہ باتوں نے اسے موم کی طرح پگھلا دیا۔ دل و دماغ میں بھرے ہوئے پریشان خیالات جوالا مکھی کی طرح پھوٹ پڑے۔ ایک ہمدرد کو پا کر اس کا دل بھر آیا اور پھر وہ دبی دبی زبان میں سب کچھ کہہ گئی۔ ساگر کے رویے نے جیسے عمل تنویم کا اثر کیا تھا۔ وہ کسی معمول کی طرح بولتی رہی۔

دل کا بوجھ جب ہلکا ہوا تو اس نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور ساگر سے گھر جانے کی اجازت طلب کی لیکن ساگر نے اسے روک لیا۔ فرزانہ کو گم صم بیٹھا ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا

Uploaded By Nadeem
ندیم

پھر اس نے فرزانہ کو جھجکتے ہوئے دبی زبان میں اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ وہ اس کی ہر ممکن مدد کرے گا اور ساگر کی باتوں میں اسے امید کی ایک روشن کرن نظر آ گئی۔ وہ مطمئن ہو گئی اور یہی اطمینان اس وقت بھی اس کے چہرے پر جھلک رہا تھا جب اس نے کلاس روم میں قدم رکھا۔

ندیم نے بوجھل بوجھل پلکیں اٹھا کر فرزانہ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں حسرت بھری ہوئی تھی۔ وہ شکایتی نظروں سے فرزانہ کو دیکھتا رہا اور فرزانہ اس شکایت کا کوئی معقول جواب نہ دے سکی۔ کٹ کر رہ گئی۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور پھر اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

وقفے کی چھٹی کے درمیان وہ سیدھی لان کے اس گوشے کی طرف آئی جہاں ندیم ایک بوڑھے برگد کے نیچے بیٹھا اپنے خیالات میں محو تھا۔ اسے ندیم کی اس اداسی پر بھی پیار آ گیا۔ شاید اس لئے کہ ندیم اسی کے لئے پریشان تھا۔

فرزانہ کو معاً ایک خیال آیا۔ ایک معصوم اور انوکھا خیال اور پھر وہ خاموشی سے سر جھکائے آگے بڑھی اور ندیم کے سامنے مجرموں کی طرح کھڑی ہو گئی۔

ندیم اپنے ذہن میں الجھے ہوئے خیالات کو سلجھانے کی سعی کر رہا تھا۔ یوں اچانک فرزانہ کو سامنے کھڑا دیکھا تو ہڑبڑا کر اٹھا اور سر تا پا نیاز بن گیا۔

"آپ شاید مجھ سے ناراض ہیں؟" فرزانہ نے جھکی جھکی پلکوں کو بڑے دلربانہ انداز میں آہستہ آہستہ اپنی غزال آنکھوں سے اٹھاتے ہوئے ندیم سے کہا۔

"ناراضگی نہیں' ہاں شکایت ضرور ہے۔" ندیم بولا۔

"اس لئے کہ میں کل آپ سے ملے بغیر چلی گئی تھی۔"

"ہاں....."

"پھر آپ نے میرے لئے اس جرم کی کیا سزا تجویز کی ہے؟" فرزانہ نے بھولپن سے پوچھا۔

"خطاوار میں ہوں فری! تم نہیں ہو۔" ندیم کے لہجے میں اداسی تھی۔

"کیا خطا کی ہے آپ نے؟"

"کیا فرق پڑ جاتا اگر میں تمہارے تصور سے صرف اپنے دل کی دنیا کو آباد رکھتا۔ اس

پاک جذبے کو زبان تک نہ لاتا جو تمہاری پریشانی کا سبب بن گیا۔"

"اوہ! گویا آپ کو اس جرأت پر ندامت ہو رہی ہے۔"

"ندامت نہیں بلکہ افسوس ہو رہا ہے کہ میری بدنصیبی نے تمہاری جھولی میں بھی مسکراہٹوں کے بجائے آنسو بھر دیئے۔"

"ایک طریقہ ہے جو اس ندامت کو ختم کر سکتا ہے۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کیا؟"

"آپ..... مجھے بھول جائیں۔"

"نہیں فری! ..... نہیں۔" ندیم تڑپ اٹھا۔ "اب یہ میرے بس کی بات نہیں۔"

"پھر پچھتاوا کس لئے ہے۔"

"اس بات کا کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔" ندیم مغموم آواز میں بولا۔

"کل آپ کالج سے گھر کیوں نہیں آئے تھے؟" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"دل نہیں چاہا تھا۔"

"کیوں؟"

"مجھے امید نہیں تھی کہ تم وہاں بھی مل سکو گی۔"

"آپ نے ابھی تک یہ نہیں پوچھا کہ کل میں اداس کیوں تھی؟"

"اگر تم مناسب سمجھتی تو کل ہی بتا دیتیں۔ میں مجبور نہیں کرنا چاہتا۔" ندیم نے مضمحل انداز میں کہا۔

"کیوں' کیا اب آپ مجھ پر حق نہیں سمجھتے؟" فرزانہ نے حیا بار نظروں سے ندیم کو گھورا۔

"یہ بات نہیں ہے۔" ندیم تڑپ اٹھا۔

"پھر کیا بات ہے۔" فرزانہ ندیم کی معصوم بوکھلاہٹ پر محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"ڈرتا ہو کہ تم ناراض نہ ہو جاؤ۔"

"کیا ساگر انکل نے آپ کو بتایا تھا کہ میں بہت دیر تک آپ کی منتظر رہی تھی؟"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"ہاں۔"

"اور بھی کچھ کہا تھا۔" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"ہاں۔" ندیم جلدی سے بولا۔ "ایک خاص بات اور کہی تھی۔"

"کیا؟"

"یہی کہ تم مجھے اپنا نہیں سمجھتیں۔"

"جھوٹ۔" فرزانہ مسکرا دی۔

"اگر یہ جھوٹ ہے تو پھر سچ کیا ہے؟" ندیم نے فرزانہ کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق کی لالی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اپنے دل سے پوچھئے۔"

"میرا دل میرے پاس کہاں ہے۔" ندیم نے جلدی سے کہا۔ "اس پر تو تمہارا قبضہ ہو چکا ہے۔"

"چوری اور سینہ زوری اسی کو کہتے ہیں شاید!" فرزانہ جھینپتے ہوئے انداز میں بولی۔ "دو سال تک آپ کیا کرتے رہے تھے؟"

"چلئے مان لیتا ہوں کہ میں دو سال تک آپ کی خاموش پرستش کرتا رہا لیکن محبت کی دبی ہوئی چنگاریوں کو کرید کر ہوا کس نے دی تھی؟"

"اللہ جانے۔" فرزانہ نے معصومیت سے کہا۔

بہت دیر تک وہ اسی انداز میں چھیڑ چھاڑ کرتے رہے پھر ندیم نے پوچھا۔

"تم نے ابھی تک مجھے یہ نہیں بتایا کہ کل کی پریشانی کی وجہ کیا تھی؟"

"پہلے وعدہ کرو کہ تم وجہ سن کر اداس نہیں ہو گے۔"

"ہماری اداسیاں اور خوشیاں اب مشترک ہیں فری! اگر تمہاری پریشانی ختم ہو چکی ہے تو پھر میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔" ندیم کے لہجے میں بلا کی اپنائیت تھی۔

فرزانہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے مرزا عقیل اور ماں کے درمیان ہونے والی گفتگو لفظ بہ لفظ دہرا ڈالی۔ ندیم ایک لمحے کے لئے اداس ہو گیا لیکن جلد ہی خود پر قابو پا کر بولا۔

"کیا تم نے انکل کو بھی ان حالات سے آگاہ کر دیا ہے؟"

"ہاں' میں ان کے اصرار کے سامنے انکار نہیں کر سکی تھی۔"

"شکیل نے گزشتہ روز شاید اسی وجہ سے مجھ پر طنز کیا تھا۔"

"کیا طنز؟" فرزانہ چونکی۔

"اس نے مجھے تمہاری کل کی بے رخی کا طعنہ دیا تھا۔"

"اور تم چپ ہو گئے ہو گے۔"

"ہاں ..... میں نے اس کے منہ لگنے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"بہرحال ..... تمہیں اس بات کا اثر نہیں لینا چاہئے۔" فرزانہ تیزی سے بولی۔ "میں نے کل ہی تمہاری بے عزتی کا حساب بے باق کر دیا تھا۔ اگر وہ شریف ہو گا تو دوبارہ ہمارا سامنا کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

"کیا مطلب ..... کیا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی تکرار ہوئی تھی؟"

"ہاں ..... میں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ اس کی خوش فہمی کو دور کر دوں۔"

فرزانہ نے شکیل والا سانحہ بھی بتا دیا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ تم نے اچھا نہیں کیا فری!"

"کیوں ..... کیا برائی تھی اس میں؟"

"برائی نہیں' مصلحت۔" ندیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ شکیل اب اپنی کوششوں میں اضافہ کر دے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"شکیل سے زیادہ مجھے زاہد وغیرہ کی طرف سے کھٹکا ہے۔ اگر شکیل نے انہیں حالات کی تفصیل بتا دی تو وہ یقیناً اسے اکسائیں گے۔" ندیم نے کہا۔ "ممکن ہے کہ زاہد نے تمہارے تھپڑ کا انتقام لینے کی غرض سے اسے پہلے بھی بھر رکھا ہو۔"

"مجھے صرف ابا حضور کے فیصلے کا خوف ہے۔ زاہد اور شکیل وغیرہ کی مطلق فکر نہیں میں ان چھوٹی موٹی مخالفتوں سے ٹکرانے کی ہمت رکھتی ہوں۔"

"گویا امتحانوں کے بعد ہماری قسمت کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔" ندیم نے فرزانہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔" فرزانہ نے ڈھارس دلائی۔ "یہ

Uploaded By Nadeem
ندیم

ضرور ہے کہ کھل کر والدین کے فیصلوں کے خلاف کوئی بغاوت نہیں کر سکتی لیکن اتنی آسانی سے میں اپنی زندگی اور اپنے مستقبل کا نیلام کبھی نہ ہونے دوں گی اور اگر حالات نے مجھے بے بس کر دیا تو پھر ایک ہی صورت رہ جائے گی۔ میں فساد کی جڑ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دوں گی۔"

"فری!" ندیم فرزانہ کے اس فیصلہ پر کانپ اٹھا۔ "خدا کے لئے ایسا مت سوچو۔ مایوسی گناہ ہے۔ ہم آخری وقت تک اپنی سی کوشش کر دیکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر کاتب تقدیر کو ہماری خوشیاں پسند نہ آئیں تو پھر مجبوری ہے۔"

"ناممکن ہے ندیم!" فرزانہ جذباتی بن گئی۔ "میں تکیل کے ساتھ زندگی کا ایک لمحہ بھی گزارنے کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس سے تو موت بدرجہا بہتر ہے۔"

"تمہیں میری قسم فری!" ندیم نے تڑپ کر کہا۔ "میری محبت کا واسطہ کہ ایسا کبھی مت کرنا اور اگر یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے تو پھر مجھے بھی اس فیصلے میں شامل کر لینا۔ تم نے عہد کیا تھا ہمیشہ میرا ساتھ دو گی ..... بدعہدی مت کر بیٹھنا۔"

"ندیم!" شدت جذبات سے فرزانہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"ہاں فری! میں تم کو کبھی ایسا مشورہ نہ دوں گا۔ محبت خودغرضی کے جذبے سے پاک اور بہت بلند ہوتی ہے۔ محبت کا تعلق مقدس اور پاک روح سے ہوتا ہے۔ جسمانی خواہشات کو اس سے کوئی سروکار نہیں اور پھر اگر محبت بدنام ہو گئی تو ہمارا ضمیر ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ملامت کرتا رہے گا۔ کچوکے لگاتا رہے گا۔"

فرزانہ خاموش کھڑی ندیم کی باتیں سنتی رہی اور ندیم بولتا رہا۔

"محبت کا انجام اگر ہمیشہ خوشگوار ہونے لگے تو پھر محبت کی عظمتیں مٹ جائیں گی۔ اس کی سربلندی سرنگوں ہو جائے گی۔ محبت کا نام حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔ فنا ہو جائے گا اور روحانی مسرتوں کا مفہوم بھی مفقود ہو کر رہ جائے گا۔" ندیم کہتے کہتے رکا اس نے فرزانہ کو قربان ہو جانے والے بھرپور جذبے سے دیکھا پھر اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹھوڑی اونچی کرتے ہوئے بولا۔ "فری! طلب اگر سچی ہو تو مایوسی کا تصور بھی درمیان میں نہیں آنا چاہئے اور تم ..... تم تو ازل سے میری تھیں اور ابد تک میری رہو گی ..... کیوں؟"

فرزانہ کا تنفس تیز ہونے لگا۔ محبت کے لمس نے اس کی حالت غیر کر دی۔ اس نے شرما کر نظریں جھکائیں اور لجا کر ندیم کے کندھے پر سر ٹکا لیا اور پھر ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اسے اچانک ایک مناسب پناہ گاہ مل گئی ہو۔ وہ خود کو اس وقت دنیا کے محفوظ ترین مقام پر محسوس کر رہی تھی۔

جہاں نہ کسی رہزن کا ڈر تھا اور نہ گردش دوراں کا خوف!

وقت کی گردش جیسے ساکت ہو گئی تھی ..... اور دو معصوم دل محبت کے جذبے سے سرشار کائنات کی نبض کی حرکت بن کر دھڑک رہے تھے۔

"وعدہ کرو فری! کہ تم موت کے تصور کو کبھی اپنے ذہن کے قریب نہ پھٹکنے دو گی۔" ندیم نے بڑی محبت سے اس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

فرزانہ جواب دینے کے بجائے اسی طرح ندیم کے کندھے سے سر ٹکائے کھڑی رہی۔

"کچھ تو کہو فری!"

"ندیم!" یکلخت فرزانہ نے سر اٹھا کر ندیم کو دیکھا پھر بولی۔ "تم کو پا کر میں اپنے آپ کو بھی بھول چکی ہوں۔ پہلے میں تمہاری عزت کرتی تھی پھر حالات نے کروٹ بدلی اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر ایک قدم اور آگے بڑھا بیٹھی۔ مختار نے جب پارٹی کے اختتام پر تم کو تحفے کا طعنہ دیا تھا تو نہ جانے کیوں مجھے بھی وہ بات بری لگی اور پھر تمہاری اداسی نے میرے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اسی جذبے کے تحت میں تمہارے قریب آتی چلی گئی اور پھر رفتہ رفتہ یہ جذبہ محبت میں تبدیل ہو کر میرے دل میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا رہا۔ تمہیں پا کر میں نے یوں محسوس کیا ہے جیسے میں نے محبت کی بلندیوں کو چھو لیا ہو۔ اس کی عظمتوں کو تسخیر کر لیا ہو۔ میں اپنی فتح پر آج تک نازاں ہوں پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں تم کو بھول جاؤں۔ تمہاری جدائی کا تصور بھی میرے لئے جان لیوا ثابت ہو گا۔ میں اگر بلندی سے پستی کی طرف آئی تو سنبھل نہ سکوں گی' تاریکیوں میں گم ہو کر رہ جاؤں گی۔ مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے ندیم! صرف تمہارے سہارے کی جو اگر مجھے نہ ملا تو میرے قدم لڑکھڑا جائیں گے۔ میں بربادی کی عمیق گہرائیوں میں اوندھے منہ گر پڑوں گی۔ مجھے کوئی ایسا مشورہ مت دو جو میرا دل قبول نہ کرے۔ گھٹ گھٹ کر اور

Uploaded By Nadeem
ندیم

سسک سسک کر مرنے سے تو بہتر ہے کہ انسان ایک ہی وار میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر دے۔"

"حوصلہ مت ہارو فری!" ندیم نے اسے دلاسا دیا۔ "ہم زندگی کی آخری سانسوں تک حالات کا مقابلہ کریں گے اور پھر انکل نے وعدہ بھی تو کیا ہے کہ وہ ہماری خوشیوں کے ساتھ ہیں۔"

"انکل بہت عظیم ہیں ندیم!" فرزانہ بولی۔ "کل میں تم سے ملاقات کرنے کی غرض سے گئی تھی لیکن ان کی باتوں نے مجھے سب کچھ کہہ دینے پر مجبور کر دیا۔ کتنا خلوص اور کتنا پیار ہے ان کی باتوں میں۔ اگر مجھے یہ خلوص بھی میسر نہ آتا تو شاید میرا دل پھٹ جاتا ..... لیکن ساگر انکل کی باتوں نے مجھے سہارا دیا۔ انہوں نے دبی زبان میں مجھ سے بھی یہی کہا ہے کہ وہ ہر قیمت پر میری مدد کریں گے۔"

"فری!" ندیم نے فرزانہ کے ذہن سے غموں کی تلچھٹ کو مٹانے کی خاطر کہا۔ "ایک بات کہوں۔"

"جو چاہو کہہ سکتے ہیں ..... میں برا نہیں مانوں گی۔"

"یہ بتاؤ' کیا آج صبح تم نے آئینہ دیکھا تھا؟"

"ہاں ..... کیوں؟" فرزانہ نے سادگی سے کہا۔

"تم آج بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔" ندیم مسکراتے ہوئے بولا۔ "مجھے حیرت ہے کہ آئینہ ٹوٹ کیوں نہیں گیا۔"

اور فرزانہ ندیم کے اس اچانک جملے پر شرما گئی۔ پھولوں سے لدی ہوئی کسی نرم شاخ کی طرح لچک کر رہ گئی۔ دراز پلکیں چلمن کی طرح حسین آنکھوں پر جھک گئیں۔

"آج میں یہ کہوں گا کہ پہلی فرصت میں اپنی نظر اتار لینا۔" ندیم شوخی سے بولا۔

"کیوں' کیا آپ کو اپنی نظر پر بھروسہ نہیں ہے؟" فرزانہ نے برجستہ کہا۔

"مذاق نہیں فری! ایمان سے تم آج مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

"اس میں میری کیا خطا ہے؟" فرزانہ کے ہونٹ مسکرا اٹھے۔ "آپ کی نظروں کا قصور ہے۔"

"اگر قصوروار نہ ہوتا تو عمر قید کی آرزو کیوں کرتا۔" ندیم نے دبی زبان میں کہا اور

فرزانہ اس جملے پر ایک بار پھر شرم سے دوہری ہو گئی۔

ندیم اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ سمٹی سمٹائی فرزانہ اسے بل کھائی ہوئی دھنک کی طرح حسین لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا کہ فرزانہ تمام زندگی اسی انداز میں اس کے سامنے کھڑی رہے اور وہ اسے دیکھتا رہے۔

وقفے کے اختتامی گھنٹے ہی نے اس کی محویت کو توڑا تھا۔

☆======☆======☆

Uploaded By Nadeem
ندیم

فلک کج رفتار اپنی گردش پر قہقہہ زن تھا۔

ایک مہینہ پلک جھپکتے گزر گیا۔ دوسری تنخواہ ملی تو ندیم خوشی سے جھوم اٹھا۔ یہ خوشی تنخواہ ملنے سے زیادہ اس بات کی تھی کہ اسے فرزانہ کے لئے تحفہ خریدنا تھا۔ تنخواہ لے کر جب وہ گھر آیا تو بے انتہا مسرور تھا۔

حسب معمول اس نے تنخواہ کا لفافہ خاموشی سے ساگر کو دیا جس نے ہزاروں دعاؤں کے ساتھ لفافہ واپس ندیم کی جیب میں ڈال دیا اور اس کے چہرے سے عیاں خوشی کو بھانپ کر بولا۔

"آج تم بہت خوش نظر آرہے ہو ندیم میاں!"

"کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے انکل!" ندیم نے مسکرا کر ٹالتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں مان سکتا' کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔" ساگر نے جواب دیا پھر زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔ "کیا تم مجھے اپنی خوشیوں میں شریک نہیں کرنا چاہتے۔"

"یہ آپ کیا فرما رہے ہیں انکل!" ندیم نے تیزی سے جواب دیا۔ "یہ آپ ہی کی ذات تو ہے جس نے مجھے خوش آئند مستقبل کا یقین دلایا ہے۔ اگر آپ نہ ملتے تو شاید میں زندگی کی طویل راہوں پر تنہا نہ جانے کب تک بھٹکتا رہتا۔"

"تم پھر مجھے ٹال رہے ہو۔" ساگر نے کہا۔ "یقیناً کچھ ایسی ہی خاص بات ہے جو تم مجھے نہیں بتانا چاہتے۔"

"شرم مانع ہے انکل!" ندیم نے جھکی جھکی نظروں سے کہا۔

"شرم کاہے کی' میں بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ تمہارا دوست بھی ہوں۔" ساگر کے لہجے میں بے پناہ خلوص تھا' محبت تھی' اپنائیت تھی۔

"بات دراصل یہ ہے انکل کہ میں ..... فرزانہ کے لئے ..... کوئی تحفہ خریدنا

چاہتا ہوں۔" ندیم نے ٹوٹے ٹوٹے الفاظ میں جواب دیا۔

"بے حد نیک ارادہ ہے لیکن یہ بات تمہیں پہلی تنخواہ پر سوچنی چاہئے تھی۔"

"فرزانہ نے منع کر دیا تھا۔"

"منع کر دیا تھا! ..... کیوں؟"

"آپ شاید اسے میری لاپرواہی سمجھیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں پہلی تنخواہ پر آپ کی شخصیت کو فراموش کر بیٹھا تھا اور پوری تنخواہ فرزانہ کو دے دی تھی پھر اسی کے احساس دلانے پر مجھے اپنی غلطی کا خیال ہوا تھا۔" ندیم دبی دبی زبان میں پوری کہانی سناتا چلا گیا۔

ساگر مسکراتی ہوئی نظروں سے ندیم کی بات سنتا رہا۔ جب ندیم خاموش ہوا تو ساگر نے کہا۔

"فرزانہ واقعی بے حد بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی مالک ہے۔ مجھے خوشی ہے ندیم میاں کہ تم نے اپنی زندگی کے لئے بڑا معیاری انتخاب کیا ہے۔"

"سب آپ کی نظر کرم کی عنایت ہے انکل! اگر آپ میری خضر منزلت نہ کرتے تو شاید میں کبھی اس قابل نہ ہوتا۔"

"بہرحال ..... اب بھی وقت نہیں گزرا۔ تم اب بھی اپنی غلطی کا ازالہ کر سکتے ہو۔" ساگر نے محبت بھری نظروں سے ندیم کے چہرے پر رقص کرتی ہوئی سچی خوشی کی لہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا تم نے کسی تحفے کا انتخاب کر لیا ہے؟"

"جی نہیں! میں نے فرزانہ پر تحفہ کی پسند کا انتخاب چھوڑ دیا ہے۔"

"دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے تم نے۔" ساگر بولا۔ "تمہارے امتحانات کو کتنی مدت باقی رہ گئی ہے؟"

"ایک ماہ باقی ہے۔"

"ہوں....." ساگر سوچ میں پڑ گیا پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ "کیا فرزانہ کے والد کو اس بات کا علم ہے کہ تم فرزانہ کو پسند کرتے ہو؟"

"شاید نہیں۔" ندیم نے نظریں جھکاتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر! فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" ساگر نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ کل شام

Uploaded By Nadeem
ندیم

فرزانہ اور اس کے والد کو یہاں کھانے پر مدعو کر لوں اور اس طرح وہ تم سے بھی متعارف ہو جائیں گے اور پھر میرے لئے بات ہموار کرنے کا موقع بھی نکل آئے گا۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" ندیم بولا اور پھر اجازت طلب کر کے خوشی سے جھومتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔

کافی دیر تک وہ اپنے پلنگ پر لیٹا کروٹیں لیتا رہا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آج کی رات پلکوں کے نیچے کاٹ دے۔ وقت ہوا کہ گھوڑے پر اڑتا ہوا گزر جائے جلدی سے صبح ہو اور وہ فرزانہ سے ملے پھر اسے اپنے ساتھ لے جا کر کوئی خوبصورت سا تحفہ پیش کر دے۔

بہت دیر تک وہ فرزانہ کے حسین تصور کے سہارے محبت کی دلفریب وادیوں میں خیالات کے دوش پر ہچکولے لیتا رہا پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

وہ سو گیا لیکن فرزانہ کی یاد اور اس کے خوبصورت خوبصورت سے معصوم تصور نے نیند کی پُرکیف وادیوں تک دبے قدموں اس کا تعاقب کیا۔

ایک انوکھے انداز میں۔

ایک نئے زاویئے سے۔

جو حسین بھی تھا اور پُرکیف بھی۔

اور ندیم اس انوکھے انداز پر پھولا نہ سمایا۔ سرخ لباس میں سمٹی سمٹائی اور شرمائی شرمائی سی فرزانہ اسے قدرت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ایک حسین شاہکار نظر آئی تھی۔ ہر شے پر سرور طاری تھا۔ فضا معطر تھی اور ماحول پر ایک عجیب سا خمار طاری تھا۔

ندیم فاتحانہ انداز میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور بڑی آہستگی سے پھولوں کی سیج پر بیٹھ گیا۔ فرزانہ کا تصوراتی ہیولا سرخ لباس میں کچھ اور سمٹ کر رہ گیا۔ چھوئی موئی کی حسین نرم اور نازک پتیوں کی طرح۔ ندیم اسے خوابناک نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر فرزانہ کا سرخ گھونگھٹ پلٹ دیا۔

کندن کی طرح دمکتا ہوا حسین چہرہ اس کے سامنے تھا۔

مانگ میں افشاں بھری ہوئی تھی۔

ماتھے پر سجے موتیوں کا طلائی ٹیکہ چمک رہا تھا۔

آنکھوں میں کاجل تھا۔

ہونٹوں پر تازہ گلاب کی سرخی رچی ہوئی تھی۔

چہرے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے اس طرح جھلملا رہے تھے جیسے کنول کے پھول پر شبنمی قطرے مچل رہے ہوں۔

ہاتھوں میں مہندی تھی اور وہ آنکھ بند کئے لجائی لجائی سی خاموش بیٹھی تھی۔

پُرکیف ماحول پر سکوت طاری تھا۔

صرف دو دلوں کی دھڑکن کی آواز تھی جو اپنے اندر ہزاروں آرزوئیں اور تمنائیں لئے آہستہ آہستہ دھڑک رہے تھے۔

علیحدہ علیحدہ ..... لیکن ایک ہو جانے کے لئے.....

ندیم قدرت کے اس حسین تحفے کو خمار آلود نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"فری!"

"جی!" فرزانہ نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے آہستہ سے مترنم آواز میں کہا۔

"آنکھیں کیوں بند کئے ہوئے ہو فری!"

فرزانہ جواب دینے کے بجائے شرما کر سمٹ گئی اور ندیم کو اس کا یہ انداز بے حد پیارا لگا تھا۔

"مجھ سے شرما رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

فرزانہ نے ذرا سا چہرے کو اور خم کر دیا۔ اثبات کی علامت میں۔

"آج ہمارے خواب مکمل ہو گئے ہیں فری!" ندیم نشے میں ڈوبی آواز میں بولا۔ "یہ حسین رات ہمارے لئے امنگوں کا پیغام بن کر آئی ہے۔ آج سے ہم اپنی زندگی کا نئے سرے سے آغاز کریں گے۔ نیک ارادوں کے ساتھ۔"

فرزانہ بدستور سمٹی سمٹائی خاموش بیٹھی رہی۔

"میں نے کہا تھا نا فری کہ طلب اگر سچی ہو تو مایوسی کا تصور بھی درمیان میں نہیں آنا چاہئے۔ آج میں اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے۔ تمہیں پا کر جیسے مجھے قارون کا خزانہ مل گیا ہے۔ میں خوشی سے پھولا نہیں سما رہا ہوں۔ تقدیر نے مجھ پر احسان کیا ہے جو تم جیسا حسین شریک زندگی مجھے عطا کر دیا۔ میں کاتب تقدیر کا شکر گزار ہوں جس نے

Uploaded By Nadeem
ندیم

تمہیں میری قسمت میں رقم کر دیا۔" ندیم جذباتی انداز میں کہتا رہا۔ "قدرت کا یہ احسان میں کبھی فراموش نہیں کروں گا۔ اس نے میری حیثیت سے بڑھ کر مجھے نوازا ہے۔ کیوں فری! ٹھیک ہے نا؟"

اور جواب میں فرزانہ کے ہونٹوں پر ایک حیا بار تبسم مچل گیا۔

"کچھ بولو فری! .... کچھ کہو .... یہ رات یوں خاموشیوں سے نہ گزارو۔"

ندیم آہستہ سے کھسک کر فرزانہ کے قریب آ گیا۔ اس کا مہندی رچا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔ "یہ رات ہماری زندگی میں ہمیشہ یادگار بن کر رہنی چاہئے۔ اس رات کے تصور میں تو میں نے نہ جانے کتنی راتیں جاگ جاگ کر گزار دی ہیں' آنکھیں کھولو فری! کچھ باتیں کرو۔"

فرزانہ نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"اوہ! .... شرما رہی ہو .... کیوں؟" ندیم نے شوخی سے پوچھا۔ "کیا مجھے پا کر تم خوش نہیں ہو۔"

"خدا نہ کرے۔" فرزانہ نے دبی زبان میں کہا۔

"پھر تکلف کس لئے ہے؟" ندیم مسکرایا۔

فرزانہ نے شرما کر اپنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا۔

"سمجھا!" ندیم نے نئی راہ اختیار کی۔ "تمہیں شاید میرا یہ بیٹھنا ناگوار لگ رہا ہے .... اچھا .... میں ہٹا جاتا ہوں تمہارے پاس سے۔"

ندیم نے فرزانہ کا ہاتھ چھوڑ کر اٹھنا چاہا لیکن اس بار فرزانہ نے مہندی رچے ہاتھ اس کی کلائی پر آہستہ سے رکھ دیئے۔ اسے روکنے کے لئے اپنی محبت کا یقین دلانے کی خاطر۔

"یوں نہیں' کچھ باتیں کرو۔" ندیم نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔

"کیا.........!" جواب میں فرزانہ کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی۔

"جو تمہارا دل چاہے۔"

"آپ کہتے رہئے میں سن رہی ہوں۔" فرزانہ نرم آواز میں بولی۔

"کیا آج تمہارے پاس کہنے کے لئے کچھ نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے .... اس لئے کہ میں اپنے .... بس میں نہیں ہوں۔"

"فرزانہ! میری روح .... میری زندگی۔" ندیم نے جذباتی انداز میں کہا پھر آگے بڑھ کر اسے اپنی کشادہ آغوش میں سمیٹ لیا۔ فرزانہ کسمسا کر رہ گئی۔

ندیم تمام رات اسے یونہی چھیڑتا رہا۔ پریشان کرتا رہا۔ اس کی دراز زلفوں سے کھیلتا رہا' ستاتا رہا اور .... اور جب صبح کو مؤذن کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ جاگ گیا۔ خواب کا پُرکیف طلسم ٹوٹ کر بکھر گیا لیکن اس کا خمار آگیں تصور ابھی تک اس کے ذہن پر چھایا ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ خواب کی تعبیر کی سلامتی کے لئے خدائے بزرگ و برتر کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ نماز سے فراغت پا کر اس نے ساگر کے ساتھ ناشتہ کیا اور پھر کالج کے لئے روانہ ہو گیا۔ دل میں اس وقت بھی ارمانوں اور آرزوؤں کا ایک سمندر موجزن تھا۔

وقفہ کی چھٹی کے دوران اس نے فرزانہ سے مل کر سرسری طور پر کہا تھا۔

"کالج کے بعد مجھ سے ضرور مل لینا۔"

"کیوں' کیا کوئی خاص پروگرام ہے؟"

"ہاں لیکن اس کی نوعیت ابھی نہیں بتائی جا سکتی۔"

"بہت خوش نظر آ رہے ہیں آج۔" فرزانہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں' خواب کا اثر اور آپ کی نوازشوں کا اثر ہے۔"

"کیسا خواب؟"

"ابھی نہیں' پھر بتاؤں گا۔"

"آپ کی مرضی۔" فرزانہ بولی پھر کالج کے بعد ملنے کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

ندیم بڑی بے چینی سے وقت گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ پھر جیسے ہی آخری پیریڈ ختم ہوا وہ جلدی سے باہر نکلا اور کالج سے دور ایک مقام پر رک کر فرزانہ کا انتظار کرنے لگا۔ ایک ایک لمحہ اس کے لئے قیامت بن رہا تھا لیکن اسے زیادہ دیر تک انتظار کی کوفت نہیں

Uploaded By Nadeem
ندیم

اٹھانی پڑی۔ اس کے وہاں آنے کے پانچ چھ منٹ بعد فرزانہ بھی پہنچ گئی۔

"فرمایئے' اب کیا حکم ہے؟" فرزانہ نے ندیم کو پیار سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ندیم مسکراتا ہوا کار کے اندر بیٹھ گیا۔

"چلئے....." اس نے فرزانہ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟"

"جہاں میں کہوں۔" ندیم بولا۔ "آج آپ کو میری مرضی پر چلنا ہو گا۔ کوئی بہانہ یا انکار قطعاً نہیں سنوں گا۔"

"لیکن بات کیا ہے؟"

"قبل از وقت نہیں بتائی جا سکتی۔"

"مجبوری ہے پھر۔" فرزانہ شوخی سے بولی۔ "کیا پتہ آپ کے دل میں کیا ہے؟"

"اعتماد نہیں ہے مجھ پر؟" ندیم نے چونک کر فرزانہ کی طرف دیکھا۔

"اجنبیوں پر اعتماد کرنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔" فرزانہ نے شرارت سے کہا۔

"خطرہ اپنوں سے نہیں پرایوں سے ہوتا ہے۔"

"کبھی کبھی اپنے بھی پرائے بن جاتے ہیں۔"

"کیا مجھ سے بھی تم کو ایسی توقع ہے؟"

"میں نے ایک عام بات کہی تھی۔"

"مگر میں آج عام باتوں کے موڈ میں نہیں ہوں۔" ندیم فرزانہ کے لہجے میں چھپی ہوئی شوخی کو بھانپتے ہوئے بولا۔ "آج صرف خاص باتوں کا دن ہے۔"

"بہت زیادہ موڈ میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"اگر کہو تو آنسو بہانا شروع کر دوں۔"

"نہ ..... خدا کے لئے ایسا غضب بھی نہ کیجئے گا۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔ "آج اتفاق سے میں رومال لانا بھول گئی ہوں۔ آنسو پونچھنے کا مسئلہ مشکل ہو جائے گا۔"

اور فرزانہ کی اس شوخی گفتار پر ندیم بے اختیار ہنس دیا۔

"کہاں چلنے کا پروگرام ہے؟"

"صرافہ بازار۔"

"خیریت! ..... یہ آج صرافہ بازار کی کیسے سوجھ گئی؟" فرزانہ نے تعجب سے پوچھا۔

"کل مجھے دوسری تنخواہ ملی ہے۔" ندیم نے کہا۔ "یاد ہے تمہیں اپنا وعدہ۔"

"جی نہیں۔" فرزانہ کو یاد آ گیا تھا کہ ندیم کس وعدہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے لیکن وہ بدستور انجان سی بنی رہی۔ ندیم کو چھیڑنا جو مقصود تھا۔

"آپ نے آج اپنی پسند کا تحفہ خریدنے کا وعدہ کیا تھا۔" ندیم نے یاد دلایا۔

"غلط! میں نے یہ کہا تھا کہ جو تحفہ آپ دیں گے میں قبول کر لوں گی۔"

"چلئے یونہی سہی۔"

فرزانہ نے ٹالنا چاہا لیکن ندیم کے اصرار کے آگے مجبور ہو گئی۔

صرافہ بازار پہنچ کر ندیم نے اپنی پسند کی ایک قیمتی انگوٹھی خریدی۔ فرزانہ نے اسے دبے لفظوں میں قیمتی تحفہ خریدنے سے روکنا چاہا لیکن ندیم نے سنی ان سنی کر دی اور رقم ادا کر کے انگوٹھی کا خوبصورت پیکٹ جیب میں رکھ لیا۔

واپسی پر کار جب ایک قدرے سنسان سڑک سے گزری تو ندیم نے کہا۔

"کیا آپ ایک منٹ کے لئے گاڑی روکنے کی زحمت گوارا کریں گی؟"

فرزانہ نے گاڑی سڑک کے کنارے کر کے روک لی۔

"فرمایئے' اب کیا حکم ہے؟" فرزانہ نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔

"اپنا ہاتھ ادھر لایئے۔" ندیم نے جیب سے انگوٹھی کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا۔

فرزانہ جھجکی پھر اس نے ندیم کی ناراضگی کے خیال سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

ندیم نے پیکٹ سے انگوٹھی نکالی اور بسم اللہ کر کے فرزانہ کی انگلی میں پہنا دی۔

"آپ نے بہت فضول خرچی سے کام لیا ہے۔"

"محبت میں کنجوسی حرام ہوتی ہے۔" ندیم بولا پھر اس نے فرزانہ کے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

"چھوڑیئے میرا ہاتھ۔" فرزانہ فطری شرم سے دوہری ہو کر بولی۔

"میں نے یہ ہاتھ چھوڑنے کے لئے نہیں تھاما تھا۔"

"کوئی دیکھے گا تو کیا کہے گا؟"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"جو چاہے کہے' مجھے اب اس کی پرواہ نہیں ہے۔"

"اتنے بہادر کب سے بن گئے آپ؟"

"جب سے تم نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا ہے۔" ندیم کی گرفت اور مضبوط ہو گئی۔

"کیا ہاتھ توڑنے کا ارادہ ہے۔" فرزانہ کسمسائی۔

"آج کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔" ندیم بولا۔

"میری نرمی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔" فرزانہ نے شریر نظروں سے پوچھا۔

"اس گستاخی کی حوصلہ افزائی بھی تمہاری بخشی ہوئی ہے۔"

"اچھا' اب چلئے دیر ہو جائے گی۔" فرزانہ نے نرمی سے کہا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے؟" ندیم اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے بولا۔ "میرا تو خیال تھا کہ آج کا کھانا تم بھی میرے ساتھ کھاتیں۔"

"ساگر انکل کیا سوچیں گے؟"

"ہم کسی ہوٹل میں بھی چل سکتے ہیں۔"

"یہ دوسری فضول خرچی کریں گے آپ۔" فرزانہ گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"آئندہ کے لئے کنجوسی کا وعدہ رہا لیکن آج نہیں۔"

فرزانہ انکار نہ کر سکی۔ اس کا دل بھی یہی چاہ رہا تھا کہ آج ندیم کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارے۔ ندیم کی پہنائی ہوئی انگوٹھی جھوم رہی تھی۔

مسکرا رہی تھی۔

حسین خیالات کے دوش پر اڑی جا رہی تھی۔

ندیم نے کتنے حسین تحفے کا انتخاب کیا تھا۔

انگوٹھی۔

جو دو دلوں کے درمیان ایک خاموش معاہدے کی تکمیل ہوتی ہے۔

معاہدہ۔

جو اگر قائم رہے تو زندگی مسکرا اٹھتی ہے۔

اور اگر ٹوٹ جائے تو خوشیاں پامال ہو جاتی ہیں۔

خواہشات کا تصور فنا ہو جاتا ہے۔

امیدیں مایوسیوں میں مدغم ہو جاتی ہیں ..... اور

روشنی تاریکی میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔

فرزانہ سوچتی رہی۔ اس کی اپنی قسمت میں نہ جانے کیا لکھا ہے۔ خوشیاں یا آنسو ..... روشنی یا تاریکی ..... اور خیالات کی اسی کشمکش میں الجھ کر وہ پریشان سی ہو گئی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" ندیم نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے تاثرات کو بھانپتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کے تحفے نے مجھے ایک عجیب سی الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ندیم بے چین ہو گیا۔

"اگر امی جان نے پوچھ لیا کہ یہ کہاں سے آیا ہے تو میں کیا جواب دوں گی؟" فرزانہ بڑی خوبصورتی سے بات بنا گئی۔

وہ آج ندیم کی خوشیوں کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

"اوہ ..... میں تو سمجھا تھا کہ کوئی خاص بات ہو گی۔"

"کیا یہ خاص بات نہیں ہے؟"

"قطعاً نہیں۔" ندیم مسکرایا۔ "جو حقیقت ہے وہی کہہ دینا۔"

"کیا گھر سے نکلوانے کا ارادہ ہے؟"

"فرق کیا پڑتا ہے۔ میرے یہاں چلی آنا۔" ندیم نے شوخی سے کہا۔ "میرے گھر کے دروازے تو تمہارے لئے ہمیشہ کھلے ہیں۔"

"ایسی صورت میں آپ کے لئے دشواری پیش آ جائے گی۔"

"وہ کیسے؟"

"ساگر انکل جو وہاں موجود ہیں۔" فرزانہ بولی۔ "آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ انہوں نے مجھے بیٹی بنا رکھا ہے۔ اگر میں اس طرح وہاں آ گئی تو وہ آپ کو ایک منٹ بھی گھر میں نہیں ٹکنے دیں گے۔"

"میں کہیں باہر پڑا رہا کروں گا۔" ندیم نے لاپرواہی سے کہا۔ "کم از کم اس بات کا احساس تو رہے گا کہ تم میری دسترس سے دور نہیں ہو۔"

Uploaded By Nadeem

ندیم

"کبھی شکل دیکھی ہے آئینے میں؟" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تم نے اس کی نوبت ہی کہاں آنے دی کہ شکل دیکھنے کی ضرورت محسوس کرتا۔" ندیم نے برجستہ جواب دیا اور فرزانہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

ندیم کی خواہش پر اس نے کار ایک اعلیٰ ہوٹل کے سامنے روکی پھر انہوں نے دوپہر کا کھانا ایک ساتھ ہی کھایا۔ فرزانہ کے منع کرنے کے باوجود ندیم نے بے شمار لوازمات منگوا لیں۔ جتنی دیر وہ ہوٹل میں رہے آپس میں ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ اور خوش گپیاں کرتے رہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر چائے کا دور چلا پھر ندیم نے بل کی رقم کے ساتھ بیرے کو معقول ٹپ سے نوازا اور دونوں ہنستے بولتے ہوٹل سے باہر آ گئے۔

اچانک فرزانہ ہنستے ہنستے یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ ندیم کو اس یکایک تبدیلی کی وجہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اس نے بھی شکیل کو دیکھ لیا تھا جو اپنے کسی دوست کے ساتھ باہر موجود تھا۔

ندیم اور شکیل کی نگاہوں کا تصادم ہوا اور ندیم نے جلدی سے اپنی توجہ دوسری طرف کر لی۔ فرزانہ نے شکیل کو دیکھا اور شکیل کے ہونٹوں پر نمودار ہونے والی معنی خیز مسکراہٹ دیکھ کر چراغ پا ہو گئی۔ اس کی تیوری پر بل آ گئے۔

شکیل مستقل اسے گھورے جا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے یہ بہت برا ہوا۔" ندیم نے دبی زبان میں اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔

"کیوں' برا کیوں ہوا؟" فرزانہ نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"شکیل بات کا بتنگڑ بنانے سے دریغ نہیں کرے گا۔"

"بنانے دیجئے' میں اس سے خائف نہیں ہوں۔"

"آیئے' چلیں۔" ندیم نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ شکیل کے اس طرح اچانک سامنے آ جانے سے وہ گھبرا گیا تھا۔

"چلئے۔" فرزانہ نے شکیل پر حقارت بھری نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا پھر قدم آگے بڑھانے لگی اگر وہ چاہتی تو راستہ بدل کر دوسرے گیٹ سے بھی جا سکتی تھی لیکن اس نے اپنا راستہ تبدیل نہیں کیا۔ ایک شانِ بے نیازی سے گردن تانے شکیل کے قریب سے گزری۔

شکیل نے ایک اچٹتی ہوئی نظر فرزانہ پر ڈالی پھر ندیم کو دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خون کی سرخیاں ابھر آئیں۔

"ہونہہ ..... اپنے آپ کو لاٹ صاحب کا بچہ سمجھتا ہے۔" فرزانہ کار کے قریب آ کر جھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ "جیسے میں اس کے باپ کی جاگیر ہوں۔"

ندیم چپ چاپ کار میں بیٹھ گیا۔ کسی گہری سوچ میں غرق نظر آ رہا تھا۔ خوشگوار ماحول نے جس انداز میں اچانک کروٹ بدلی تھی اس سے فرزانہ کا ذہن بھی مکدر ہو چکا تھا چنانچہ اس نے بھی زیادہ باتیں نہیں کیں۔ ندیم کو اس کے بنگلے کے پھاٹک کے باہر اتارا اور دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے چلی آئی۔

☆======☆======☆

وقت کی رفتار تیز ہو گئی۔

ایک مہینہ پلک جھپکتے بیت گیا امتحانات کا دور آیا اور گزر گیا اور پھر زندگی میں جیسے ایک ٹھہراؤ سا آ گیا لیکن یہ ٹھہراؤ بھی کسی آنے والی کشمکش کا پیش خیمہ تھا۔

ساگر نے اپنے تئیں ندیم اور فرزانہ کی راہ ہموار کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ ایک مہینہ کے عرصے میں اس نے دو تین بار صدیق علی خاں کو اپنے گھر پر مدعو کیا۔ ان سے تعلقات بڑھائے۔ ندیم کا تعارف اپنے ایک عزیز کے طور پر کرایا لیکن ابھی تک وہ کھل کر عرض مدعا زبان تک نہیں لایا تھا۔ ویسے فرزانہ کو یقین تھا کہ اگر شکیل اور ندیم کی قسمتوں کا فیصلہ باپ کے ہاتھ میں آیا تو وہ ندیم کو ضرور ترجیح دیں گے۔ اس نے صدیق علی خاں کو ندیم کی شخصیت سے متاثر ہوئے محسوس کیا تھا۔ وہ ندیم کو پسندیدگی سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے ساگر سے ندیم کے بلند اخلاق اور کردار کی تعریف بھی کی تھی۔ مگر.....

شبانہ بیگم کی طرف سے اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ ندیم کے مقابلے میں اپنے بھائی کی اکلوتی اولاد کو ترجیح دیں گی۔ وہ مرزا عقیل سے دبی زبان میں وعدہ بھی کر چکی تھیں اور یہی خدشہ فرزانہ کے لئے سوہان روح بن کر رہ گیا تھا۔ وہ پیدا ہونے والی صورت حال پر بڑی سنجیدگی سے غور کرتی اور پھر انجام سوچ کر اس کا معصوم دل دھڑک اٹھتا۔ وہ سوچتی۔

Uploaded By Nadeem

کیا وہ ندیم کے بجائے کسی اور کو قبول کر سکے گی۔
کیا اس کے ارمان کبھی پورے نہ ہوں گے۔
کیا اس کی آرزوئیں سسک سسک کر دم توڑ دیں گی۔
کیا حالات اسے اس حد تک مجبور کر دیں گے کہ وہ خود اپنی قسمت کا فیصلہ بھی نہ کر پائے گی۔

ندیم اور شکیل اس کی زندگی میں دوراہے کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔
ایک راستہ اس کی منزل کی طرف جاتا تھا اور دوسرے راستے پر موت کے بھیانک سائے اسے اپنی طرف لپکتے محسوس ہوتے۔
ایک راہ زندگی کی تھی اور دوسری راہ پر موت کا بھیانک تصور۔ جسے سوچ کر وہ لرز اٹھتی' کانپ جاتی۔

گھر کے ماحول پر ایک جمود طاری تھا لیکن وہ سمجھ رہی تھی کہ ایک دن یہ جمود آتش فشاں کی طرف پھٹ جانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ وہ ایک بے بس اور خاموش تماشائی کی حیثیت سے سب کچھ دیکھنے پر مجبور تھی۔ اس کے اپنے بس میں کچھ نہیں تھا۔
تہذیب نے اس کی زبان پر تالے ڈال رکھے تھے۔
اخلاق کی بندشیں اسے مہر بہ لب رہنے پر مجبور کئے ہوئے تھیں اور معاشرے کی بنائی ہوئی فرسودہ رسمیں اس کی بے بسی اور بے کسی پر قہقہہ زن تھیں۔
رسم و رواج نے اس کے پیروں پر بیڑیاں ڈال رکھی تھیں۔ اس سے گویائی کا حق چھین لیا تھا۔ گویائی کا حق جو اس کے اللہ اور رسول نے بخشا تھا لیکن وہ اس حق تلفی کے خلاف زبان نہیں کھول سکتی تھی۔
انسان ہونے کے باوجود بے زبان جانور کی طرح حیرت سے آنکھیں پھاڑے تغیراتِ زمانہ کا جائزہ لینے پر مجبور تھی۔
تقدیر نے اسے صرف ایک حق دیا تھا۔ اپنی قسمت پر آنسو بہانا۔
اس کے شب و روز کچھ عجیب الجھن اور پریشانی میں گزر رہے تھے۔ جب وہ ندیم یا ساگر سے ملتی تو اس کے دل کو گوناگوں سکون سا میسر آ جاتا لیکن جب وہ گھر کے حالات کا جائزہ لیتی تو اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوتا۔

غرضیکہ وہ مجبور محض بن کر رہ گئی تھی۔
امتحانات ختم ہوئے تو کچھ دن سکون سے گزرے لیکن پھر مرزا عقیل کی جدوجہد میں اضافہ ہونے لگا۔ جب دیکھو شبانہ بیگم کے کمرے میں گھسے بیٹھے کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ شبانہ بیگم کی تبدیلی کو بھی فرزانہ نے محسوس کیا تھا۔ شکیل کی خاطر مدارات میں بھی اب اضافہ ہو چکا تھا۔ کبھی کبھی باپ بیٹے بھی گئی رات تک آپس میں سر جوڑے بیٹھے نہ جانے کیا کیا مشورے کرتے رہتے۔ فرزانہ سب کچھ دیکھتی' محسوس کرتی اور پھر ایک آہ بھر کر خاموش ہو جاتی۔

ایک روز تو اتفاق سے اس نے اپنے کانوں سے مرزا عقیل اور شبانہ بیگم کے درمیان ہونے والی گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا۔ مرزا عقیل شبانہ بیگم سے اصرار کر رہے تھے۔
"بھئی اب میں زیادہ دنوں تک یہاں نہیں رک سکتا۔ واپس جا کر کاروبار کی دیکھ بھال بھی کرنی ہے۔ اگر تم کو میری خوشنودی منظور نہیں ہے تو انکار ہی کر دو۔ میں سمجھ لوں گا کہ قسمت میرے اوپر مہربان نہیں ہے۔"
"اللہ' بھائی صاحب! یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ؟" شبانہ بیگم نے جواب دیا۔ "خدا نہ کرے کہ میں کبھی آپ کی خوشیوں کا احترام نہ کروں۔"
"پھر دیر کس بات کی ہے؟" مرزا عقیل بولے۔ "اگر شکیل تمہیں ناپسند ہے یا تم کو اس میں کوئی برائی نظر آتی ہے تو صاف صاف کہہ دو۔ فرزانہ بھی میرے لئے اولاد کے برابر ہے' میں اس کا برا کبھی نہ چاہوں گا۔ اگر واقعی شکیل اس کے قابل نہیں ہے تو....."
"توبہ بھائی صاحب!" شبانہ بیگم نے کہا۔ "آپ بھی حد کرتے ہیں۔ اول تو یہ کہ شکیل لاکھوں میں ایک ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ نیک ہے' فرمانبردار ہے' سعادتمند ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنا خون ہے۔ اگر کوئی برائی ہو بھی تو اس کی پردہ پوشی بھی اپنوں ہی کو کرنی چاہئے' غیروں سے بھلا کیا امید کی جا سکتی ہے۔"
"پھر' میں تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں؟"
"خاموشی کی بات نہیں ہے بھائی صاحب! میں فرزانہ کے امتحان ختم ہونے کی منتظر تھی۔" شبانہ بیگم نے اپنی صفائی میں کہا۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ لڑکی ذات پر شادی بیاہ

Uploaded By Nadeem
ندیم

کے تذکروں کا کیا اثر پڑتا ہے۔ میں نے اسی لئے ابھی تک ان سے بھی تذکرہ نہیں کیا کہ کہیں بات فرزانہ کے کانوں تک نہ پہنچ جائے اور وہ کوئی اثر لے بیٹھے۔"

"میں جانتا ہوں شبانہ! کہ تم نے بڑی دوراندیشی سے کام لیا ہے لیکن اب تو اللہ کے فضل و کرم سے امتحانات بھی ختم ہو گئے۔ فرزانہ کے پرچے بھی ماشاء اللہ اچھے ہوئے ہیں۔ اب تمہیں کیا پس و پیش ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"پھر صدیق سے تذکرہ کر دیکھو۔ میرا خیال ہے کہ اگر تم اصرار کرو تو وہ انکار نہیں کریں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں بھائی صاحب! میں آج ہی ان سے شکیل کا تذکرہ چھیڑوں گی۔"

اور ماں کے یہ جملے فرزانہ کے دل کی گہرائیوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اترتے چلے گئے۔ وہ اس سے آگے کچھ سننے کی ہمت نہ کر سکی۔ نڈھال نڈھال اپنے کمرے میں آئی اور اپنے بستر پر لیٹ کر رونے لگی۔

اسی روز شام کو جب صدیق علی خان چائے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں آرام کرنے کی غرض سے گئے تو شبانہ بیگم بھی ان کے پاس پہنچ گئیں۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے شوہر کے موڈ کا اندازہ لگایا پھر دبی زبان میں بولیں۔

"بھائی صاحب اب جانے کے لئے اصرار کر رہے ہیں۔ میں نے روکنا چاہا تھا لیکن وہ کہتے ہیں کہ ان کی غیر حاضری سے کاروبار کا حرج ہو رہا ہے۔"

"پھر، تم کیا چاہتی ہو؟"

"اے بھلا میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب کاروبار کا نقصان ہو رہا ہے تو چلے جانے میں ہی بہتری ہے۔"

"کیا شکیل بھی ساتھ جا رہا ہے؟" صدیق علی خاں نے بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا لیکن ان کے اس جملے سے شبانہ بیگم کو ایک خوبصورت سا بہانہ ہاتھ آگیا بڑے لاڈ سے بولیں۔

"کہہ تو رہے تھے وہ شکیل کو بھی ساتھ لے جانے کے لئے لیکن میں تو اسے نہ جانے دوں گی۔"

"کیوں؟"

"اس کی وجہ سے دل لگ گیا ہے۔ چلا جائے گا تو گھر بھائیں بھائیں کرتا نظر آئے گا۔"

"تم بھی کمال کرتی ہو بیگم!" صدیق علی خاں بولے۔ "ارے بھئی ہو آنے دو نا اس غریب کو، ماں سے بھی مل آئے گا۔"

"یہی تو وجہ ہے جو میں اسے روکنا چاہتی ہوں۔" شبانہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا پھر کچھ سوچنے لگیں۔

"کیا مطلب، میں سمجھا نہیں؟" صدیق علی خان نے بیوی کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھائی صاحب کہہ رہے تھے کہ ان کی بیگم صاحبہ نے شکیل کے لئے کہیں بات کر رکھی ہے لیکن لڑکی بالکل ان پڑھ اور جاہل ہے۔ صورت شکل کی بھی بس واجبی ہے۔"

"ہو گا، تمہیں کیا؟" صدیق علی خاں نے جواب دیا۔ "بھائی صاحب اور بھابی صاحبہ نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی بات لگائی ہو گی کوئی دشمن تو نہیں ہیں کہ لڑکے کو آنکھ بند کر کے کسی اندھے کنوئیں میں دھکیل دیں گے اور پھر ہمیں بولنے کا حق بھی کیا ہے۔"

"واہ، کیوں نہیں ہے حق!" شبانہ بیگم بولیں۔ "آخر میں بھی تو شکیل کی پھوپھی ہوں۔ کوئی دشمن تو نہیں ہوں جو اس کا برا چاہوں گی۔ میں تو کبھی نہ ہونے دوں گی یہ شادی۔ ماشاء اللہ، شکیل بڑا نیک اور سعید بچہ ہے پھر تعلیم یافتہ ہے۔ اس کے لئے تو کوئی سگھڑ اور پڑھی لکھی اور خوبصورت سی لڑکی ہونی چاہئے تاکہ کوئی جوڑ بھی ہو۔"

"کیا تم نے بھائی صاحب سے بھی ان باتوں کا تذکرہ کر دیا ہے؟"

"کیوں نہ کرتی۔" شبانہ بیگم بولیں۔

"بھائی صاحب کا کیا خیال ہے؟"

"وہی جو میرا مشورہ ہے۔"

"چلو پھر چھٹی ہوئی، اگر تم شکیل کو روکنا چاہتی ہو اور بھائی صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو بڑے شوق سے روک لو۔"

"روک تو اسے میں ہر قیمت پر لوں گی۔ بھائی صاحب کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن میں چاہتی ہوں اب شکیل کی بات کہیں طے کر دوں تاکہ بھابی صاحبہ کو اس کی زندگی

Uploaded By Nadeem
ندیم

برباد کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ ویسے بھی شکیل ہزاروں میں ایک ہے۔ آج کل ایسے لڑکے ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتے۔ ہر لحاظ سے اچھا ہے۔"

"کیا کوئی لڑکی ہے تمہاری نظر میں؟" صدیق علی خاں نے سرسری طور پر پوچھا۔

"لڑکیاں تو خیر سینکڑوں نظر میں ہیں لیکن اندر کے حالات کا کیا بھروسہ؟" شبانہ بیگم نے کہا پھر ڈھکے چھپے الفاظ میں عرض مدعا زبان تک لے آئیں۔ "ویسے بھی اپنا خون پرایوں میں ملانا بھلا کہاں کی عقلمندی ہے۔"

"بھئی کھل کر بات کرو بیگم!" صدیق علی خاں نے کسی قدر چونکتے ہوئے کہا۔ "تمہاری جرح اپنی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اے تمہیں تو ہر وقت جرح کی ہی پڑی رہتی ہے کبھی ٹھنڈے دماغ سے اپنے گھر کے معاملات پر بھی غور کر لیا کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہاری تو عقل مقدمے لڑتے لڑتے سٹھیا گئی ہے۔ اے' جب لڑکی گھر میں موجود ہے تو باہر تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" شبانہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "بھائی صاحب کو بھی بہت پسند ہے۔ ایک دوبار وہ دبی زبان میں مجھ سے کہہ بھی چکے ہیں لیکن میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"اگر تمہارا خیال فرزانہ کی طرف ہے تو میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ تم بھائی صاحب سے کسی قسم کی کوئی ہامی بھرو۔" صدیق علی خاں نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "پہلے اسے بی اے کر لینے دو پھر سوچا جائے گا۔"

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کر دو۔ میری رائے تو یہ ہے کہ بھائی صاحب کے سامنے خاموشی سے دونوں کا نکاح کر دیا جائے۔ رخصتی بی اے کر لینے کے بعد ہو جائے گی اور اس وقت ہم دل بھر کر دھوم دھڑکا بھی کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے؟"

"کیوں نہیں ہے جلدی' گھر کا لڑکا ہے پھر ہم لوگوں کا دیکھا بھالا بھی ہے' اگر کل کلاں کو ہاتھ سے نکل گیا تو پچھتاوا ہی ہو گا۔"

"پچھتانے کی بھی تم نے ایک ہی کہی۔" صدیق علی خاں نے پلنگ پر کمر سیدھی

کرتے ہوئے کہا۔ "خدانخواستہ فرزانہ میں کوئی عیب نہیں ہے جو ہمیں اس کے لئے پریشان ہونا پڑے۔ ایک نہیں بلکہ ہزاروں رشتے مل سکتے ہیں۔"

"یہ میں کب کہتی ہوں کہ اس کے لئے رشتوں کی کمی ہے لیکن آج کل کے لڑکوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اوپر سے کچھ نظر آتے ہیں اور اندر سے کچھ۔ رہا شکیل کا مسئلہ تو وہ ہر لحاظ سے پرکھا ہوا ہے۔"

"میں شکیل کی برائی نہیں کر رہا ہوں لیکن ایک دو لڑکے اور بھی ہیں میری نظر میں جو اپنی فرزانہ کے لئے ہر لحاظ سے بہتر ثابت ہوں گے۔" صدیق علی خاں سنجیدگی سے بولے۔ "مگر چونکہ فرزانہ کی تعلیم کا خیال تھا اس لئے میں نے ابھی تک ان پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا۔ جب وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

"تم نے مجھ سے تو کبھی ایک کا بھی تذکرہ نہیں کیا۔" شبانہ بیگم شوہر کو گھورتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولیں۔

"برا ماننے کی کیا بات ہے بیگم! میں نے تمہارے مشورے کے بغیر کہیں زبان تو نہیں دی ہے۔ رہا تذکرے کا سوال تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ جب وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔"

"لیکن میں بھی سنوں کہ آخر تم نے کس کو دیکھ رکھا ہے؟"

"ہے ایک لڑکا' اپنی فرزانہ کے ساتھ ہی پڑھتا ہے۔ خوبصورت بھی ہے اور خوب سیرت بھی' بلا کا ذہین بھی ہے۔" صدیق علی خان نے کہا۔ "پڑھائی کے ساتھ ساتھ ملازمت بھی کر رہا ہے۔ فی الحال ساڑھے چھ ہزار پا رہا ہے۔ بی اے کر لینے کے بعد ترقی کا امکان بھی ہے۔ کمپنی کی طرف سے اسے بنگلہ بھی ملا ہوا ہے اور تم.... شاید اس کا نام بھی ضرور سنا ہو گا۔"

"کون ہے؟" شبانہ بیگم نے پوچھا۔

"ندیم' ہمارے پڑوس میں ہی ڈاکٹر رشید الزماں کے ساتھ رہا کرتا تھا۔"

"خاندان کیسا ہے یہ بھی پتہ کیا۔"

"خاندان سے ہمیں کیا لینا ہے بیگم!" صدیق علی خاں نے کہا۔ "یہ سب پرانی اور فرسودہ باتیں ہیں۔ فرض کر لو کہ کسی کا دادا مجرم رہ چکا ہے تو اس کے پوتے کو اس [illegible]

Uploaded By Nadeem
ندیم

سزا کیوں ملے۔ خیر یہ تو میں نے تم کو ایک عام مثال دی ہے۔ جہاں تک ندیم کا تعلق ہے میرے خیال میں اس کے والدین حیات نہیں ہیں' قریب کا صرف ایک عزیز ہے جسے تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"معموں میں باتیں کیوں کر رہے ہو؟ جب میں جانتی ہوں تو نام کیوں نہیں بتاتے؟" شبانہ بیگم چین بجبیں ہو کر بولیں۔

"تمہیں کبھی کبھی چھیڑنے کو دل جو چاہتا ہے۔" صدیق علی خاں مسکرا دیئے۔

"مذاق میں مت ٹالو۔ میں لڑکے کے عزیزدار کا نام پوچھ رہی تھی۔"

"ارے وہی جو اپنی فرزانہ کو مصوری کی تعلیم دیتے ہیں۔ ساگر صاحب بڑے بلند کردار کے مالک ہیں۔"

"اے' توبہ جو میں فرزانہ پر اس کا سایہ بھی پڑنے دوں۔" شبانہ بیگم چراغ پا ہو گئیں۔ "مجھے تو تمہاری عقل پر بھی تعجب ہوتا ہے کہ نہ جانے اسے کہاں سے پکڑ لائے۔ میں نے صرف ایک بار اتفاق سے اس کی صورت دیکھ لی تھی' تین چار روز تک کھانا ہضم نہیں ہوا۔ خدا کی پناہ' کتنی بھیانک صورت تھی' انسان ہول ہول کر ہی مرجائے۔"

"اس کا چہرہ ضرور بگڑ گیا ہے بیگم! لیکن میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے اور ہر لحاظ سے اسے ایک عظیم کردار کا مالک پایا ہے اور پھر ہمیں تو لڑکے کی ذات سے غرض ہے۔ دوسروں سے کیا لینا۔" صدیق علی خان نے آخری جملہ محض بیوی کو مطمئن کرنے کے لئے کہا تھا۔

لیکن شبانہ بیگم پر تو بھائی کی محبت کا نشہ طاری تھا۔ بھائی کے مقابلے میں اگر کوئی سونے کا بھی بن کر آتا تو شاید وہ اسے گوارا نہ کرتیں اور پھر شکیل کی چکنی چپڑی باتوں نے بھی ان پر اپنی شرافت کا سکہ جما رکھا تھا۔ صدیق علی خاں کے جواب پر جل کر بولیں۔

"بس رہنے دو اپنی منطق' میں فرزانہ کو ایروں غیروں میں کبھی بھی نہ بیاہوں گی اور پھر بھائی صاحب کی دل شکنی بھی مجھے منظور نہیں ہے۔ شکیل میں اگر کوئی خرابی ہوتی تو بات تھی۔ میں بھائی صاحب کی ناگواری بھی برداشت کر لیتی۔"

"جذباتی مت بنو بیگم!" صدیق علی خاں نے بیگم کو ناراض ہوتے دیکھا تو نرم پڑ گئے۔ "لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ ایسا نہیں ہوتا جس میں جلد بازی سے کام لیا جائے' بہت

سوچنا پڑتا ہے۔"

"میں کب کہتی ہوں کہ سوچے سمجھے بغیر لڑکی کو کسی آگ میں جھونک دو؟" شبانہ بیگم نے شوہر کو نرم پڑتے دیکھا تو جلدی سے بولیں۔ "انسان اولاد کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ میاں بھائی صاحب کو پندرہ بیس دن اور روکے لیتی ہوں لیکن ان کی روانگی سے پہلے یہ مسئلہ طے ہو جانا چاہئے۔"

"تم نے فرزانہ کی مرضی بھی لے لی ہے؟" صدیق علی خاں نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"یہی کہ کیا اسے تمہارے انتخاب پر کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟"

"اے' میں کہتی ہوں کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے؟" شبانہ بیگم حیرت سے بولیں۔ "کیا میں جوان لڑکی سے بیٹھ کر یہ پوچھوں گی کہ وہ کہاں شادی کرنا چاہتی ہے اور اسے کون سا لڑکا پسند ہے۔"

"پھر بھی میں اسے ضروری سمجھتا ہوں۔" صدیق علی خاں بولے۔ "شادی کے معاملے میں اسلام نے بھی لڑکی کو پورا پورا حق دیا ہے۔ زبردستی کی شادیوں کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے اور پھر تم اپنے آپ کو کیوں بھول رہی ہو۔ میرا انتخاب کرتے وقت تم نے بھی تو اپنی پسند کے آگے خاندان والوں کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔"

شبانہ بیگم پہلو بدل کر رہ گئیں۔ صدیق علی خاں نے اس بار ان کی دکھتی ہوئی رگ کو چھیڑ دیا تھا اس لئے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ منہ سے کچھ نہیں کہا۔

صدیق علی خاں نے بیوی کی اندرونی کیفیت کو بھانپ لیا تھا اس لئے مصلحت کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑی دوراندیشی سے کہا۔

"تم فرزانہ کی رائے معلوم کر لو' اگر اسے منظور ہے تو پھر مجھے بھی کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ شکیل میں بھی مجھے بظاہر کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ رہا اس کی ملازمت کا مسئلہ تو میں اسے اچھی سے اچھی ملازمت کھڑے کھڑے دلوا سکتا ہوں۔"

"میں تو مناسب نہیں سمجھتی کہ جوان لڑکی کے دل کا حال بیٹھ کر کریدوں تم اگر ضروری سمجھتے ہو تو خود ہی کسی وقت پوچھ لینا۔" شبانہ بیگم نے بڑے ٹھسے سے جواب دیا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"اس میں بھی بظاہر مجھے تکلف نظر نہیں آتا۔ کسی وقت موقع نکال کر میں اس کا نظریہ معلوم کرلوں گا۔"

"تو میں بھائی صاحب کو روک لوں کچھ دنوں کے لئے۔"

"بسر و چشم۔"

شبانہ بیگم نے کچھ کہنے کے لئے شوہر کی طرف دیکھا پھر شاید کسی مصلحت کی بنا پر چپ ہو جانے میں عافیت سمجھی۔ تھوڑی دیر تک بیٹھی رہیں پھر اٹھ کر باہر آئیں اور سیدھی بھائی کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

☆======☆======☆

فرزانہ کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ والدین کے درمیان کیا گفتگو ہو چکی ہے۔ چنانچہ دوسرے روز جب صدیق علی خاں نے اسے اپنے کمرے میں طلب کیا تو وہ یہی سمجھی تھی کہ کوئی ضروری کام ہو گا۔ بڑے ادب سے وہ باپ کی خدمت میں گئی اور سلام کر کے باپ کے پاس بیٹھ گئی۔

لیکن نہ جانے کیوں آج اسے اپنے دل کی دھڑکنیں تیز محسوس ہو رہی تھیں۔ باپ کے سامنے آتے ہوئے اس نے پہلے کبھی ایسا محسوس نہیں کیا تھا۔ اپنی کیفیت کے اس تغیر پر وہ خود بھی حیران تھی۔

صدیق علی خان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر بیٹی کو شادی کے مسئلے پر کس طرح ٹٹولیں۔ کافی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر کچھ سوچ کر بولے۔

"شکیل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے' میرا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ امتحان میں کامیاب ہو جائے گا؟"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں ابا حضور!" فرزانہ نے چونک کر باپ کی صورت دیکھی پھر نیچی نگاہ سے جواب دیا۔ باپ کے منہ سے اس وقت اچانک شکیل کا تذکرہ سن کر اسے تعجب ہوا پھر معاً یہ خیال ابھرا کہ کہیں اس طرح شکیل کے سلسلے میں اس کا عندیہ حاصل کرنے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی ہے۔

شبانہ بیگم اور مرزا عقیل کے درمیان ہونے والی گفتگو وہ پہلے ہی سن چکی تھی۔

"ہو سکتا ہے ماں نے ان باتوں کا تذکرہ باپ سے بھی کر دیا ہو۔" فرزانہ نے دل میں

سوچا پھر محتاط ہو کر بیٹھ گئی۔

"شکیل نے کچھ نہ کچھ تو بتایا ہو گا تم کو۔" صدیق علی خاں نے پوچھا۔

"جی نہیں' نہ انہوں نے اس کی ضرورت محسوس کی تھی اور نہ ہی میں نے معلوم کرنے کی کوشش کی۔"

"بڑے تعجب کی بات ہے! ارے بھئی جب تم دونوں ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے ہو تو آپس میں اس قسم کے تبادلۂ خیالات تو ہوتے ہوں گے؟"

"جی نہیں' اس کی نوبت بھی کبھی نہیں آئی۔" فرزانہ سنجیدگی سے بولی۔

"کیا تم دونوں کے درمیان کچھ ان بن ہے؟" صدیق علی خاں نے بیٹی کے چہرے کے تاثرات کو پڑھتے ہوئے دبی زبان میں سوال کیا۔

فرزانہ کے دل میں ایک لمحے کے لئے یہ خیال بڑی تیزی سے ابھرا کہ وہ باپ کو شکیل کی عادت و اطوار کے بارے میں سب کچھ کھل کر بتا دے۔ اس طرح وہ بڑی آسانی سے اپنی راہیں ندیم کے لئے ہموار کر سکتی تھی لیکن زبان نے فطری شرم کا ساتھ دیا اور وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔

"تمہاری امی جان کا خیال ہے کہ شکیل کو چھٹیوں میں بھی یہیں روک لیں۔" صدیق علی خاں نے دوسرا رخ اختیار کیا۔

"میں اس سلسلے میں بھلا کیا مشورہ دے سکتی ہوں؟" فرزانہ نے سنجیدگی سے کہا۔

صدیق علی خاں عجیب الجھن میں پڑ گئے۔ کھل کر بیٹی سے بات کرنا ان کے بس میں نہیں تھا اور خاموشی کی صورت میں یہ موقع بھی ہاتھ سے نکلا جاتا تھا۔ تھوڑی دیر تک گم صم بیٹھے رہے پھر اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

فرزانہ بڑی سنجیدگی سے باپ کی کیفیت کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لئے یا تو انہیں مناسب الفاظ نہیں مل رہے ہیں یا پھر وہ کوئی ایسا ہی جذبہ تھا جس پر ابھی تک وہ قابو نہیں پا سکے تھے۔

ماحول پر کچھ دیر تک سوگوار خاموشی مسلط رہی پھر صدیق علی خان نے فرزانہ کو کریدنے کے لئے ایک نیا راستہ اختیار کیا۔

"تمہارے ماموں چاہتے ہیں کہ شکیل کی اب شادی کر دی جائے۔ بھابی صاحبہ نے

Uploaded By Nadeem

شکیل کے لئے غالباً کوئی لڑکی پسند کی ہوئی ہے لیکن وہ شکیل کے لئے مناسب نہیں ہے۔"

فرزانہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔ اس نے باپ کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر اندر ہی اندر مسوس کر رہ گئی۔ اسے شدید گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ اٹھ کر وہاں سے بھاگ جائے لیکن باپ کا احترام اسے روکے ہوا تھا۔

"بیٹی! تمہیں یہ بات بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہاری ماں اپنے بھائی کو کس قدر چاہتی ہیں۔" صدیق علی خاں رک کر بولے۔ "مرزا عقیل نے ان سے ایک ایسی بات کہی ہے جس نے مجھے عجیب کشمکش میں ڈال دیا ہے۔"

فرزانہ بدستور چپ چاپ نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔

"میں نے اسی لئے اس وقت تم کو بلایا تھا کہ اس معاملے میں تم سے بھی مشورہ کر لوں۔" صدیق علی خان نے نپے تلے الفاظ میں کہا۔ "بغیر تمہارے مشورے کے میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔"

"آپ کس سلسلے میں مجھ سے مشورہ طلب کرنا چاہتے ہیں ابا حضور!" فرزانہ نے دل کڑا کر کے پوچھا۔

"میں ..... میں دراصل شکیل کے رکھ رکھاؤ اور اس کے کردار کے بارے میں تم سے دریافت کرنا چاہتا ہوں۔" صدیق علی خاں اس بار بھی براہ راست اپنا خیال نہ ظاہر کر سکے۔

"شکیل کے کردار کے بارے میں مجھے کچھ سوچنے یا کہنے کا کیا حق ہے؟" فرانہ بولی۔ "اس ضمن میں تو ماموں جان ہی بہتر سمجھتے ہوں گے۔"

"ہاں' لیکن تم دونوں کالج میں بھی ایک ساتھ پڑھتے ہو' کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہو گا تمہیں بھی۔"

"ابا حضور!" فرزانہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ "اگر آپ گستاخی پر معمور نہ کریں تو میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ شکیل کے بارے میں آپ ماموں جان پر ہی فیصلہ چھوڑ دیں۔ اپنی دلچسپی کا زیادہ اظہار نہ کریں تو مناسب ہے۔"

"کیوں ..... کیوں' میں سمجھا نہیں؟" صدیق علی خاں بیٹی کا جملہ سن کر چونکے بغیر نہ رہ سکے۔

"میں بزرگوں کے سامنے زبان کھولنا بے ادبی سمجھتی ہوں لیکن جہاں تک شکیل کی سوسائٹی اور اس کے کردار کا تعلق ہے تو میں اس کے متعلق آپ کو کوئی اچھی رائے نہ دے سکوں گی۔"

فرزانہ نے گول مول الفاظ میں بڑی خوبصورتی سے اپنا عندیہ ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے آپ میری اس رائے کو کسی ذاتی بنائے مخاصمت سمجھیں لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تصدیق آپ کالج کے دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں سے بھی کر سکتے ہیں۔"

"ہوں....." صدیق علی خاں سوچ میں پڑ گئے۔ "کیا تم نے اس میں کوئی خرابی دیکھی ہے؟"

"مجھے افسوس ہے ابا حضور کہ میں جو کچھ کہہ چکی ہوں اس سے زیادہ کہنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔"

"فرزانہ بیٹی!" اس بار صدیق علی خاں نے بیٹی پر مشفقانہ نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم نے بڑی لیاقت سے کام لے کر مجھے حالات سے آگاہ کر دیا۔ اگر تم اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لیتیں تو مجھے اس کا ہمیشہ صدمہ رہتا۔"

"میں سمجھی نہیں ابا حضور!" فرزانہ نے انجان بنتے ہوئے باپ کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔ ویسے وہ دل ہی دل میں اس بات پر خوش تھی کہ باپ کی حد تک وہ شکیل کو اپنے راستے سے ہٹا چکی ہے۔

"کچھ نہیں بیٹی!" صدیق علی خاں جلدی سے بولے۔ "میں اپنے طور پر تم سے ایک رائے لینا چاہتا تھا جو مجھے مل چکی ہے۔"

فرزانہ نے بات کو مزید کریدنا مناسب نہیں سمجھا' خاموش بیٹھی رہی۔

"مصوری کے میدان میں تو اب تم نے خاصا کمال حاصل کر لیا ہو گا؟" صدیق علی خاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ساگر واقعی ایک عظیم فنکار ہے۔"

"جی ہاں ابا حضور! میں بھی ساگر انکل کی بے حد عزت کرتی ہوں۔"

"لیکن یہ تمہارے انکل آج کل ادھر بہت کم آتے ہیں۔"

"طبیعت کی ناسازی کے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے۔" فرزانہ بولی۔ "میں خود ہی چلی جاتی ہوں ان کی طرف۔ شام کی تھوڑی بہت تفریح بھی ہو جاتی ہے۔"

Uploaded By Nadeem ندیم

"ندیم بھی تمہارا کلاس فیلو ہے شاید!"

فرزانہ کا دل ایک بار پھر دھڑک اٹھا لیکن اس بار خوف کی آمیزش کی بجائے اس کے دل کی دھڑکنوں میں محبت اور شرم و حیا کا جذبہ شامل تھا۔

"جی ہاں۔" اس نے دبی زبان میں کہا۔

"ساگر کا کوئی قریبی عزیزدار معلوم ہوتا ہے؟"

"جی ہاں' انکل نے مجھے یہی بتایا ہے۔"

"بڑا سعادتمند اور محنتی لڑکا ہے۔" صدیق علی خاں نے فرزانہ کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "پڑھائی کے ساتھ ساتھ ملازمت کرنا بڑی بات ہے۔"

فرزانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تعلیمی اعتبار سے اس کی کیا حیثیت ہے؟" صدیق علی خاں نے پوچھا۔ "میرا تو اندازہ یہی ہے کہ اس غریب کو مطالعہ کا زیادہ وقت ہی نہ ملتا ہو گا۔"

"جی ہاں' لیکن اس کے باوجود وہ ہمیشہ اعزازی نمبروں سے پاس ہوتا ہے۔"

"ماشاء اللہ!" صدیق علی خاں بولے۔ "صورت ہی سے ذہین اور کم گو معلوم ہوتا ہے۔ میں دو تین بار ہی اس سے ملا ہوں لیکن اس کے بلند اخلاق اور کردار نے مجھے بے حد متاثر کیا۔"

فرزانہ باپ کے الفاظ سن کر دل ہی دل میں جھوم اٹھی۔ مسرت کی ایک لہر اس کے دل کی گہرائیوں سے اٹھی اور خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ اسے فوری طور پر یہی خیال آیا تھا کہ ممکن ہے ساگر نے صدیق علی خاں سے اس کے اور ندیم کے بارے میں کچھ ذکر کیا ہو اور اس خیال کے تصور ہی سے وہ شرما گئی۔

صدیق علی خاں نے ایک زمانہ دیکھا تھا۔ بیٹی کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق نے انہیں بہت کچھ بتا دیا۔ انہیں بذات خود بھی ندیم شکیل کے مقابلے میں زیادہ پسند تھا۔ ہرچند کہ ابھی تک ساگر نے یہ مسئلہ ان کے سامنے نہیں رکھا تھا لیکن اب وہ اتنے بھولے بھی نہیں تھے کہ ساگر کی دعوتوں کا مفہوم بھی نہ سمجھ سکتے۔ بیٹی کے انتخاب کا خاموش مفہوم سمجھ کر ان کا سینہ خوشی سے تن گیا۔ انہیں اس بات کی خوشی تھی کہ فرزانہ اور ان کا مرکز خیال ایک ہی ہے۔ اگر کوئی فکر تھی تو وہ ندیم کا ماضی اور اس کے خاندانی حالات

تھے جس کے بارے میں انہیں کوئی زیادہ معلومات نہیں تھیں۔ وسیع اور آزاد خیال ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی لیکن شبانہ بیگم کی باتوں اور فرزانہ کا عندیہ معلوم ہو جانے کے بعد اب انہیں یہ فکر بھی تھی کہ کسی طرح ندیم کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

فرزانہ کی شادی کے بارے میں اب تک ان کا یہی ارادہ تھا کہ جب وہ بی اے کر کے تعلیم سے فراغت حاصل کر لے گی اس وقت اس مسئلے پر ٹھنڈے دماغ سے سوچا جائے گا لیکن شبانہ بیگم نے شکیل کا سلسلہ جس انداز میں اچانک شروع کیا اس نے اب انہیں بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شادی کے بعد سے انہوں نے بیوی کو کل سیاہ و سفید کا مختار بنا رکھا تھا۔ گھر کے معاملات میں کبھی کوئی دخل نہیں دیا تھا۔ اتنا وقت ہی نہیں تھا کہ وہ دلچسپی لیتے لیکن فرزانہ کی شادی کے مسئلے پر اب انہیں سنجیدگی سے غور کرنا پڑ رہا تھا۔

مرزا عقیل کی آمد پر انہیں حیرت ضرور ہوئی تھی لیکن وہ یہ سوچ کر ٹال گئے تھے کہ وہ بیٹے اور بہن سے ملنے آئے ہوں گے لیکن حالات نے جس انداز میں پلٹا کھایا تھا اس نے انہیں گھریلو معاملات میں دخیل ہونے پر مجبور کر دیا۔ سب سے زیادہ فکر انہیں بیوی کی طرف سے لاحق تھی۔ بات اگر شکیل کے سوا کسی اور کی ہوتی تو وہ بڑی آسانی سے ٹال دیتے لیکن اب انہیں اس بات کا احساس بھی تھا کہ اگر کھل کر شکیل کی مخالفت کی گئی تو شبانہ بیگم کے ساتھ ساتھ مرزا عقیل بھی اس کا برا منائیں گے۔ دوسری طرف فرزانہ کا عندیہ حاصل کر لینے کے بعد وہ دیدہ دانستہ اسے کسی اندھے کنویں میں دھکیل دینے پر بھی تیار نہ تھے۔ کوئی ایسا حل تلاش کرنا چاہتے تھے جس سے سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی۔

فرزانہ بدستور نظریں جھکائے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

صدیق علی خاں وقت کے تقاضوں پر سنجیدگی سے غور کرتے رہے پھر دبی زبان میں بولے۔

"مجھے اس بات پر بے حد مسرت ہے بیٹی کہ تم نے بڑی سمجھداری سے کام لیتے ہوئے مجھے ایک دوست کی حیثیت سے بہت کچھ بتا دیا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری

Uploaded By Nadeem

خوشیوں کا ہمیشہ خیال رکھوں گا۔"

فرزانہ نے تشکرانہ نظروں سے باپ کو دیکھا پھر آہستہ سے دبے قدموں باپ کے کمرے سے نکل گئی۔ اس وقت وہ خوشی کے جذبے سے سرشار تھی۔ اس کا ایک ایک رواں مسرت اور شادمانی کے جذبے سے جھوم رہا تھا۔ ذہن محبت کی حسین وادیوں میں پرواز کر رہا تھا۔ قدم زمین پر نہیں پڑ رہے تھے اور اس جذبے سے سرشار وہ خوشی سے جھومتی اور لہراتی اپنے کمرے میں آئی اور پلنگ پر نیم دراز ہو کر بہت دیر تک مستقبل میں میسر آنے والی خوشیوں کے لطیف احساسات سے لطف اندوز ہوتی رہی۔

اور اسی شام جب اس نے ندیم سے مل کر شرماتے شرماتے اور جھجکتے جھجکتے باپ سے ہونے والی گفتگو کا تذکرہ کیا تو ندیم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تمہاری آنکھیں کیوں بھر آئیں۔" فرزانہ نے حیرت سے پوچھا۔ اس نے سوچا تھا کہ جب ندیم کو حالات کا علم ہو گا تو وہ خوشی سے اچھل پڑے گا' ہنسے گا' مسکرائے گا' آنسوؤں کا تو تصور بھی اس کے ذہن کے کسی گوشے میں نہیں ابھرا تھا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں فری!" ندیم جذبات سے مغلوب ہو کر بولا۔ "ورنہ آج تو میں بے حد خوش ہوں۔ تم نے مجھے زندگی کی بے پناہ مسرتوں کا پیغام جو سنایا ہے۔"

"اوہ!" فرزانہ مطمئن ہو گئی پھر اس نے شکایتی انداز میں ندیم کو دیکھا۔ "خالی خولی خوشی کے اظہار سے کیا ہوتا ہے۔ مٹھائی کھلانے کی بات تو بھول گئے۔"

"اوں ہونہہ' میں اس قسم کا کوئی وعدہ نہیں کروں گا۔" ندیم نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں اسے تمہاری کنجوسی کہوں گی۔" فرزانہ بولی۔

"جو چاہے کہہ لو لیکن مٹھائی کھلانے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔"

"کوئی خاص وجہ۔"

"ہاں!" ندیم بڑے دل آویز انداز میں مسکرایا۔ "تمہاری باتوں کی مٹھاس کے آگے مٹھائی کی حقیقت ماند پڑ کر رہ گئی ہے۔"

"باتیں بنانی خوب آ گئی ہیں آپ کو۔" فرزانہ نے شوخ نظروں سے ندیم کو گھورا۔

"اسے بھی میں آپ کا حسن ظن ہی کہوں گا۔"

"لیکن ایک بات ابھی میں نے آپ کو نہیں بتائی۔" فرزانہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"وہ کیا؟"

"رہنے دیجئے' کیا کریں گے سن کر۔" فرزانہ نے سوچی سمجھی شرارت سے کہا۔ "آپ کو ذہنی طور پر الجھن ہی ہو گی۔"

"پھر بھی بتا دینے میں کیا حرج ہے؟" ندیم نے بے چینی کا اظہار کیا۔

"حرج تو بظاہر کوئی نہیں ہے لیکن آپ مفت میں پریشان ہو جائیں گے۔"

"کیا کوئی ایسی ہی بات ہے جس سے میری پریشانیوں کو بھی واسطہ ہے۔"

"ہاں' ہو بھی سکتا ہے۔"

"گویا تقدیر کو ابھی تک میری محرومیوں پر ترس نہیں آیا۔" ندیم کا لہجہ مغموم ہو گیا۔

"یہ آپ اتنی جلدی قدرت سے اپنی محرومیوں کا شکوہ کیوں کرنے لگتے ہیں؟"

"پھر کیا کروں؟" ندیم کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"آپ نے ابھی تک یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ وہ بات کیا ہے؟"

"زیادہ اصرار کی ہمت کرنے سے ڈرتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"تمہاری ناراضگی کا خدشہ جو لاحق ہے۔"

"صرف ایک بار اور اصرار کیجئے۔ ممکن ہے میں وہ بات ناراض ہوئے بغیر ہی بتا دوں۔" فرزانہ نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا اسے ندیم کی اداسی پر رحم آ گیا۔

"اب میں اصرار کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لئے کہ تمہاری مسکراہٹ نے خود ہی وہ بات کہہ دی ہے۔" ندیم نے کہا پھر بڑی عاجزی سے بولا۔ "فری! ایک درخواست کروں' مانو گی۔"

"کیا؟"

"مجھ سے اتنا بھیانک مذاق نہ کیا کرو جو میری روح کی گہرائیوں تک کو لرزہ بہ اندام کر ڈالے۔ ایک تم ہی تو ہو جس سے میں کھل کر اپنے دل کا حال کہہ لیتا ہوں۔ ہنس بول لیتا ہوں لیکن جب تم سنجیدہ ہو جاتی ہو تو مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کائنات کی تمام رنگینیوں

Uploaded By Nadeem
ندیم

نے مجھ سے منہ موڑ لیا ہو۔"

"اور جب میں خوش رہتی ہوں تب کیا محسوس کرتے ہیں آپ؟" فرزانہ نے ایک ادائے دلربانہ سے پوچھا۔

"بتا دوں؟" ندیم نے شوخی سے کہا۔

"آپ کی مرضی پر منحصر ہے' میں اصرار کرنے کی عادی نہیں ہوں۔"

"ناراض تو نہیں ہو جاؤ گی؟" ندیم کے لہجے میں مچلتے ہوئے ارمانوں کی جھلک ابھر آئی۔

"ساگر انکل کہاں ہیں؟" فرزانہ نے جلدی سے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تم نے۔"

"میں غیر ضروری باتوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتی۔" فرزانہ مسکرائی۔ "اس لئے میں نے اصرار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"فرزانہ!" ندیم نے اسے والہانہ انداز میں مخاطب کیا۔

"ساگر انکل۔" فرزانہ یکلخت سنجیدگی سے دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

ندیم چونک کر پلٹا اور فرزانہ موقع سے فائدہ اٹھا کر ہنستی ہوئی تیزی سے بھاگ کر کمرے سے نکل گئی۔ ندیم اپنی بوکھلاہٹ پر خفیف سا ہو گیا۔

کائنات کا ذرہ ذرہ ان کی معصوم محبت پر مسکرا اٹھا تھا۔

☆======☆======☆

ہرچند کہ فرزانہ باپ کی طرف سے مطمئن ہو گئی تھی لیکن ماں کی طرف سے اسے ی تک کھٹکا لگا ہوا تھا۔ شبانہ بیگم اور مرزا عقیل کے درمیان ہونے والے مشورے دیکھ کر اس کا دل دھڑک اٹھتا۔ وہ منزل کے قریب پہنچ کر بھی اداس تھی۔ کنارہ سامنے تھا ن اسے ان موجوں کا خطرہ تھا جو کبھی کبھی سفینے کو ایک جھٹکے میں ساحل سے اٹھا کر دور رداب میں پھینک دیتی ہیں۔

ادھر دو تین دنوں سے شکیل کے رویے میں بھی اسے تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ لی میں اس سے دور ہی دور رہتا لیکن چائے اور کھانے کی میز پر جب سب یکجا ہوتے تو وہ انہ کو مخاطب کرنے سے باز نہ آتا۔ اس انداز میں گفتگو کرتا جیسے وہ ایک دوسرے سے

خاصے بے تکلف ہیں۔ فرزانہ کھل کر اس کی مخالفت نہ کر سکتی۔ اسے جبراً شکیل کی باتوں کا جواب دینا پڑتا۔ ماں اور ماموں کا لحاظ جو مانع تھا لیکن وہ شکیل کی اس نئی چال پر اندر ہی اندر سلگ کر رہ جاتی۔ اسے یقین تھا کہ مرزا عقیل کی ایما پر ہی شکیل نے اس نئی حرکت کی جسارت کی ہو گی ورنہ اپنے تئیں تو وہ متعدد موقع پر اسے جھڑک چکی تھی۔ دبی زبان میں یہاں تک کہہ چکی تھی کہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔ اس سے نالاں ہے۔ مگر حالات کی ستم ظریفی نے اب اسے حد درجہ مجبور کر دیا تھا۔ شکیل جب سب کی موجودگی میں اس سے ہنس ہنس کر اور مسکرا مسکرا کر باتیں کرتا تو شبانہ بیگم کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھتا۔ مرزا عقیل فاتحانہ انداز میں مسکراتے اور پھر نگاہوں نگاہوں میں بہن سے کہتے۔

"دیکھا تم نے شبانہ! یہ دونوں بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

صدیق علی خاں چونکہ بیٹی کا عندیہ حاصل کر چکے تھے اس لئے وہ سب کچھ سنتے اور خاموش ہو جاتے لیکن فرزانہ جھلس کر رہ جاتی۔ ابھی تک کوئی ایسا موقع اس کے ہاتھ نہیں آ سکا تھا جو وہ ماں اور مرزا عقیل پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرتی۔ بس اندر ہی اندر گھٹ کر رہ جاتی۔

اس وقت وہ برجیس کے ہاں جانے کی تیاری کر رہی تھیں جب آئینے میں اسے شکیل کا عکس نظر آیا۔ خدا جانے وہ کمرے میں کب دبے پاؤں چلا آیا تھا کہ فرزانہ کو اس کی خبر تک نہ ہوئی۔ شکیل کی اس جسارت پر اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اس طوفان کی طرح تیزی سے پلٹی جو اچانک اٹھتا ہے اور راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو روندتا چلا جاتا ہے۔

شکیل کو اس نے سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"میں بغیر اجازت مخل ہونے کی معافی چاہتا ہوں۔" شکیل نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ فرزانہ خاموش رہی۔

"مجھے آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔" شکیل بولا۔

"فرمایئے۔" فرزانہ نے سنجیدگی اختیار کر لی۔

"میں اپنے سابقہ رویے پر شرمندگی کا اظہار کرنے کی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔"

"بہت خوب۔" فرزانہ نے شکیل کو سر تا پا گھورتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کو اچانک

Uploaded By Nadeem
ندیم

شرمندگی کے اظہار کی ضرورت کیوں پیش آگئی۔"

"آپ کی ناراضگی میرے لئے سوہان روح بنتی جارہی ہے۔"

"پھر! آپ کو میری ناراضگی سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے؟"

"کچھ نقصانات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔

"گویا آپ موقع محل دیکھ کر اپنے رویے میں وقتاً فوقتاً تبدیلی کرنے کے عادی ہیں۔" فرزانہ نے طنز بھرے انداز میں کہا۔ شکیل کی چالبازی مکاری اور بازاری طرز تخاطب پر وہ تلملا اٹھی۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔" شکیل جلدی سے بولا۔ "انسان کبھی کبھی اپنی راہ سے بھٹک کر غلط راستے پر چل نکلتا ہے لیکن اگر اسے خود ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ اعتراف کرلے تو یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے جو ناقابل معافی ہو۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"میں اس وقت جس موضوع پر آپ سے بات کرنے آیا ہوں اس کا علم آپ کو غالباً پھوپھا جان کی باتوں سے ہو چکا ہو گا۔" شکیل بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ پھوپھی جان نے بھی آپ سے تذکرہ کیا ہو۔"

"قدرت نے آپ کے منہ میں بھی زبان دی ہے۔ آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے!" فرزانہ نے تلخ لہجے میں کہا۔

"ہو سکتا ہے آپ اسے پسند نہ کریں۔"

"آپ کو میری پسند یا ناپسند سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے۔" فرزانہ ناگواری سے بولی۔ "آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں جلدی کہہ ڈالئے' مجھے دیر ہو رہی ہے۔"

"کہاں جارہی ہیں آپ؟"

"یہ میرا قطعی نجی معاملہ ہے جس میں والدین کے سوا کسی اور کی مداخلت پسند نہیں کرتی۔"

فرزانہ کے اس روکھے جواب پر شکیل کے چہرے پر ایک رنگ آکر گزر گیا۔ کچھ دیر تک وہ فرزانہ کو خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"آپ کو غالباً اس بات کا علم ہو گا کہ والد صاحب یہاں کیوں آئے ہیں۔"

"جی نہیں۔" فرزانہ نے انجان بنتے ہوئے جواب دیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ والد صاحب میری شادی کے خواہشمند ہیں اور میں ان کی خواہش کا احترام اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

"سعادتمندی ہے آپ کی۔ مگر آپ یہ بات مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"اس لئے کہ ..... وہ ..... میں۔" شکیل گڑبڑا گیا۔ اپنا مقصد ظاہر کرنے کے لئے اسے مناسب اور موزوں الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کی مرضی حاصل کئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔" شکیل نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"آپ بڑی خوشی سے اپنے سر پر سہرا باندھ لیجئے' مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"لیکن آپ' میرا مقصد ہے کہ والد صاحب کی نظر انتخاب آپ پر پڑی ہے۔"

"شکیل!" فرزانہ تڑپ کر بولی۔ "تم شاید اس وقت اپنے ہوش میں نہیں ہو۔"

"جی!"

"ماموں جان کیا سوچ رہے ہیں یہ ان کی حالات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس سلسلے میں میرا جواب کیا تھا اور کیا ہو گا۔" فرزانہ غصہ سے لال پیلی ہو کر بولی۔

"لیکن آخر آپ مجھ سے اس قدر نالاں کیوں ہیں؟"

"میں اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھتی۔"

"کیا محبت کرنا گناہ ہے؟"

"یہ ہر شخص کا ذاتی معاملہ ہے' کسی پر دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا۔"

"پھر' میں والد صاحب کو کیا جواب دوں؟"

"یہ تم بہتر جانتے ہو کہ تمہارا جواب کیا ہونا چاہئے۔"

"کیا آپ میرے معاملے میں اپنا رویہ تبدیل نہیں کرسکتیں؟"

"قطعاً نہیں۔" فرزانہ نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔

"کوئی خاص وجہ۔" شکیل نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"میں وجہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھتی۔"

"کیا یہ آپ کا بالکل آخری اور اٹل فیصلہ ہے؟"

"ہاں اور اس میں ترمیم یا اضافے کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی۔"

"اگر وجہ پھوپھا جان کو معلوم ہو گئی تو وہ کیا سوچیں گے؟"

"اوہ۔" فرزانہ کا چہرہ فرط غضب سے تمتما اٹھا۔ "گویا اب تم دھونس اور دھمکی سے کام نکالنا چاہتے ہو۔"

"محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے۔" شکیل ڈھیٹ ہو گیا۔ "خاندانی عزت اور وقار کا خیال آپ کو بھی ضرور لاحق ہو گا۔"

"شکیل!" فرزانہ چیخ پڑی۔ "تم شاید اس وقت نشے میں ہو کر گفتگو کر رہے ہو۔"

"میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ محبت کا نشہ دنیا کے تمام نشوں سے زیادہ تیز ہوتا ہے۔" شکیل بے ہودہ انداز میں مسکرایا۔

"میں کہتی ہوں' نکل جاؤ میرے کمرے سے۔" فرزانہ غصے سے لرز اٹھی۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔"

"بکو مت' گٹ آؤٹ۔" فرزانہ کے تیور خطرناک ہونے لگے۔

"ایک بار پھر سوچ لیجئے۔" شکیل نے بے غیرتی کی ہنسی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "پھوپھی جان میرے حق میں فیصلہ صادر فرما چکی ہیں۔"

"اور میں تمہاری شکل پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتی۔" فرزانہ نے غیض سے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

اس کی شعلہ بار نظریں شکیل کے وجود کو حقارت سے گھور رہی تھیں۔

"بعد میں میرا سلوک بھی ناروا ہو سکتا ہے۔"

اور شکیل کا یہ جملہ بارود پر چنگاری ثابت ہوا۔ فرزانہ کا بھرپور طمانچہ اس کے گال پر پوری شدت سے پڑا۔

"دور ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" وہ چیخی تھی۔

شکیل نے قہر آلود نگاہوں سے فرزانہ کو گھورا پھر گال سہلاتا ہوا چلا گیا۔ فرزانہ غصہ میں کھڑی بید مجنوں کی طرح کانپتی رہی' لرزتی رہی' اس کا بس اگر چلتا تو وہ شکیل کی اس

جسارت پر اس کا منہ نوچ ڈالتی لیکن ماں کے خیال سے اس نے محض ایک تھپڑ پر اکتفا کی۔

بہت دیر تک وہ ساکت و جامد کھڑی سوچتی رہی پھر اسی کیفیت میں باہر نکلی گاڑی سنبھالی اور برجیس کے ہاں چلی گئی۔

برجیس نے ٹھنڈے دل سے فرزانہ کی داستان سنی' کچھ سوچا پھر بولی۔

"گویا شکیل صاحب اب بے ہودگی پر اتر آئے ہیں۔"

"حد درجہ نامعقول اور گرے ہوئے کردار کا مالک ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"پھر' اب تمہارا کیا فیصلہ ہے؟" برجیس نے پوچھا۔ "اگر چچی جان نے تمہاری مرضی کے خلاف فیصلہ دے دیا تو کیا کرو گی؟"

"کچھ بھی ہو لیکن میں اپنی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گی۔"

"چچا جان جب تمہارے حق میں ہیں تو وہ شکیل کے والد سے انکار کیوں نہیں کر دیتے؟"

"یہی تو مصیبت ہے کہ وہ امی جان کی کسی بات پر کھل کر مخالفت کا اظہار نہیں کرتے۔" فرزانہ بولی۔ "مرزا عقیل چونکہ امی جان کے اکلوتے بھائی ہیں اس لئے ابا حضور صاف طور پر انکار کرنے سے بھی گریز کر رہے ہیں۔"

"پھر یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا؟"

"کسی کروٹ بھی بیٹھے لیکن میں شکیل کو تو کبھی اس کی ناپاک خواہشات میں کامیاب نہ ہونے دوں گی۔"

"ندیم نے کیا مشورہ دیا ہے؟"

"میں گھر سے سیدھی تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ ندیم کو ان حالات کا علم نہیں ہے۔"

"تم اپنے ساگر انکل سے کیوں نہیں کہتی کہ وہ چچا جان سے رشتے کی بات شروع کر دیں۔"

"کیسی بے تکی تجویز دی ہے تم نے۔" فرزانہ بولی۔ "میں بھلا یہ بات ساگر انکل سے کس طرح کہہ سکتی ہوں۔"

Uploaded By Nadeem

"چلو تمہاری خاطر یہ کام میں کرلوں گی لیکن شکیل کو آخر کس طرح کاٹا جائے۔"

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا ورنہ میرے ساتھ ندیم کی زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔" فرزانہ جلدی میں جذباتی بن کر کہہ گئی۔

"ہائے رے تیری بے باکی' کس دھڑلے سے کہہ رہی ہے کہ ندیم کی زندگی بھی برباد ہو جائے گی۔" برجیس نے شوخی سے کہا اور فرزانہ جھینپ گئی۔

"ابھی سے جب تجھے اتنا لاڈ آ رہا ہے ندیم پر تو بعد میں کیا ہو گا؟"

"بھئی یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔" فرزانہ نے برجیس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "کچھ سنجیدگی سے سوچو۔"

"کیا خیال ہے تمہارا اگر میں چچا جان سے مل کر شکیل صاحب کی اصلیت کا بھانڈہ پھوڑ دوں۔"

"میں نے بھی یہی سوچا تھا لیکن یہ طریقہ نامناسب ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"والد صاحب اسے میری طرف سے ایک خاموش تحریک کا نام دیں گے۔"

"پھر کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔"

فرزانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گم صم بیٹھی سوچتی رہی پھر معاً ایک طریقہ اس کے ذہن میں آ گیا اور اس کی نظروں میں امید کی ایک کرن چمک اٹھی۔

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔"

"کیا؟"

"تم ابا حضور کو شکیل کے وہ خط روانہ کر دو جو اس مردود نے تمہیں تحریر کئے ہیں اس طرح نہ صرف یہ کہ شکیل کا کردار سامنے آ جائے گا بلکہ عین ممکن ہے کہ ان خطوط کی وجہ سے ابا حضور امی جان اور مرزا عقیل سے کھل کر انکار کر دیں۔"

"نا بابا' میں یہ نہیں کر سکتی۔" برجیس نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں' جان کیوں نکل رہی ہے تیری؟"

"جان نکلنے کی بات جو ہے' اگر کہیں چچا جان نے تمہارے طلبگار کو ان خطوط کی آڑ لے کر میرے سر تھوپنے کی کوشش کی تو میں جیتے جی مر جاؤں گی۔"

"پھر کیا یونہی تم نے اسے اپنے دام الفت میں پھانسا تھا۔"

"ارے بھئی وہ تو محض مذاق تھا۔" برجیس بولی۔ "میں صرف تم لوگوں کی خاطر اس بات کی تصدیق کرنا چاہتی تھی کہ ان حضرت میں بے وقوف بننے کی صلاحیت کہاں تک ہے چنانچہ اب یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ گئی۔ تمہارے شکیل صاحب نہ صرف یہ کہ صاحب طرز قسم کے احمق ہیں بلکہ انتہائی مردود و مردک بھی واقع ہوئے ہیں۔ اللہ بچائے ایسے مردوں سے جو تھالی کے بینگن کی طرح کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر لڑھکنے کے عادی ہوں۔"

"اسی دم خم پر اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ میرے کام آؤ گی۔" فرزانہ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "دردانہ وغیرہ کے سامنے تو گز بھر کی زبان نکال کر کہا تھا کہ میری مدد کرو گی۔"

"میں اب بھی اپنے عہد پر قائم ہوں۔" برجیس یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"خاک قائم ہو' دم تو پہلے ہی سے نکلا جا رہا ہے۔"

"ارے میری بنو! وہ تو میں تنگ کر رہی تھی ورنہ شکیل کو تو جب کہو مرغا بنا دوں وہ تو وہ' اس کے قبلہ والد صاحب بھی میرے سامنے سر نہیں اٹھائیں گے۔"

"صرف زبانی جمع خرچ کی حد تک' کیوں؟"

"اب تمہارے چڑھانے سے تو میں چڑھنے سے رہی۔" برجیس نے کہا۔ "ویسے یہ حقیقت ہے کہ میں نے محض تمہارے بچاؤ کی خاطر شکیل کو اب تک اُلّو بنائے رکھا ہے۔"

"پھر اب کچھ کرو نا۔" فرزانہ کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

"بہت بے چین ہو رہی ہو ندیم کی قربت کے لئے۔"

"خدا سمجھے گا تجھ سے۔" فرزانہ تنگ آ کر بولی۔ "یہ تو وہی بات ہوئی کہ تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں۔"

"ہائے رے محبت' میرے مولیٰ! مجھے تو محفوظ رکھنا اس بلائے ناگہانی سے۔" برجیس نے بڑی سنجیدگی سے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھاتے کہا لیکن پھر فرزانہ نے اس زور سے اس کے چٹکی بھری تھی کہ بھنا کر رہ گئی۔

Uploaded By Nadeem

"یا وحشت!" اس نے فرزانہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا خبر تھی کہ تم اس حد تک دیوانی ہو چکی ہو؟"

"جہنم میں جاؤ' اب میں اس سلسلے میں تم سے کبھی بات بھی نہیں کروں گی۔" فرزانہ نے ناراض ہوتے ہوئے جواب دیا پھر اٹھنے کے لئے خود کو سنبھالا تھا کہ برجیس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام کر کھینچ لیا۔

"ارے چلی کہاں' میں تو تجھے ذرا چھیڑ کر اس بات کا تماشہ دیکھ رہی تھی کہ محبت کی ماریوں کا کیا حال ہوتا ہے؟"

فرزانہ بیٹھ گئی لیکن گم صم اور خاموش خاموش رہی۔

"ایک طریقہ ہے میرے ذہن میں جو سو فیصد کامیاب ثابت ہو گا۔" برجیس نے سنجیدگی اختیار کرلی۔

"پھوٹو!"

"شکیل کے خطوط پر سے میں اپنا نام اڑائے دیتی ہوں اور تمام کے تمام نامۂ محبت جوں کے توں چچا جان کو گمنام حیثیت سے روانہ کئے دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" فرزانہ نے خوشی سے کہا۔ "لیکن اس میں بھی ایک خدشہ ہے اگر شکیل نے تمہارا نام لے لیا تب کیا ہو گا؟"

"اس کے بزرگ بھی اس کی ہمت نہیں کر سکتے۔" برجیس بولی۔ "اور اگر اس ناخلف نے زبان کھول بھی لی تو میں فرزانہ بیگم تو ہوں نہیں کہ دل ہی دل میں سلگتے بیٹھ جاؤں گی۔ ایسا آڑے ہاتھوں لوں گی کہ شکیل صاحب کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔"

"یہ تم جانو' بہرحال میرا کام تو بن جائے گا۔" فرزانہ شوخی سے مسکرائی۔

"اچھا' گویا تُو نے ابھی سے خودغرضی کی باتیں بھی شروع کر دیں۔" برجیس نے غصے سے آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

فرزانہ اس کی اداکاری پر بے اختیار کھل کھلا کر ہنس دی۔ پھر بہت دیر تک وہ شکیل کے بارے میں اپنے سوچے ہوئے منصوبوں پر غور کرتی رہیں۔+

فرزانہ جب برجیس کے ہاں سے رخصت ہوئی تو اس کے چہرے پر اطمینان کی جھلکیاں تھیں۔

☆======☆======☆

جیسے جیسے دن گزرتے گئے مرزا عقیل کا اصرار بہن پر بڑھتا گیا۔ شبانہ بیگم عجیب چکر میں پڑ گئی تھیں۔ ایک طرف بھائی کی ناراضگی کا خیال تھا اور دوسری طرف شوہر کی ناراضگی کا۔ فرزانہ اور شکیل کی بات چھیڑ کر وہ سمجھ چکی تھیں کہ صدیق علی خاں اس ملاپ کے حق میں نہیں ہیں۔ انہوں نے شادی کے بارے میں جس خوبصورتی سے معاملہ فرزانہ کی ذات پر ڈالا تھا اس سے یہی ظاہر ہوا کہ وہ بات ٹالنا چاہتے ہیں ورنہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی گھریلو معاملات میں شبانہ بیگم کی کسی بات پر آج تک انگلی نہیں اٹھائی تھی۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انہوں نے ہمت نہیں ہاری۔ انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی نہ کسی طرح شوہر کو شکیل اور فرزانہ کے سلسلے میں ضرور راضی کر لیں گی۔ اسی غرض سے مرزا عقیل کو بھی روک لیا تھا مگر ابھی تک انہیں شوہر سے گفتگو کرنے کا کوئی مناسب موقع نہیں مل سکا اور ادھر دو تین روز سے تو انہوں نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ صدیق علی خاں ہر وقت کچھ گم صم اور اکھڑے اکھڑے نظر آ رہے ہیں۔ مرزا عقیل نے بھی ایک دو بار دسترخوان پر ان کی غیر حاضری اور ان کے بدلے ہوئے خشک رویے کو محسوس کیا۔ شبانہ بیگم سے اس کی وجہ بھی پوچھی لیکن شبانہ بیگم جب خود ہی ناواقف تھیں تو بھلا بھائی کو کیا جواب دیتیں یہی کہہ کر ٹال گئیں کہ کوئی عدالتی الجھن ہو گی۔

مرزا عقیل کو بہنوئی کی پریشانی کی وجہ معلوم کرنے سے زیادہ جلدی اس بات کی تھی کہ کسی نہ کسی طرح شکیل کی شادی کی بات پکی ہو جائے۔ انہیں امید تھی کہ بہن پر آئے دن کا تقاضہ رنگ لائے بغیر نہ رہے گا لیکن جب بہن نے بھی چار چھ روز گزر جانے کے بعد کوئی جواب نہ دیا تو ان کی فکر میں بے چینی آ گئی۔ انہیں اس بات کا خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں فرزانہ نے ماں سے شکیل کی گستاخی کی شکایت نہ کر دی ہو۔

شکیل کو خود انہوں نے اس بات کا مشورہ دیا تھا کہ وہ اپنی راہ ہموار کرنے کے لئے فرزانہ سے بے تکلفی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ دیکھ کر انہیں خوشی بھی ہوئی کہ فرزانہ اور شکیل میں گفتگو کا سلسلہ چل نکلا ہے لیکن یہ خوشی زیادہ دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔

Uploaded By Nadeem ندیم

شکیل نے فرزانہ کے سخت رویے اور تھپڑ مارنے والے تذکرے کو کچھ ایسا بڑھا چڑھا کر بیان کیا کہ مرزا عقیل کی غیرت کو جلال آ گیا اور اب فرزانہ کو بہو بنانے کی خواہش ضد میں تبدیل ہو گئی۔ وہ ہر قیمت پر اسے شکیل سے منسوب کرا دینے کے منصوبے سوچتے رہتے۔ اپنے تئیں انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ فرزانہ کے غرور کو نیچا دکھا کر رہیں گے۔ اس کوشش میں شب و روز مصروف رہتے لیکن شبانہ بیگم کی خاموشی دیکھ کر انہیں اپنے منصوبے خاک میں ملتے نظر آئے۔

چنانچہ ایک روز انہوں نے دبی زبان میں بہن کو ٹٹولنے کی خاطر کہا۔

"تمہاری مستقل خاموشی سے میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تم کو غالباً شکیل پسند نہیں ہے۔"

"کمال کرتے ہیں بھائی صاحب آپ بھی۔" شبانہ بیگم بھائی کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر بے چین ہو گئیں۔ "بھلا میں شکیل کو ناپسند کروں گی؟"

"ہو سکتا ہے کہ تمہیں اس کی کوئی بات ناگوار گزری ہو۔"

"خدا نہ کرے کبھی اس کی نوبت آئے۔ ماشاء اللہ بڑا نیک اور سعید بچہ ہے۔ اتنے روز سے میرے ساتھ ہے لیکن آج تک اس نے کبھی مجھے کسی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ بڑی اچھی تربیت دی ہے آپ نے۔"

"پھر' میں تمہاری اس طویل خاموشی کا کیا مطلب سمجھوں۔" مرزا عقیل نے مطمئن ہونے کے بعد تقاضا کرنے والے انداز میں کہا۔ "ابھی تک تم نے مجھے کوئی معقول جواب بھی نہیں دیا۔"

"بس کیا بتاؤں بھائی صاحب! ان سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔" شبانہ بیگم بولیں۔ "آپ خود ہی دیکھ رہے ہیں کہ ادھر دو تین روز سے وہ پریشان پریشان نظر آ رہے ہیں۔ ایسے میں ان سے بات کرنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ارے بھئی کوئی ذاتی پریشانی تو ہو گی نہیں۔ عدالت کا کوئی مقدمہ ہو گا جس کی وجہ سے الجھ رہے ہوں گے۔ تم کسی وقت معلوم تو کرو کہ آخر بات کیا ہے۔" مرزا عقیل بولے۔ "میری طویل غیر حاضری سے خدا جانے کاروباری حالات کا کیا بنا ہو گا۔"

"اس کا احساس خود مجھے بھی ہے بھائی صاحب لیکن جو کچھ حالات ہیں آپ کے

سامنے ہی ہیں۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر صدیق کو فرزانہ سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ باپ ہیں خود بھی فیصلہ کر سکتے تھے۔ جہاں تک فرزانہ کا معاملہ ہے وہ چشم بددور بڑی سعادتمند بچی ہے۔ اسے بھلا باپ کے فیصلے پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

"میں نے بھی یہی کہا تھا لیکن انہوں نے اسی بات پر زور دیا کہ فرزانہ کی زندگی کا مسئلہ ہے اس لئے اس کی رائے دریافت کرنا ضروری ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ باپ بیٹی کے درمیان کچھ بات ہو چکی ہے۔"

"جی ہاں' لیکن اس کے بعد سے اب تک مجھے کوئی ایسا مناسب موقع ہی کہاں ملا کہ ان سے کھل کر کچھ معلوم کر سکتی۔"

"لیکن اس طرح آخر میں کب تک گھر سے دور رہ سکتا ہوں؟" مرزا عقیل پہلو بدل کر بولا۔ "میری مانو تو اب تم صدیق سے بات کر ہی ڈالو۔"

"بہتر ہے' اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو میں آج ہی ان سے گفتگو کر دیکھتی ہوں۔"

"ذرا سہولت سے بات کرنا۔" مرزا عقیل نے خوش ہوتے ہوئے کہا پھر سنجیدگی سے بولے۔ "بھئی میں تو ایک بات جانتا ہوں۔ اگر تم اڑ جاؤ تو صدیق چوں بھی نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی میں نے اتنے عرصے میں یہی محسوس کیا ہے کہ وہ تمہاری کسی بات میں دخیل ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔"

"سب آپ بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بھائی صاحب!" شبانہ بیگم نے بڑے ٹھہرے سے جواب دیا۔ پھر بہت دیر تک بھائی کو مطمئن کرنے کے لئے یقین دلاتی رہیں کہ وہ اپنے تئیں پوری پوری کوشش کریں گی۔

مرزا عقیل مطمئن سے ہو گئے۔

اسی شام جب صدیق علی خاں شام کی چائے پی کر کمر سیدھی کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں گئے تو شبانہ بیگم بھی بھائی کا اشارہ پا کر پیچھے پیچھے ہو لیں۔

صدیق علی خاں نے بیوی کو دیکھا تو ان کے پُروقار چہرے پر گھمبیر سنجیدگی طاری ہو گئی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ شبانہ بیگم خلاف توقع اس وقت ان کے آرام میں کیوں مخل ہوئی ہیں لیکن اپنی طرف سے انہوں نے کوئی پہل نہیں کی۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

شبانہ بیگم نے شوہر کے چہرے پر تھکن اور سنجیدگی کے تاثرات دیکھے تو یہی مناسب سمجھا کہ فی الحال اس مسئلے کو پھر کسی موقع کے لئے ٹال دیں لیکن بھائی کے اصرار کا خیال لاحق تھا اس لئے تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی گفتگو کرنے کے بعد اصل مسئلہ کو چھیڑ ہی دیا۔

"فرزانہ سے کچھ پوچھا تم نے کہ اس کی مرضی کیا ہے۔"

"ہاں۔" صدیق علی خاں نے گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پھر' کیا خیال ہے اس کا؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"کیا مطلب؟" شبانہ بیگم متفکر سی ہو گئیں۔

"اس نے دبی زبان میں صرف اتنا ہی کہا ہے کہ اسے ہماری خواہشات اور ہمارے حکم سے کبھی انکار نہیں ہو گا۔"

"مجھے بھی یہی امید تھی۔" شبانہ بیگم کی باچھیں کھل اٹھیں۔ خوشی خوشی بولیں۔ "چلو اچھا ہوا جو تمہاری ضد بھی پوری ہو گئی۔ اب نیک کام میں دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ابھی جا کر بھائی صاحب کو یہ خوشخبری سناتی ہوں اور ان سے مشورہ کر کے نکاح کی کوئی تاریخ طے کئے لیتی ہوں۔"

"بیگم!" صدیق علی خاں نے بڑی سنجیدگی سے بیوی سے کہا۔ "میں نے ابھی تم کو صرف فرزانہ کے طرز عمل سے آگاہ کیا ہے۔ اپنے فیصلے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔"

"تمہارا کیا فیصلہ ہے۔" شبانہ بیگم نے شوہر کو حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ نہ جانے کیوں شوہر کا آخری جملہ سن کر ان کی داہنی آنکھ پھڑپھڑا اٹھی تھی۔

"میں اپنی اولاد کو دیدہ دانستہ حبس دوام کی سزا نہیں دے سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"زیادہ کریدنے کی کوشش مت کرو ورنہ تمہیں بھی شکیل کے کردار کے بارے میں سن کر افسوس ہو گا۔"

"شکیل کے کردار کے بارے میں!" شبانہ بیگم پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ تھوڑی دیر تک حیرت سے شوہر کا منہ تکتی رہیں پھر پہلو بدل کر بولیں۔ "آخر مجھے بھی تو معلوم ہو کہ

تمہیں اچانک شکیل کے کردار میں کیا برائی نظر آنے لگی۔"

صدیق علی خاں نے بیوی کے چہرے پر پھیلنے والے تاثرات کو غور سے دیکھا پھر کچھ تامل کے بعد اٹھے اور شیلف سے دس بارہ خطوط کا ایک پلندہ نکال کر بیوی کو دے دیا۔

شبانہ بیگم نے دھڑکتے ہوئے دل سے پلندے کو لے لیا پھر ایک ایک کاغذ کی تہہ کھول کر اسے پڑھنے لگیں۔ جیسے جیسے وہ خط پڑھتی جاتی تھیں ان کے چہرے پر غیض و غضب کی علامتیں گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

صدیق علی خاں خاموشی سے بیٹھے بیوی کے چہرے کو پڑھتے رہے۔

"کیا یہ خطوط شکیل نے فرزانہ کو تحریر کئے تھے۔" شبانہ بیگم نے آخری خط پڑھنے کے بعد شوہر سے پوچھا۔ آواز غصہ سے لرز رہی تھی۔

"نہیں' شکیل نے یہ خطوط اپنے کالج کی کسی لڑکی کو لکھے تھے۔"

"لیکن تم کو کہاں سے مل گئے۔"

"اسے قدرت کی مہربانی سمجھو بیگم کہ اس نے بروقت ہمیں آگاہ کر دیا۔" صدیق علی خاں نے گہری سنجیدگی اور ٹھوس لہجے میں کہا۔ "اگر کہیں جلد بازی میں ہم فرزانہ کی قسمت کا فیصلہ کر بیٹھتے تو ہمیں تمام زندگی سر تھام کر رونا پڑتا۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ سب خطوط شکیل ہی نے تحریر کئے ہوں گے۔" شبانہ بیگم کچھ سوچ کر بولیں۔ "ہو سکتا ہے کہ کسی نے دشمنی نکالنے کے لئے اس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہو؟"

"کوئی زبردستی کسی کا دشمن نہیں بن سکتا۔" صدیق علی خاں نے بڑی معاملہ فہمی سے جواب دیا۔ "تم اگر چاہو تو بھائی صاحب کو یہ خطوط دکھا کر اپنے شبہے کی تصدیق کر لو۔ وہ خود ہی اپنے بیٹے سے جھوٹ سچ کی معلومات کر لیں گے۔"

"یہی میں نے بھی سوچا ہے۔" شبانہ بیگم بولیں۔ "اگر یہ سب کچھ سچ نکلا تو میں خود بھی فرزانہ کی زندگی کے ساتھ دشمنی نہیں کروں گی۔"

"ٹھیک ہے' تم اپنی تسلی کر لو لیکن میں اب اس بات کا فیصلہ کر چکا ہو کہ فرزانہ کی شادی جتنی جلدی ممکن ہو سکے کر دی جائے۔" صدیق علی خاں بڑی گھمبیر آواز میں بولے۔ "میں اپنے اس بھاری فرض سے سبکدوش ہو جانا چاہتا ہوں۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

"کیا اور کوئی مناسب رشتہ ہے تمہاری نظر میں؟"

"پہلے تم اپنے بھتیجے کا مسئلہ نپٹا لو پھر سوچا جائے گا۔"

"کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان خطوط کے پیچھے ندیم کی کوئی شرارت ہو؟" شبانہ بیگم کو معاً ندیم کا خیال آ گیا۔

"خواہ مخواہ کسی پر الزام تراشنا میرے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔" صدیق علی خاں نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "بھائی صاحب سے کم از کم پوچھ تو لو کہ یہ خطوط ان کے صاحبزادے کے لکھے ہوئے ہیں کہ نہیں۔ اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ کرنا۔"

شبانہ بیگم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چند لمحات گم صم اور خاموش خاموش رہیں پھر خطوط کے پلندے کو ہاتھ میں دبائے اٹھیں ذہن میں ایک بھاری بوجھ لئے باہر آئیں اور مرزا عقیل کے کمرے کی جانب چلی گئیں۔

صدیق علی خاں بہت دیر تک اپنے خیالات میں غرق کسی آخری نتیجے پر پہنچنے کے لئے اپنی خواب گاہ میں ٹہلتے رہے۔

☆======☆======☆

شکیل جب گھر سے نکلا تو بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔

برجیس کے خطوط نے اس کا سارا بنا بنایا کھیل خراب کر دیا۔ مرزا عقیل جب بہن سے گفتگو کرنے کے بعد اس کے کمرے میں آئے تو وہ کسی مژدۂ جان فزا سننے کے موڈ میں تھا لیکن حالات کی نئی کروٹ نے اسے بوکھلا دیا۔ اس نے باپ کے استفسار پر خطوط کو لے کر دھڑکتے ہوئے دل سے دیکھا پھر خاموشی سے گردن جھکا لی۔ انکار کی ہمت نہ کر سکا اور مرزا عقیل بازی ہارتے دیکھ کر بھڑک اٹھے تھے۔

"گویا یہ تمہاری ہی حماقتوں کا نتیجہ ہے۔" انہوں نے سخت لہجے میں شکیل سے جواب طلب کیا۔

"جی ہاں۔" شکیل نے دبی زبان میں اقرار جرم کر لیا۔

"لیکن جب تم ایک ساتھ ہی رہتے ہو تو پھر اس قسم کے بازاری خطوط لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں ڈیڈی! یہ خطوط میں نے فرزانہ کو تحریر نہیں کئے تھے۔"

"بکو مت۔" مرزا عقیل جھلا اٹھے۔ "میرا خیال تھا کہ اس ماحول میں آ کر تم نے اپنی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کی ہو گی لیکن مجھے احساس ہوا کہ تم نے حالات کو بنانے کے بجائے بگاڑنے کی کوشش کی ہے۔"

شکیل چپ چاپ، کھڑا باپ کی برہمی کا نشانہ بنتا رہا۔

"تمہاری اس بیہودہ حرکت نے مجھے بہن اور بہنوئی کی نگاہوں میں خوار کر دیا ہے۔ میری تمام آرزوئیں مٹی میں مل گئیں۔ میں اس قابل بھی نہیں رہا کہ شبانہ یا صدیق کو منہ دکھا سکوں۔" مرزا عقیل غصے میں تلملا کر بولے۔ "اگر تم نے مجھے قبل از وقت اپنی اس گری ہوئی حرکت سے آگاہ کر دیا ہوتا تو میں فرزانہ کے لئے بہن کے سامنے دست سوال کبھی نہ پھیلاتا۔"

شکیل دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

"میں پوچھتا ہوں جب تم نے اپنی زندگی کے لئے کسی دوسری لڑکی کا انتخاب کر لیا تھا تو پھر مجھے اندھیرے میں رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں ڈیڈی!" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔

"اب کیا حاصل؟" مرزا عقیل ہاتھ مل کر بولے۔ "احساسِ ندامت سے اب کیا فائدہ جبکہ تم نے میرے چہرے پر کالک تھوپ دی ہے۔ صدیق اب کسی قیمت پر میری ایک نہ سنے گا۔ شبانہ نے پہلے ہی دبی زبان میں انکار کر دیا ہے۔"

شکیل نے کوئی جواب نہ دیا۔

"غلطی میری ہی تھی جو میں تمہارے لکھنے پر یہاں تک دوڑا چلا آیا لیکن اب میں یہاں ایک دن بھی نہیں رہ سکتا۔ آج شام کی گاڑی سے واپس چلا جاؤں گا۔" مرزا عقیل نے بیٹے کی خاموشی پر جھلاتے ہوئے کہا۔ "رہا تمہارا مسئلہ تو اب تم خود مختار ہو جہاں چاہو رہو۔ جو مرضی آئے کرتے پھرو لیکن اس گھر کی چہار دیواری میں اب تمہارے لئے بھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔"

"کیا پھوپھی جان نے کہا ہے؟" شکیل نے دبی زبان میں پوچھا۔

"نہیں، شبانہ نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔ وہ بیچاری تو اپنی جگہ خود شرمندہ ہے کہ اس نے صدیق کے سامنے ان باتوں کا تذکرہ کیوں کیا۔ میری وجہ سے اسے بھی

Uploaded By Nadeem
ندیم

خفت اٹھانی پڑ رہی ہے اور یہ سب کچھ ایک تمہاری ذات کی وجہ سے ہوا ہے۔ ایسی صورت میں یہی مناسب ہے کہ اس سے پہلے کہ تم کو صاف صاف لفظوں میں گھر سے نکالا جائے خود ہی کہیں چلے جاؤ تو بہتر ہے ورنہ رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔"

"بہتر ہے۔" شکیل کے خون کی گردش میں بھی تیزی آ گئی۔ "میں ایک دو روز میں اپنا کوئی دوسرا بندوبست کر لوں گا۔"

"ایک دو روز کی کیا ضرورت ہے' آج ہی کیوں نہیں چلے جاتے؟" مرزا عقیل شکیل کے جواب پر چراغ پا ہو گئے۔ "بلکہ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ زہر کھا کر سو رہو تاکہ آئندہ مجھے تمہاری وجہ سے کوئی دوسری شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔"

"ڈیڈی!" شکیل نے نظر اٹھا کر باپ کو دیکھا کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن باپ کی گرجدار آواز سن کر سہم گیا۔

"خاموش گستاخ' اس وقت یہاں تمہاری ماں نہیں ہے جو تمہاری بے جا حمایت لے سکے۔ مارے بیتوں کے چمڑی ادھیڑ ڈالوں گا۔ نابنجار' ننگ خاندان' بے ادب۔" مرزا عقیل غصے سے لرز اٹھے۔ "میں خود شبانہ اور صدیق سے کہہ دوں گا کہ وہ تم کو جوتے مار کر اپنی دہلیز پر سے دور کر دیں تاکہ تم کو بھی کچھ شرم آئے۔ مجھے اگر علم ہوتا کہ ماں کے لاڈ پیار نے تمہیں اس درجہ بدتمیز بنا دیا ہے کہ تم باپ سے بھی زبان درازی کی جرأت کرو گے تو میں پیدا ہوتے ہی تمہارا گلا دبا دیتا۔ نامعقول' بیہودہ' بدتمیز۔"

شکیل کا خون کھول اٹھا لیکن حالات کے پیش نظر اس نے مہر بلب رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔ اسے اس وقت اپنی ماں کی غیر موجودگی کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ اگر اس وقت یہاں اس کی ماں موجود ہوتی تو مرزا عقیل دم بھی نہیں مار سکتے تھے۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آ رہا تھا۔ جب بھی مرزا عقیل کسی بات پر اولاد کو تنبیہہ کرنا چاہتے ماں کا لاڈ پیار آڑے آ جاتا اور وہ اندر ہی اندر جھلس کر رہ جاتے۔ ماں کے اسی بے جا لاڈ پیار نے شکیل کو خود سر اور آزاد بنا دیا۔

مرزا عقیل اپنی اکلوتی اولاد کی بربادی دیکھتے اور دل مسوس کر رہ جاتے۔ بیوی کے سامنے چونکہ روز اول ہی سے دبو بن چکے تھے اس لئے کبھی زبان کھولنے کی ہمت نہ کر سکے۔ شکیل نے لشتم پشتم کسی نہ کسی طرح ایف اے کر لیا اور اس کے بعد جب بیوی نے

اسے آگے پڑھانے کی ضد کی تو مرزا عقیل نے خوشی خوشی اسے شبانہ بیگم کے پاس بھیج دیا۔ انہیں یقین تھا کہ شکیل پھوپھی اور پھوپھا کے پاس رہ کر بدل جائے گا۔ بعد میں جب شکیل نے دبی زبان میں ماں کو فرزانہ کے بارے میں لکھا تو مرزا عقیل بخوشی یہ رشتہ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ بیوی کے اصرار پر ہی وہ شبانہ بیگم سے رشتے کی بات پکی کرنے آئے تھے۔ فرزانہ کو دیکھا تو انہیں شکیل کا مستقبل روشن نظر آنے لگا۔ فرزانہ ہر لحاظ سے مرزا عقیل کے معیار پر پوری اتری تھی۔ صورت اور سیرت کے علاوہ وہ سلیقہ شعار اور سنجیدہ بھی تھی۔ مرزا عقیل کا خیال تھا کہ وہ شکیل کے لئے ایک بہترین رفیقہ حیات ثابت ہو گی اور یہی سب کچھ سوچ کر انہوں نے ہر قیمت پر فرزانہ کو بہو بنانے کا ارادہ کر لیا لیکن شکیل کے خطوط کے منظر عام پر آتے ہی ان کے تمام خیالات ملیامیٹ ہو گئے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ شکیل کا مستقبل انہیں پھر تاریک نظر آنے لگا اور اسی احساس نے آج انہیں اپنے آپ سے باہر کر دیا تھا اور وہ اس پر بری طرح برہم ہو گئے۔

کمرے میں موت کی سی خاموشی مسلط تھی۔ ایک طرف شکیل گم صم خاموش کھڑا اپنے آئندہ اقدام کے بارے میں سوچ رہا تھا اور دوسری طرف مرزا عقیل اپنی ناکامی کے احساس پر غصے میں کھڑے کف افسوس مل رہے تھے۔ مگر یہ خاموشی زیادہ طویل نہ ثابت ہوئی بیٹے کی خاموشی اور اس کے چہرے پر جھلکنے والی گستاخی دیکھ کر انہیں مزید جلال آ گیا۔

"اب یہاں کھڑے سوچ کیا رہے ہو۔ دفع ہو جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے اور آئندہ کبھی مجھے اپنی یہ منحوس صورت دکھانے کی کوشش مت کرنا۔" مرزا عقیل روانی میں کہتے چلے گئے۔ "میں سمجھوں گا کہ میرے یہاں کوئی اولاد سرے سے ہوئی ہی نہیں تھی اور اگر ہوئی بھی تھی تو مر گئی۔ روز روز کے رونے سے ایک بار کے رو لینے کو میں زیادہ مناسب سمجھوں گا۔"

شکیل جوان تھا۔ اس کی رگوں میں بھی گرم گرم خون گردش کر رہا تھا۔ باپ کی سخت سست سن کر وہ تھوڑی دیر چپ رہا پھر جھلا کر پلٹا اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ باپ کی جھلاہٹ اور حالات کی ستم ظریفی نے اس کے دماغ کو ماؤف کر دیا۔ اسے رہ رہ کر برجیس پر تاؤ آ رہا تھا جس نے بروقت اس کی راہ میں ایک ناقابل عبور رکاوٹ کھڑی کر دی تھی۔ فرزانہ کا وہ تھپڑ بھی اب اس کے ضمیر کو کچوکے لگا رہا تھا جس وہ مصلحتاً

Uploaded By Nadeem ندیم

برداشت کر گیا تھا اور انہی خیالات کے ہجوم سے دوچار جب وہ گھر سے باہر نکلا تو اس کا خون بڑی شدت سے گردش کر رہا تھا لیکن چہرہ بجھا بجھا سا نظر آ رہا تھا۔ کامیابی کی سرحدوں کے قریب پہنچ کر ناکامی کے اچانک لگنے والے جھٹکے نے اسے گنگ سا کر دیا۔

اپنے خیالات میں غرق وہ سیدھا زاہد کے ہاں پہنچا۔ زاہد نے جو شکیل کو اس طرح کھویا کھویا پایا تو وہ بھانپ گیا کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ پھر اس کے استفسار پر جب شکیل نے اسے تمام باتوں سے آگاہ کیا تو زاہد بھی سنجیدہ ہو گیا۔ فرزانہ کی طرف سے اس کے دل میں بھی کینہ اور بغض کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ ندیم کے سلسلے میں وہ ایک بار زاہد کی بے عزتی بھی اس کے دوستوں کی موجودگی میں کر چکی تھی اور اسی احساس نے زاہد کو بھی بغاوت پر آمادہ کر دیا لیکن ابھی تک وہ اپنی بے عزتی کا کوئی انتقام نہ لے سکا تھا۔

شکیل کی زبانی جب اسے نئے حالات کا علم ہوا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر تک اپنے ذہن پر مختلف اسکیموں کو ترتیب دیتا رہا پھر دبی زبان میں بولا۔

"اب کیا خیال ہے تمہارا' میرا مطلب ہے کہ کیا تم حالات کے سامنے ہتھیار ڈال دو گے؟"

"یہ سب کچھ برجیس کی چالاکی اور شرارت سے ہوا ہے۔ میں اس سے اپنی ناکامی کا بڑا سنگین بدلہ لوں گا۔" شکیل نے غصے سے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ اس طرح اچانک میرے راستے میں نہ آ جاتی تو میں جیتی ہوئی بازی یوں خاموشی سے کبھی نہ ہار جاتا۔"

"برجیس نے واقعی بڑی کمینگی کا ثبوت دیا ہے لیکن فی الحال میں تم کو اس بات کا مشورہ نہیں دوں گا کہ تم اس کے خلاف کوئی خطرناک قدم اٹھاؤ۔"

"کیا تمہارا مشورہ یہ ہے کہ میں چپ چاپ اپنی بے عزتی برداشت کر لوں۔"

"نہیں۔" زاہد نے جلدی سے کہا۔ "مگر میں چونکہ تمہارا ہمدرد ہوں اس لئے کوئی غلط رائے نہیں دے سکتا۔ فی الحال تم کو برجیس سے زیادہ فرزانہ کے متعلق سوچنا چاہئے۔"

"اب بے سود ہے۔ وہ کسی قیمت پر بھی رضامند نہ ہو گی۔"

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟ ہو سکتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

"ناممکن ہے۔" شکیل بولا پھر اس نے فرزانہ کے تھپڑ مارنے والا قصہ بھی دہرایا۔

زاہد کے دل میں فرزانہ کے خلاف نفرت اور انتقامی جذبے کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ شکیل کے بیان کردہ واقعے نے اسے اور بھی ہوا دے ڈالی۔

"ایسی صورت میں تو تمہیں سب سے پہلے فرزانہ کا غرور توڑنا چاہئے۔" زاہد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "برجیس کے مسئلے پر الجھ کر وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ؟"

"میں اسی کو تمام جھگڑوں کی بنیاد سمجھتا ہوں۔ اگر وہ ان خطوط کو سامنے نہ لاتی تو فرزانہ کے والد بھی انکار کی جرأت نہ کر سکتے۔"

"غلط سوچ رہے ہو مائی ڈیئر!" زاہد معنی خیز انداز میں بولا۔ "ان تمام جھگڑوں کی اصل بنیاد کوئی اور ہی ہے جسے تم فراموش کر رہے ہو۔"

"کون؟"

"ندیم۔" زاہد نے جلدی سے کہا۔ "اگر اس نے تمہاری فرزانہ بیگم کو محبت کے سبز باغ نہ دکھائے ہوتے تو وہ سو فیصدی تمہارے حق میں فیصلہ دیتی۔ رہا برجیس کا معاملہ تو میں یہی کہوں گا کہ اس نے فرزانہ کی سہیلی ہونے کی حیثیت سے محض دوستی کا حق ادا کیا ہے۔ تم بھی اگر اس کی جگہ ہوتے تو یہی کرتے۔"

شکیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ندیم کے بارے میں سوچنے لگا۔ زاہد نے جو شکیل کو خاموش دیکھا تو دل ہی دل میں مسکرایا۔ اسے اپنی اسکیم کی کامیابی کی اب پوری پوری توقع تھی چنانچہ لوہے کو گرم دیکھ کر اس نے دوسرا وار کیا۔

"تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لو کہ برجیس ہی بنائے مخاصمت ہے۔ تم اس کے خلاف کوئی سنگین اقدام اٹھانے میں کامیاب بھی ہو سکتے ہو لیکن اس کا انجام کیا ہو گا؟ برجیس کی موت اور تمہاری گرفتاری لیکن اس طرح تو فرزانہ اور ندیم کا راستہ اور بھی صاف ہو جائے گا۔ تمہاری محنت میرے خیال میں رائیگاں ہی جائے گی۔ باپ کی شفقتوں سے پہلے ہی محروم ہو چکے ہو۔ سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل رہنا چاہتے ہو تو ندیم کو راستے سے ہٹانے کی فکر کرو ورنہ تم جیل میں ہو گے اور تمہاری فرزانہ بیگم ندیم کو داد عیش دے رہی ہوں گی۔"

"مگر ندیم سے میری براہ راست کوئی دشمنی نہیں ہے۔" شکیل نے الجھتے ہوئے

Uploaded By Nadeem

انداز میں جواب دیا۔

"نہ سہی لیکن تمہاری حماقت اس کے لئے کامیابی کا سبب ضرور بن جائے گی۔" زاہد نے دوسرا رخ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ٹھنڈے دماغ سے سوچو کہ تم برجیس کے خلاف کوئی اقدام کیوں کرنا چاہتے ہو۔ محض فرزانہ کی وجہ سے۔ باپ کی برہمی کا سبب کیا تھا۔ صرف فرزانہ۔ دوست احباب کے حلقوں میں اگر تھوتھو ہو گی تو کس کی وجہ سے فرزانہ کی وجہ سے۔ پھر تم یہ بھی سمجھتے ہو کہ فرزانہ نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔ ندیم کی خاطر۔ وہ تھپڑ جو اس نے تمہارے منہ پر مارا تھا اس کی پشت پر بھی ندیم کی محبت ہی کارفرما تھی اور ان تمام باتوں کے باوجود اگر تم اس شخصیت کو نظرانداز کرنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔ بلکہ ایسی صورت میں تو میرا مشورہ یہ ہو گا کہ تم خود ہی فرزانہ اور ندیم کو ملا دو اور اس کے بعد خودکشی کرلو۔ دوسری صورت میں کوئی فرار کی راہ نہیں رہتی۔"

"پھر، تمہارا کیا مشورہ ہے؟"

"بھئی میری ناقص رائے تو یہی ہے کہ جب فرزانہ کی وجہ سے تم تمام زندگی تڑپنے کے لئے مجبور ہو تو کوئی ایسی ہی صورت نکالو کہ فرزانہ بھی تمام عمر پچھتاتی رہے۔" زاہد نے اپنی مکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑی سادگی سے کہا۔ "ماشاء اللہ تم خود بھی پڑھے لکھے اور سمجھدار ہو۔ بچے تو نہیں ہو جو تمہیں انگلی تھام کر راستہ دکھایا جائے۔ ویسے ایک صورت اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" شکیل نے وضاحتی انداز میں زاہد کو گھورا۔

"انتہائی بہادری کے ساتھ اپنی ہار تسلیم کرلو اور چپ چاپ کہیں اور چلے جاؤ تاکہ دوست یار تمہاری بزدلی کا مذاق نہ اڑا سکیں۔"

"تم مجھے بزدلی کا طعنہ دینا چاہتے ہو۔" شکیل پہلے ہی حالات سے دل برداشتہ تھا۔ زاہد کے نفسیاتی طریقہ کار نے اسے مزید جھنجھلا دیا۔

"طعنہ نہیں، تصویر کا دوسرا رخ ظاہر کر رہا ہوں۔" زاہد کے ہونٹوں پر مضحکہ اڑانے والی مسکراہٹ پیدا ہو گئی۔ "صرف یہی دو صورتیں ہیں۔ اب تمہاری مرضی پر منحصر ہے جو راہ چاہے اختیار کرلو۔"

شکیل کے ذہن میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ اس کے خون کی حدت ہر لمحہ

تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ خاموش بیٹھا ہونٹ چباتا رہا پھر اچانک کسی فوری خیال سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا۔ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں آپ ہی آپ بند ہوتی چلی گئیں۔ آنکھوں میں خون کے ڈورے تیرنے لگے۔

اس کی کیفیت اس وقت کسی ایسے ہارے ہوئے جواری سے مختلف نہیں تھی جو ہاری ہوئی بازی جیتنے کے لئے اپنی زندگی کو بھی داؤ پر لگا دینے سے پرہیز نہیں کرتے لیکن نتیجے سے بے پرواہ اور انجام سے بے خبر ہو کر۔

زاہد شکیل کے چہرے پر ابھرتے ہوئے تاثرات کو دیکھ کر دل ہی دل میں اپنی فاتحانہ چال پر مسکرا رہا تھا۔

☆======☆======☆

فرزانہ کو جب مرزا عقیل اور شکیل کے چلے جانے کا علم ہوا تو اسے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے کوئی وزنی بوجھ اتر گیا ہو۔ اسے قلبی سکون سا میسر آ گیا۔ اس نے سوچا اب اس کے اور ندیم کے راستے میں کوئی دیوار حائل نہ ہو سکے گی۔ صدیق علی خان کی طرف سے اسے پہلے ہی امید تھی کہ وہ اس کے حق میں فیصلہ دیں گے اور اب اسے ماں کی طرف سے بھی امید ہو گئی تھی۔ شکیل کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد اب ان کا فیصلہ بھی ندیم ہی کے حق میں نکلنا لازمی تھا۔

فرزانہ مسرت کے احساس سے جھوم اٹھی۔

ملازمہ کے جانے کے بعد اس نے اطمینان کا ایک طویل سانس لیا جیسے گھٹن کا وہ احساس چانک ختم ہو گیا ہو جسے وہ بہت دنوں سے محسوس کر رہی تھی۔ مسرت و شادمانی کے جذبے سے سرشار وہ جھومتی ہوئی مسہری پر لیٹ گئی۔ اس کی نگاہوں میں اب مستقبل کی خوشیاں جھلک رہی تھیں۔

مستقبل۔

جس سے وہ ناامید ہو چکی تھی۔

اب اسے تابناک نظر آ رہا تھا۔

اس کے جسم کا رواں رواں خوشی سے جھوم رہا تھا۔ خیالات کے دوش پر وہ آنے والے مستقبل کے حسین لمحات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

حسین لمحات!

جس میں چاروں طرف خوشیاں ہی خوشیاں بکھری نظر آ رہی تھیں۔

مستقبل کی حسین وادیاں۔

جس میں وہ ندیم کو مسکراتا دیکھ رہی تھی۔

اور ندیم کے ساتھ ہی اسے اپنا خیالی ہیولہ بھی خوشی سے جھومتا نظر آ رہا تھا۔

"کتنے کیف آگیں ہوں گے وہ لمحات جب وہ اور ندیم ایک ہو جائیں گے۔" فرزانہ نے سوچا اور پھر نہ جانے کیا سوچ کر وہ آپ ہی آپ شرما گئی۔

دراز اور حیا بار پلکیں اس کی نشیلی آنکھوں پر جھکتی چلی گئیں۔ اس نے ایک توبہ شکن انگڑائی لی پھر کروٹ بدل لی لیکن.....

اس کروٹ کے ساتھ ہی اس کا دل تیزی سے دھڑک اٹھا۔ دل کی اس اچانک دھڑکن پر وہ مضطرب ہو گئی اور پھر اسے ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے وہ روشنی کے بجائے اندھیروں میں ڈوب گئی ہو۔

اندھیرا۔

گھپ اور بھیانک اندھیرا۔

جس نے اچانک ابھر کر روشنی کے احساس کو دھندلا دیا تھا۔

فرزانہ نے بے چین ہو کر دوسری کروٹ بدلی لیکن اس کا دل اب بھی نہ جانے کیوں دھڑک رہا تھا اندھیرے کا احساس اس کے ذہن پر چھاتا جا رہا تھا۔

اور پھر اسے ایسا ہی محسوس ہوا جیسے اس کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔ جیسے اس کی خواہشات اور اس کے ارمان دل کے اندر ہی گھٹ گھٹ کر فنا ہو جائیں گے۔ جیسے اسے زندگی میں کبھی سکون میسر نہ آئے گا۔

جیسے وہ اب تک محض سراب کا پیچھا کرتی رہی ہو۔ جیسے خوشیاں اس سے اچانک روٹھ جانے والی ہوں اور پھر اچانک اسے یوں لگا جیسے کوئی انہونی بات ہونے والی ہے۔

لیکن وہ بات کیا تھی!

کیا تقدیر کو اس کی خوشیاں منظور نہیں ہیں؟

کیا منزل پر پہنچ کر بھی وہ ناکامیوں کا شکار ہو جائے گی؟

روشنی کے فوراً ہی بعد اندھیرے کا تصور کیوں ابھر آیا؟

آخر کیوں؟

فرزانہ اس تبدیلی پر سہم گئی۔ اس نے سوچا۔ آخر وہ کون سی بات ہو سکتی ہے جس کے احساس سے وہ اس قدر سراسیمہ ہو گئی ہے۔ اس کا دل کیوں یوں اچانک دھڑک اٹھا؟ وہ کون سا جذبہ ہو سکتا ہے جس نے اس کی خوشیوں کو اس قدر اچانک اپنی گرفت میں جکڑ لیا کہ وہ تلملا اٹھی۔ روشنی کے اس پار سے تاریکی کے سیاہ بادل کیوں نمودار ہو گئے؟ آخر کیوں؟

خاصی دیر تک اس کے ذہن میں اس اچانک بے چینی کی کوئی وجہ نہ آ سکی اور پھر وہ اسے اپنا واہمہ سمجھ کر مطمئن ہو گئی اور اسی کشمکش میں نہ جانے کب نیند کے خمار آلود جھونکوں نے اسے تھپک تھپک کر سلا دیا۔

دوسری صبح جب وہ سو کر اٹھی تو رات کے خیالات کا دھندلا دھندلا سا اثر اس کے ذہن پر باقی تھا لیکن گھر کے کاموں میں الجھ کر وہ سب کچھ بھول گئی۔ اسے بڑی شدت سے دن ڈھلنے کا انتظار تھا وہ شام ہونے کی منتظر تھی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ وہ شام اس کی زندگی کی سب سے حسین شام ثابت ہو گی۔ جب وہ ندیم کو بتائے گی کہ اس کے راستہ کا آخری کانٹا بھی نکل گیا ہے تو وہ خوشی سے جھوم اٹھے گا۔ اس کی روح گنگنا اٹھے گی۔ وہ اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ کر مسکرائے گا اور پھر ..... پھر کیا ہو گا اس کے احساس ہی سے وہ شرما کر رہ گئی۔

تمام دن وہ انہی خیالات میں نہ جانے کیا کیا سوچتی رہی اور جب شام ہوئی تو اس نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور ندیم سے ملنے کے لئے چلی گئی۔ راستہ جیسے جیسے گھٹتا گیا ویسے ویسے اس کے جذبات میں ابال آتا گیا۔ وہ چاہتی تھی کہ یہ فاصلہ جلد از جلد ختم ہو جائے تاکہ ندیم کو وہ خوشخبری سنا سکے جسے سنانے کے لئے وہ بری طرح بے چین تھی۔

ندیم کے بنگلے پر پہنچ کر اس نے اپنی گاڑی روش پر روکی اور پھر نیچے اتر کر دبے قدموں آگے بڑھنے لگی۔ وہ ندیم کو اچانک اس خوشخبری کی اطلاع دینے کی متمنی تھی۔ اس قدر اچانک کہ ایک لمحہ کے لئے ندیم پر سکتہ طاری ہو جائے اور پھر وہ بے اختیار خوشی کے احساس سے جھوم جھوم اٹھے ..... اور ..... اور.....

Uploaded By Nadeem
ندیم

اور جب وہ ندیم کے کمرے میں دھڑکتے ہوئے دل سے آہستہ آہستہ داخل ہوئی تو وہ کھڑکی کے قریب کھڑا آسمان کی دور پار خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فرزانہ دبے دبے قدموں سے اس کی پشت پر جا کر تھم گئی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی سے کھڑی مسکراتی رہی پھر اس کی مترنم آواز کمرے کی سوگوار خاموشی میں گونج اٹھی۔

"ندیم!"

اور ندیم فرزانہ کی آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے تیزی سے پلٹ کر فرزانہ کو مسکراتے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر بھی تبسم کی ایک لہر ابھر آئی۔

"کل کہاں تھیں تم؟" اس کے لہجے میں شکایت تھی۔

"کل میں جان بوجھ کر نہیں آئی تھی۔"

"کیوں؟"

"میری مرضی' تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے؟" فرزانہ نے سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ خوشی کے اس احساس کو نہ چھپا سکی جو اس کے رگ و ریشے سے پھوٹا پڑ رہا تھا۔

"کوئی خاص بات معلوم ہوتی ہے۔" ندیم اس کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق کی سرخی کو دیکھ کر بولا۔ "چشم بددور ..... بہت خوش نظر آ رہی ہو؟"

"ہوں ..... لیکن تم بتاؤ کہ میری اس خوشی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟" فرزانہ نے بچوں جیسی سادگی اور معصومیت سے پوچھا۔

"میں بھلا تمہارے دل کا حال کیا بتا سکتا ہوں۔" ندیم نے شانے جھٹک کر کہا۔

"کیوں ..... کیوں نہیں بتا سکتے؟" فرزانہ تیزی سے بولی پھر وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی لیکن نہ جانے کیوں کہنے والی بات زبان تک لانے سے پہلے ہی وہ لجا کر رہ گئی۔

ندیم اسے والہانہ انداز میں دیکھتا رہا۔

"میں آج تمہیں ایک بڑی اچھی خبر سنانے آئی ہوں۔" فرزانہ نے جلدی سے اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا۔

"اور میں اس خوشخبری کو سننے کے لئے کب سے بے چین ہوں۔" ندیم آہستگی سے بولا۔

"غلط سمجھ رہے ہو تم۔" فرزانہ نے شوخی سے جواب دیا۔ "میں اس وقت تم کو شکیل کے بارے میں کچھ بتانے آئی تھی۔"

"شکیل کے بارے میں!" ندیم بجھ سا گیا۔ شکیل کا نام سن کر اس کے دل کو ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔

فرزانہ نے جو ندیم کو یوں مغموم ہوتے دیکھا تو بے اختیار ہنس دی پھر اس نے ایک ہی سانس میں اسے تمام کہانی سنا ڈالی اور خوشی خوشی بولی۔

"ہمارے راستے کا کانٹا خود بخود نکل گیا۔"

"تو یہ بات تھی جو تم پھولی نہیں سما رہی تھیں۔" ندیم نے دبی دبی مسکراہٹ سے کہا۔ "پھر' اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟"

"کیسا پروگرام؟"

"یہی کہ کیوں نہ میں اب ساگر انکل کو اپنا پیغام لے کر تمہارے ڈیڈی کے پاس بھیجوں۔"

"اتنی بے صبری کیوں ہو رہی ہے؟" فرزانہ بولی۔ "امتحان کا نتیجہ آ لینے دو پھر دیکھا جائے گا۔"

"نتیجہ آنے میں تو ابھی ایک ماہ باقی ہے اور میں اب اتنے دنوں صبر نہیں کر سکتا۔" ندیم نے شوخی سے کہا۔ "اور پھر یہ بات جتنی جلدی طے ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے۔ کون جانے کل کوئی دوسرا شکیل پیدا ہو جائے اور میں تمہیں پا لینے کے خواب ہی دیکھتا رہا جاؤں۔"

"فرق کیا پڑے گا؟ تم اپنے لئے کوئی نئی فرزانہ تلاش کر لینا۔"

"ایک ہی نے اب تک کیا سکھ پہنچایا ہے جو دوسری تلاش کرنے کی تمنا کروں گا۔" ندیم نے فرزانہ کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"اچھا ہوا جو قبل از وقت ہی آنکھ کھل گئی ورنہ یہ پچھتاوا تمہیں زندگی بھر رہتا۔" فرزانہ بناوٹی سنجیدگی سے بولی۔

Uploaded By Nadeem
ندیم

"کس بات کا پچھتاوا؟"

"یہی کہ میں تمہیں کوئی سکھ نہ دے سکی۔"

"یہ پچھتاوا تو اب میری زندگی کی ایک حسین حقیقت بن گیا ہے۔" ندیم نے فرزانہ کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پیار سے کہا اور فرزانہ ان آنکھوں کی تاب نہ لا کر گڑبڑا سی گئی۔

"ساگر انکل کہاں ہیں؟" اس نے جلدی سے بات پلٹنی چاہی۔

"یہی معصومانہ ادائیں تو ہیں جنہوں نے میرے ہوش و حواس کو چھین لیا ہے۔" ندیم فرزانہ کے قریب آتا ہوا بولا۔ "اور اب تو نہ جانے کیوں یہ انداز میری عقل و خرد کو بھی لوٹ چکے ہیں۔"

"ماشاء اللہ! آپ تو اچھے خاصے شعر بھی کہنے لگے۔"

"فری! ایک بات کہوں؟"

"فرمایئے۔"

"اگر تمہاری محبت کا یہی عالم رہا تو مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کسی دن کہیں بہک نہ جاؤں۔"

"بہت گستاخ ہوتے جا رہے ہیں آپ۔" فرزانہ شرما کر بولی۔

"غلطی میری نہیں بلکہ تمہاری ہے جو تم نے مجھے اتنا گستاخ بنا ڈالا ہے۔" ندیم جذباتی لہجہ میں بولا۔

"اور آج تو تم چشم بددور ہمیشہ سے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔"

"میری نرمی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں شاید۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"کیا کروں؟ دل پر اختیار جو نہیں رہا۔"

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی پی لیجئے۔ فائدہ مند ثابت ہو گا۔" فرزانہ نے شوخی اور شرم کے ملے جلے جذبات سے ندیم کو دیکھا۔

"پیاس یوں ختم نہیں ہو گی۔" ندیم نے آہستہ سے کہا اور پھر.....

پھر کمرے میں شکیل کی آواز سن کر وہ دونوں ہی چونکے تھے۔ دونوں کی نظریں بیک وقت دروازے کی سمت اٹھیں جہاں شکیل سینہ تانے کھڑا انہیں حقارت بھری نظروں سے

گھور رہا تھا۔ فرزانہ نے اس کی آنکھوں میں انتقام کی چنگاریاں سلگتی دیکھیں اور سہم کر رہ گئی۔ ندیم مبہوت سا ہو گیا۔

"آج میں بھی اپنی پیاس بجھانے کی غرض سے اس دہلیز تک آ گیا ہوں۔" شکیل نے گرجدار آواز میں ندیم کو مخاطب کیا۔ "تم جس کانٹے کے نکل جانے کا خواب دیکھ رہے ہو وہ اتنی آسانی سے نہیں نکل سکتا۔ اس کی چبھن تمہارے سینے میں ہمیشہ ایک ناسور بن کر کھٹکتی رہے گی۔"

"شکیل!" ندیم نے اپنے ہوش و حواس کو یکجا کرتے ہوئے کہا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟"

"ناکامیوں نے بزدلی کے اس احساس کو مٹا ڈالا ہے جس نے آج تک میرے قدموں کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا تھا لیکن آج ..... آج میں ان تمام حدود کو پھلانگ کر یہاں تک آ گیا ہوں۔ اپنی ناکامی کا انتقام لینے کی غرض سے۔ اس پیاس کو بجھانے کے لئے جو تمہاری ذات کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔"

"تم شاید اپنے ہوش میں نہیں ہو؟" ندیم کا خون کھول اٹھا۔ "عافیت اسی میں ہے کہ خاموشی سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہو گا۔"

"اگر مجھے اچھائی کی ایک موہوم سی امید بھی ہوتی تو یہاں تک کبھی نہ آتا۔" شکیل کے چہرے پر خون کا دباؤ بڑھنے لگا۔ "اب جب میں یہاں تک آ گیا ہوں تو اپنی پیاس بجھائے بغیر واپس نہیں جا سکتا..... میں تم کو اپنی مایوسیوں کی بنیاد پر محبت کے تاج محل نہیں بنانے دوں گا۔ تمہارے خواب میری زندگی میں شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ وہ آگ جو میرے سینے میں بھڑک اٹھی ہے اس کے شعلوں سے تم بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔" شکیل خطرناک آواز میں بولا۔ پھر اس نے جیب سے ایک پستول نکال کر اس کا رخ ندیم کی سمت کرتے ہوئے کہا۔ "میرے جیتے جی تم فرزانہ کو کبھی نہ پا سکو گے۔"

شکیل! کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" فرزانہ دھڑکتے ہوئے دل سے بولی۔ شکیل کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر اس کی روح تک کانپ اٹھی تھی۔

Uploaded By Nadeem

"آپ کیوں خائف ہیں محترمہ فرزانہ صاحبہ!" شکیل کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔ "میں آپ کو ختم نہیں کروں گا۔ آپ اگر ختم ہو گئیں تو ندیم کی جدائی میں تڑپنے والا کون رہے گا۔ میں بھی اسی انداز میں آپ کے تڑپنے کا تماشہ دیکھنے کا خواہشمند ہوں جس انداز میں آپ نے ایک بار میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا اور میں تڑپ اٹھا تھا۔ میری روح لرز اٹھی تھی۔ میری خواہشات نے سسک سسک کر دم توڑ دیا تھا۔"

"بکو مت۔" فرزانہ چیخ اٹھی۔ "تم اس حد تک کمینگی پر اتر آؤ گے یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ جس طرز عمل کو تم محبت کی ناکامیوں کا ازالہ سمجھ رہے ہو میں اسے تمہاری ذہنیت کی غلاظت سے تعبیر دوں گی۔ تم انسان نہیں درندے ہو۔"

"بہت خوب' اپنے محبوب کی جدائی کے تصور ہی نے جب تم کو اس قدر بے چین کر دیا ہے تو اس کی موت کے بعد تو تم یقیناً کانٹوں پر لوٹو گی۔ یہی تو میری عین خواہش ہے کہ تم بھی تمام زندگی میری طرح بے چین رہو ..... سکون اور قرار کے ایک ایک لمحے کو ترسو ..... ہاہاہا....." شکیل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا پھر یکلخت وہ سنجیدہ ہو کر ندیم کو قاتلانہ انداز میں گھورنے لگا۔

فرزانہ کا دل سینے سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ آنے والے لمحات کے تصور ہی سے اس کے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا۔ اسے اپنی نگاہوں کے سامنے اندھیرے کے بادل پھیلتے نظر آنے لگے۔

شکیل خطرناک انداز میں ندیم کو گھورتا رہا پھر زہریلے لہجے میں بولا۔

"اب تیار ہو جاؤ مائی ڈیئر ندیم! تمہاری زندگی کے وہ حسین لمحات اب ختم ہونے والے ہیں جنہوں نے تم کو انجام سے بے خبر کر رکھا تھا۔ میری طرح تم بھی فرزانہ کو پا لینے کی حسرت دل میں لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مہر بلب ہو جاؤ گے۔"

ندیم گنگ سا کھڑا قسمت کا پانسہ پلٹنے کا منتظر تھا۔ موت اور زندگی کا نازک رشتہ بس کسی دم کا مہمان تھا۔

شکیل نے پستول کا رخ بدستور ندیم کی سمت کیا ہوا تھا۔ اس کی انگلی کی محض ایک جنبش ندیم کی تقدیر کا فیصلہ کر سکتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دبی ہوئی چنگاریاں اب شعلہ کا روپ اختیار کر چکی تھیں۔ انتقامی جذبے سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ماحول پر بڑی

دردناک اور ویران سی خاموشی طاری تھی۔ ایک ایک لمحہ موت اور زندگی کے فاصلے کو گھٹاتا جا رہا تھا۔ مگر قبل اس کے کہ شکیل اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہوتا ساگر دروزے کے عقب سے اچانک سامنے آیا اور شکیل کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول پر جھپٹا۔

حالات کی اس نئی کروٹ نے بس ایک لمحے کے لئے موت کے بھیانک کھیل کا رخ بدلا لیکن دوسرے ہی لمحے پستول کا دھماکہ ہوا۔ شکیل کے سر پر خون سوار تھا اس نے ساگر کی مداخلت پر اسی کو گولی کا نشانہ بنا دیا اور پھر اس سے پیشتر کہ ندیم کوئی مداخلت کرتا شکیل فرار ہو گیا۔

ساگر کے شانے خون سے لہولہان ہو گئے۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا پھر نڈھال نڈھال انداز میں فرش پر بیٹھ گیا۔

"ساگر انکل!....." فرزانہ تڑپ اٹھی۔ نہ جانے اسے کیوں ایسا محسوس ہوا تھا جیسے گولی ساگر کے نہیں بلکہ اس کے دل کے کسی گوشے پر لگی ہے۔ دوڑتی ہوئی وہ ساگر کے قریب آئی اور اسے سہارا دے کر اٹھانے کی سعی لاحاصل کرنے لگی۔

"فرزانہ میری بچی!" ساگر کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔ "آج مجھے میری منزل مل گئی ہے۔ آج میں نے اپنا وہ مقام حاصل کر لیا ہے جس کے لئے میری روح برسوں سے تڑپ رہی تھی ..... بے چین تھی ..... "انجام وفا" کے خاکوں میں آج حقیقت کا رنگ آ گیا....."

ندیم گنگ سا بیٹھا پھٹی پھٹی نگاہوں سے ساگر کو دیکھ رہا تھا پھر معاً اسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ جلدی سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ سب سے پہلے اس نے فرزانہ کے گھر فون کر کے شبانہ بیگم کو حالات سے آگاہ کیا پھر ڈاکٹر کو لینے کے لئے روانہ ہو گیا۔

دوسری طرف ساگر فرزانہ کے ہاتھوں کا سہارا لئے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ چہرے پر پھیلنے والی موت کی بھیانک سیاہی میں بھی زندگی کی مسکراہٹ تڑپ رہی تھی۔ جانے کیوں؟

"ساگر انکل! آپ کیوں سامنے آ گئے؟" فرزانہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"یہ ..... میرا فرض تھا میری بچی ..... میں ان سہاروں کو کھونا نہیں چاہتا تھا جو

Uploaded By Nadeem
ندیم

مجھے برسوں بھٹکنے کے بعد حاصل ہوئے ہیں۔"

"انکل! آپ کتنے عظیم ہیں؟"

"فرزانہ!" ساگر کے لہجے میں اس بار بلا کی حسرت تھی۔ "کیا تم میری زندگی کے ان آخری لمحات میں میری ایک چھوٹی سی خواہش کا احترام کرو گی؟"

"حکم دیجئے انکل!" فرزانہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"مجھے ..... مجھے ..... صرف ایک بار ..... باپ کہہ کر پکار لو۔" ساگر نے حسرت بھری نظروں سے فرزانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"انکل!" فرزانہ کا دل دھڑک اٹھا۔

"انکل نہیں میری بچی! ..... میری ننھی فرزانہ ..... میں ..... میں ..... میں تمہارا بدنصیب باپ ہوں۔"

فرزانہ اس حیرت انگیز انکشاف پر چونک پڑی۔ وضاحت طلب نظروں سے ساگر کو دیکھا جس کے چہرے پر موت کے سائے ہر لمحہ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"ہاں میری بچی ..... میں ہی تمہارا بدنصیب باپ ہوں۔" ساگر نے مغموم آواز میں کہا۔ "تمہاری ماں مجھ سے روٹھ کر چلی گئی تھی اور جاتے جاتے وہ تمہارے وجود کو بھی اپنے ساتھ لے گئی لیکن یہ راز ہم دونوں کے سوا کسی اور کو معلوم نہ تھا ..... اس کے بعد انہوں نے دوسری شادی کر لی اور میں تنہائیوں کا شکار ہو کر ویرانوں میں بھٹکتا رہا تھا لیکن ..... میں سائے کی طرح اپنے ارمانوں کا لاشہ کندھے پر اٹھائے ہمیشہ تم دونوں کے ساتھ ساتھ رہا ..... میں نے محض اس لئے اپنے چہرے کے نقوش بگاڑ لئے کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے ..... میں تمہاری ماں کی خوشیوں میں رکاوٹ نہیں بننا چاہتا تھا ..... مجھے صرف اس بات کی فکر تھی کہ تم کو اس راہ پر نہ چلنے دوں جس پر تمہاری ماں کے قدم جوانی کی لغزشوں اور وقت کی رنگینیوں نے موڑ دیئے تھے ..... مم ..... میرا نام ساگر محض اس لئے پڑ گیا کہ میں اس سیپل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتا تھا جسے قسمت نے زندگی ہی میں نامرادیوں کا کفن پہنا دیا تھا۔"

فرزانہ پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ وہ کسی بے جان مجسمے کی طرح ساکت و جامد بیٹھی حیرت بھری نظروں سے ساگر کو دیکھ رہی تھی۔ ساگر کے ہونٹوں سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ

اس کے سینے پر تیر و نشتر بن کر چبھ رہا تھا۔

ساگر اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان کہتا رہا۔

"مجھے فخر ہے کہ میرے خون نے تمہاری غلط رہنمائی نہیں کی اور پھر یہ بھی حالات کی ستم ظریفی تھی کہ "انجام وفا" کی نمائش نے مجھے تمہارے بہت قریب کر دیا لیکن ..... لیکن میں تمہارے قریب ہوتے ہوئے بھی کبھی تم کو بیٹی سمجھ کر اپنے سینے سے نہ لگا سکا ..... اپنے سینے میں خواہشات کے ایک ہجوم کو دفن کئے رہا اور آج ..... آج مجھے خوشی ہے کہ میری زندگی تمہارے کام آ گئی۔"

"ابا حضور!" فرزانہ نے یکلخت دھاڑ ماری اور ساگر کے خون سے تر کپڑوں سے لپٹ گئی۔ اس کے سینے میں سر چھپا کر بلکنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب امڈ پڑا۔

"فرزانہ ..... میری بچی!" ساگر نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس کا سر سہلایا۔ "خدا کے لئے ..... ان آنسوؤں کو روک لو ..... آج مجھے میری زندگی کی خوشیاں نصیب ہوئی ہیں ..... آج تو نہ رو میری بچی!"

اور ٹھیک اسی وقت جب فرزانہ ابا حضور کہہ کر ساگر کے سینے سے لگی تھی شبانہ بیگم حیران و پریشان اندر داخل ہوئیں لیکن موقع کی نزاکت دیکھ کر ششدر رہ گئیں۔ ساگر گلوگیر آواز میں فرزانہ سے کہہ رہا تھا۔

"فرزانہ وعدہ کرو ..... وعدہ کرو میری بچی کہ تم اس راز کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھو گی ..... تمہاری ماں کو ان باتوں کا علم نہیں ہونا چاہئے ..... میں اس کی خوشگوار زندگی پر اپنے وجود کا ایک معمولی سا سایہ بھی نہیں ڈالنا چاہتا ..... اور ..... تم کبھی ماں سے نفرت کا اظہار نہیں کرو گی۔ اس کی ممتا کو کبھی ٹھیس پہنچانے کی کوشش مت کرنا ورنہ میری وفاؤں پر دھبہ آ جائے گا ..... میری روح کبھی سکون نہ پا سکے گی۔"

"ابا حضور!" فرزانہ تڑپ اٹھی۔ "میں آپ کو مرنے نہیں دوں گی' آپ ہمیشہ زندہ رہیں گے ..... میرے لئے' اپنی فرزانہ کے لئے جسے ابھی آپ کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔"

Uploaded By Nadeem
ندیم

ساگر کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ اس نے فرزانہ کو دیکھا پھر رندھی ہوئی آواز میں بولا۔

"وقت بہت کم ہے فرزانہ بیٹی! ابھی مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں ..... لیکن پہلے وعدہ کرو کہ تم اپنی زبان بند رکھو گی۔ صدیق بے قصور ہے' اسے حالات کا علم نہیں ہے۔ تم بھی اس راز کو میری طرح ہمیشہ راز رکھنا۔"

"جی ..... اچھا۔" فرزانہ ہچکیوں کے درمیان بولی۔

"میں نے اپنی زندگی میں ہی تمہارے حق میں اپنی تمام جائداد کر دی ہے۔" ساگر کی آواز ڈوبتی جا رہی تھی۔ "وصیت نامہ تمہیں میرے سوٹ کیس میں مل جائے گا لیکن ..... وقت نے مجھے اس میں ترمیم کی مہلت نہیں دی ورنہ ..... ورنہ میں ندیم کو کم از کم اس فرم کا مالک بنا دیتا جہاں وہ ملازم ہے ..... اب یہ حق تم اس کو دو گی ..... وہ ..... وہ میرے مرحوم بھائی اقبال کی آخری نشانی ہے ..... اقبال نے اپنی پسند کی شادی کر کے خود کو والد صاحب کی جائداد سے محروم کر لیا تھا ..... لیکن ..... ندیم کو یہ حق میں دینا چاہتا ہوں۔"

فرزانہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ قدرت کی اس ستم ظریفی پر اور غموں کی شدت سے اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ کتنے مضحکہ خیز تھے وہ لمحات جب تدبیر نے کچھ بچھڑے ہوئے عزیزوں کو ملا دیا تھا لیکن تقدیر ان کی جدائی پر آمادہ تھی۔

شبانہ بیگم دروازے پر کھڑی پھٹی پھٹی نگاہوں سے دم توڑتے ہوئے ساگر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظروں میں آج ایک بار پھر وہی سماں ابھر آیا جب اس نے سہیل کو زندگی کی طویل راہوں میں تنہا بھٹکتا چھوڑ کر اپنے دامن میں زمانے بھر کی رنگینیاں سمیٹنے کی کوشش کی تھی۔ سالہا سال تک وہ سہیل کے سائے سے بھی دور بھاگتی رہی۔ وہ سہیل کو اپنی خوشیوں کا دشمن سمجھتی رہی لیکن آج وہی سہیل اس کی خوشیوں کا محافظ بنا اس کے سامنے پڑا زندگی اور موت کی کشمکش میں آخری گھڑیاں گن رہا تھا۔ اس سہیل نے آج اپنے جگر گوشہ پر سے خود کو قربان کر کے اس کی کوکھ کو اجڑنے سے بچا لیا تھا۔ وہی سہیل جسے اس نے نفرت سے ٹھکرا دیا تھا جس کی خوشیوں کو روند ڈالا تھا آج بھی اس کی خوشیاں دیکھنے کا متمنی تھا۔

شبانہ کا دل تڑپ اٹھا' اس کی آنکھوں سے اشکِ ندامت بہہ کر رخساروں پر ڈھلک

گئے۔ اس کے دل کے کسی گوشہ سے ایک آواز ابھری۔

"سہیل! تم واقعی عظیم ہو ..... میں نے تم کو کتنا غلط سمجھا تھا؟"

دوسری طرف ساگر فرزانہ سے مخاطب تھا۔

"اپنے ان آنسوؤں کو پونچھ ڈالو ..... میری بچی ..... مسکراؤ ..... میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

فرزانہ باپ کی آخری خوشی کی خاطر جلدی سے اپنے آنسو پونچھے اور مسکرانے کی کوشش کرنے لگی پھر اچانک اس کی نظر دروازے پر کھڑی ہوئی شبانہ پر پڑی۔ اس کے معصوم دل میں نفرت کا سیلاب امڈ آیا لیکن قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی ساگر نے بھی شبانہ کو دیکھا اور اس کے بے جان ہونٹوں پر ایک حسرتناک تبسم نے ابھر کر دم توڑ دیا۔

شبانہ اندر ہی اندر مسوس کر رہ گئی پھر اسے ساگر کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو جانا پڑا۔ تھکے ہوئے انداز میں آگے بڑھی اور ساگر کے قریب بیٹھ کر مدھم آواز میں بولی۔

"سہیل! میں شرمندہ ہوں' مجھے معاف کر دیجئے۔"

"شبانہ!" ساگر کے ہونٹ کپکپا اٹھے۔ "ایسا مت کہو شبانہ ..... خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو زندگی کے آخری لمحات میں مجھ سے ملا دیا ..... ورنہ ..... میری روح ہمیشہ بے چین رہتی۔"

"خدارا مجھے معاف کر دیجئے' سہیل! ورنہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا رہے گا۔" شبانہ بیگم کی جھکی جھکی نظروں میں ندامت کا احساس آنسو بن کر چھلک اٹھا۔

"مم ..... میں نے تمہیں معاف کیا شبانہ! ..... خدا بھی تم کو معاف کرے۔" ساگر نے شبانہ کو ایسی نگاہوں سے دیکھا جس میں محبت بھی تھی اور حسرت بھی پھر نحیف آواز میں بولا۔ "شبانہ! میں تم سے ایک آخری خواہش کرنا چاہتا ہوں۔"

"حکم دیجئے سہیل!" شبانہ بیگم نے ڈبڈبائی نظروں سے ساگر کو دیکھا۔

"میں ..... چاہتا ہوں کہ ..... فرزانہ اور ندیم ..... کی ..... شادی ....." ساگر کی آواز گھٹنے لگی۔ اس نے اپنا جملہ مکمل کرنا چاہا لیکن قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی۔ آنکھوں کے پپوٹے پھڑپھڑانے لگے۔ وہ ہر لمحہ موت کی سرحدوں سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا۔ شبانہ اور فرزانہ نے مل کر اسے مسہری پر لے جانے کی کوشش کی

Uploaded By Nadeem
ندیم

لیکن ساگر نے اشارے سے منع کر دیا۔ شاید اسے فرزانہ کی آغوش میں موت کی اذیت سے زیادہ سکون مل رہا تھا۔

اچانک ندیم ڈاکٹر کو ساتھ لئے کمرے میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر نے آگے بڑھ کر ساگر کی نبض پر ہاتھ رکھ کر ڈوبتے ہوئے دل کی معدوم ہوتی ہوئی دھڑکنوں کو محسوس کیا اور خاموشی سے سر جھکا لیا۔

ندیم بے چین ہو کر عظمت کے اس مینار کو دیکھنے لگا جو بس کوئی دم کا مہمان تھا۔ جس نے اپنی زندگی کو اندھیرے کی بھینٹ چڑھا کر دوسروں کو روشنی عطا کی تھی۔

ساگر کے چہرے پر کرب ناک تاثرات پھیل رہے تھے۔ اس نے شبانہ کو دیکھا پھر بڑی مشکل سے نگاہوں کا زاویہ بدل کر فرزانہ کے معصوم چہرے پر الوداعی نظر ڈالی۔ کچھ کہنے کے لئے اس کے ہونٹ کپکپائے لیکن کہہ نہ سکا۔ موت کی ہچکی آئی اور ساگر کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

فرزانہ ماہی بے آب کی طرح پچھاڑیں کھانے لگی۔ ندیم چیخ پڑا۔ شبانہ بیگم کی ہچکیاں بندھ گئیں لیکن ساگر بڑے سکون سے آنکھیں بند کئے ابدی نیند سو رہا تھا۔ جیسے ایک طویل مسافت طے کرنے کے بعد کوئی تھکا ہارا مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر آرام کر رہا ہو۔

☆======☆======☆

دو ماہ بعد.....

فرزانہ دلہن بنی عروسی جوڑے میں لدی پھدی ندیم کے بنگلے کے ایک سجے سجائے کمرے میں پھولوں کی سیج پر سمٹی سمٹائی بیٹھی تھی۔ سرخ دوپٹہ کا حسین آنچل جو سنہری کرن گوٹے اور کامدانی کے بھاری کام سے دمک رہا تھا اس کے چہرے پر گھونگھٹ کئے ہوئے تھا اور باریک شیفون کے اندر فرزانہ حسن اور معصومیت کا ایک حسین پیکر بنی شرمائی لجائی سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

نیم وا نظروں سے حیا کی شوخی جیسے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ چہرہ گلنار گلنار سا لگ رہا تھا جس پر معصومیت کا عکس جھلک رہا تھا اور رخساروں پر افشاں یوں چمک رہی تھی جیسے ننھے منے ہزاروں ستارے اس پیکر ماہتابی پر قربان ہو جانے کے لئے بے چین ہوں۔

سرخ جوڑے میں کسی نازک سی بیربہوٹی کی طرح خاموش خاموش نظر آ رہی تھی

لیکن اس خاموشی میں بھی ہزاروں ارمان پنہاں تھے۔ لاکھوں آرزوئیں مچل رہی تھیں۔ نہ جانے کتنی امنگیں تھیں جن کے بر آنے کی تمنا روپوش تھی۔

باہر سے شہنائی کی آواز آ رہی تھی۔ ماحول پر سحر آگیں کیفیت طاری تھی اور پھر دروازے پر سنائی دینے والی قدموں کی مانوس آہٹ پا کر فرزانہ اپنے وجود میں کچھ اور سمٹ کر رہ گئی۔

قدموں کی آہٹ۔

جسے سن کر اس کے دل میں لطیف دھڑکنیں پیدا ہو گئی تھیں۔

لطیف دھڑکنیں۔

جسے سننے کے لئے اور محسوس کرنے کے لئے وہ ایک مدت سے منتظر تھی لیکن آج..... آج انہی دھڑکنوں نے اسے چھوئی موئی کی طرح اپنے پیکر میں سمٹ جانے پر اکسایا تھا۔

فرزانہ نے جھجکتے جھجکتے حیا بار پلکوں کی اوٹ سے جھانک کر دیکھا۔ ندیم پھولوں سے لدی مسہری کے قریب کھڑا اسے مسکراتی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ فرزانہ نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ دل کی دھڑکنوں میں تیزی سی آ گئی۔ چہرہ حیا کی سرخی سے تمتما اٹھا۔

"فری!" ندیم نے مسہری پر بیٹھ کر اسے بڑی آہستگی سے آواز دی۔

فرزانہ کا جھکا جھکا سا سر کچھ اور جھک گیا۔ اس کے گلابی ہونٹ کسی شگفتہ پھول کی نرم و نازک پنکھڑیوں کی مانند کپکپا کر رہ گئے۔ جیسے کچھ کہتے کہتے اچانک رک گئے ہوں۔

"فری!" ندیم نے اپنی منزل کو دوبارہ پکارا۔

"جی!" اس بار فرزانہ نے بڑی دھیمی آواز میں جواب دیا۔ یوں لگا تھا جیسے خوابیدہ سے ماحول میں نقرئی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔

"خدا کا شکر ہے' آپ نے جواب تو دیا۔" ندیم نے شوخ لہجے میں کہا۔ "میں تو سمجھا تھا جیسے آج آپ نے چپ رہنے کی قسم کھالی ہے۔"

جواب میں فرزانہ کے چہرے پر ایک شرمیلا سا دل آویز تبسم ابھر آیا۔

"بہت خوب..... آپ مسکرائیں تو سہی۔"

فرزانہ خاموش رہی۔ دل کی دھڑکنوں میں اضافہ ہونے لگا۔ ہونٹوں پر بدستور تبسم

Uploaded By Nadeem
ندیم

کھیل رہا تھا۔

"فری!" ندیم نے اسے پھر پکارا

"جی!"

"کچھ باتیں کرو۔"

"کیا؟" فرزانہ نے آہستہ سے پوچھا۔

"جو تمہارا دل چاہے۔" ندیم نے مسکراتے ہوئے کہا اور فرزانہ سرخ جوڑے میں کچھ اور سمٹ کر رہ گئی۔

ندیم اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے گھونگھٹ ہٹایا اور دبی آواز میں بولا۔

"فری! آج میں بے حد خوش ہوں ..... آج میں اپنی قسمت سے شاکی ہونے کے بجائے اس پر فخر کر رہا ہوں۔ قدرت کی ان لازوال عنایتوں کا احسان مند ہوں جنہوں نے تمہیں ازل سے میری قسمت میں رقم کر دیا تھا۔"

فرزانہ آنکھیں بند کئے سنتی رہی۔

"کچھ تم بھی تو کہو ..... یوں کب تک چپ چاپ رہو گی؟" ندیم نے فرزانہ کے مہندی رچے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کہتے رہئے' میں سن رہی ہوں۔" فرزانہ نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"کیا؟"

"تم آج اس قدر شرما کیوں رہی ہو؟" ندیم کے لہجے میں شوخی اور شرارت تھی اور فرزانہ اس انوکھے سوال پر اندر ہی اندر کٹ کر رہ گئی۔ کوئی جواب نہ دے سکی۔

ندیم اسے بہت دیر تک یونہی چھیڑتا رہا' پریشان کرتا رہا' ستاتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"میں ساگر انکل کی عظمتوں کو سلام کرتا ہوں۔ کتنے بلند تھے وہ۔ ان کی قربانی عدیم المثال ہے جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے گی۔ مجھے افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میں ان کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔ کاش مجھے پہلے معلوم ہو جاتا کہ وہ میرے چچا تھے۔"

ایک لمحے کے لئے ندیم کے ساتھ ساتھ فرزانہ کا دل بھی بھر آیا۔ اس نے ندیم کو ساگر کی حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ خود بھی اس مرنے والے کا جگر گوشہ ہے جس کی موت نے اسے زندگی کا پیغام دیا تھا۔

ساگر کے تذکرے نے دونوں کو اداس کر دیا۔ ندیم مرد تھا اس لئے ضبط کر گیا لیکن فرزانہ کا معصوم دل باپ کی جدائی کے احساس سے بھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کے دو قطرے ابل کر اس کے رخساروں پر ڈھلک گئے۔ ندیم کو اپنی غلطی کا بڑی شدت سے احساس ہوا۔

"ارے ..... تم رو رہی ہو فری!" اس نے جلدی سے ماحول کا رخ پلٹتے ہوئے کہا۔ "آج کی رات رونے کے لئے نہیں ہے۔ اس رات کا خیر مقدم تو ہمیں مسکراہٹوں سے کرنا چاہئے۔ کتنی تڑپ کے بعد قدرت نے ہمیں اس رات کی رنگینیوں سے نوازا ہے۔"

فرزانہ چپ رہی۔

"فری!" ندیم نے اس کے چہرے کو گھورتے ہوئے مخاطب کیا۔

"جی!"

"آج اگر میں کچھ کہوں تو تم اسے میری گستاخی پر تو معمور نہیں کرو گی۔" ندیم نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"کہئے۔" فرزانہ مدھم آواز میں بولی۔

"برا تو نہیں مانو گی؟"

فرزانہ نے نفی کے انداز میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"سوچ لو' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں میرے بہکنے پر آج بھی کوئی اعتراض ہو۔" ندیم کی آواز میں جذبات کی تشنگی جھلک رہی تھی۔

فرزانہ نے آنکھیں کھول کر ندیم کو دیکھا پھر جلدی سے شرما کر گردن جھکا لی۔ دل میں پیدا ہونے والی لطیف دھڑکنوں سے اس کی روح تک گنگنا اٹھی تھی اور کمرے میں دیوار پر لگی ہوئی تصویر "انجام وفا" پر بھی جیسے خوشیوں کا تلاطم پیدا ہو گیا۔

کینوس پر بکھرے ہوئے رنگ آج سوگوار نہیں لگ رہے۔ ان رنگوں سے آج

Uploaded By Nadeem
ندیم

خوشیوں کی کرن پھوٹ رہی تھی۔

خوشیوں کی کرن۔ جس کے اندر ساگر کی روح بھی مسکراتی نظر آ رہی تھی۔

لیکن کون جانے یہ مسکراہٹ کس بات کی غمازی کر رہی تھی۔

"انجام وفا" کے معراج کی ..... یا .....

ندیم اور فرزانہ کے ملاپ کی.....!

☆=====ختم شد=====☆

Uploaded by Nadeem

ندیم